لاہور سے
تا خاکِ بخارا و سمرقند

سفرنامہ

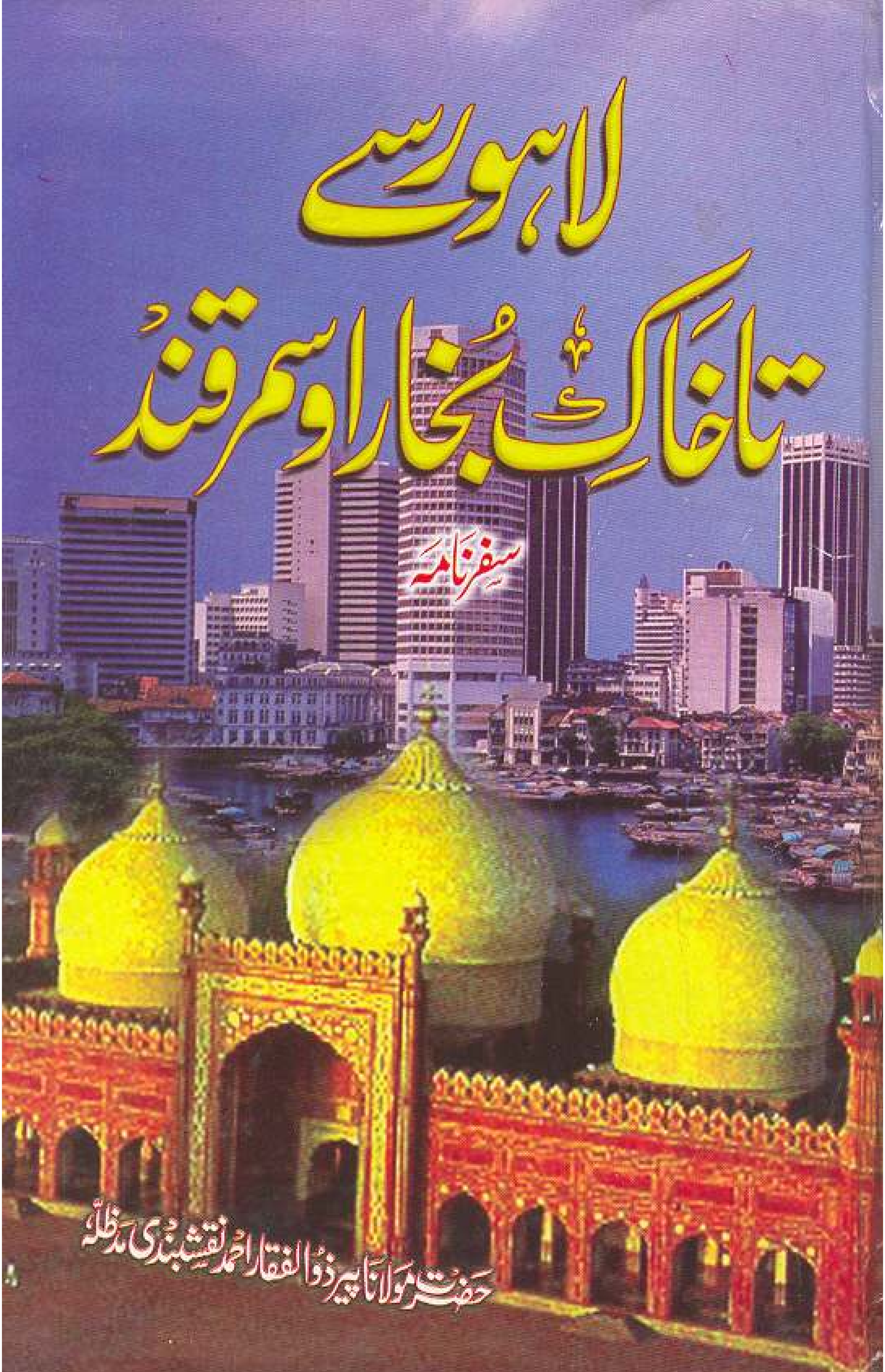

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

لاہور سے
تا خاکِ بخارا اور سمرقند

مؤلف

حضرت مولانا فقیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

ناشر

مکتبہ علمیہ محلہ مبارک شاہ اردو بازار سہارنپور یوپی (انڈیا)

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	عرض ناشر	7
	پیش لفظ	9
1	باب 1: پس منظر	11
2	باب 2: ازبکستان کا سفر	17
	روسی وفد سے ملاقات	18
	پہلی پرواز	21
	دہریے کی مستی	22
	ایک عارف کی نصیحت	24
	سیاحت ہوٹل میں قیام	25
	مفتی اعظم سے ملاقات	26
	مصحف عثمانی کی زیارت	30
	تاشقند کے بارے میں	32
	وادی فرغانہ میں چند روز	33
	نمنگان کی مرکزیت	35
	نسبت کی برکات	37
	کباب میں ہڈی	38
	انت هذا و نحن هذا	40
	اندجان کے مدارس	43
	دو ہیروں کی دریافت	45
	مہمان نوازی کی انتہاء	47
	حاکم قوقان کی دعوت	48
	تو نیز بر سر بام آ	49
	منبر کی آواز محفلوں تک	50
	تاشقند واپسی	51

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	تاشقند کا اردو سکول	52
	مجھے ہے حکم اذاں	53
	انگرین کا سفر	57
	سی جیلان کے دلکش مناظر	61
	نشہ پلا کے گرانا	65
	راستے کی چٹانیں	66
	سمرقند کا تاریخی شہر	69
	سرخ آندھی کیسے آئی؟	71
	علماء پر سختیوں کی انتہاء	73
	دین مٹاؤ تحریک	75
	نام و نشان نہ رہے	77
	پتہ ہی کاٹ دیا	77
	دیوانوں کی روئیداد	78
	صنف نازک کی استقامت	80
	ریگستان کے مدارس	81
	مفتی اعظم سمرقند کی بیعت	83
	لالے کی حنابندی	84
	مخطوطہ کتب کی لائبریری	85
	لوہے کی چادروں پر لکھا ہوا قرآن مجید	87
	پتوں پہ لکھا ہوا قرآن مجید	88
	فن کتابت	89
	شاہ زندہ کی زیارت	91
	مسجد بی بی خانم	93
	گور امیر	94
	امام اہلسنت ابو منصور ماتریدیؒ	95
	محدثین کا قبرستان	96

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ	96
	حضرت خواجہ سعید بن عثمان بن عفان	97
	حضرت خواجہ عبید اللہ احرار ولیؒ	97
	امام بخاریؒ کی آخری آرامگاہ	98
	ایک یادگار مراقبہ	103
	بخارا ایک تاریخی شہر	104
	مدرسہ میر عرب	105
	مسجد امام بخاری کا یادگار خطبہ	106
	شیخ بخارا تیشہ بابا سے ملاقات	108
	مسجد ابو حفص کبیرؒ	110
	حضرت سید امیر کلالؒ	111
	حضرت کعب بن احبارؓ	111
	قصر عارفاں کی پرشکوہ عمارت	112
	خدایا یہ تیرے پراسرار بندے	113
	خواجہ جہاں کے دیس میں	116
	خفیہ ایجنسی کی ہیبت	118
	ہمیں بھی پہچانو	120
	نائب حاکمہ کی آمد	120
	حضرت گل بابا سے ملاقات	121
	شکار کرنے کو آئے	122
	وزیر کی فقیر سے ملاقات	122
	وہ شاہین زیر دام آیا	123
	دوشنبہ سے وفد کی آمد	125
	حضرت خواجہ محمود انجیر فغنویؒ	125
	حضرت خواجہ محمد عارف ماہ تابانؒ	126
	حضرت خواجہ عزیزان علیؒ رامیتنی	126
	حضرت خواجہ بابا ساسیؒ	126
	کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا	127
	جوانوں کی خودی صورت فولاد	128
	یہ تو کوئی فرشتہ ہے	130
	دعوت ہائے شیراز	131
	فرنگی دوشیزہ سکون کی تلاش میں	132
	حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ	135
	چائے بھی اور چاؤ بھی	136
	حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانیؒ	137
	ارگت کا سفر	139
	شہر سبز کا سفر	141
	قرشی میں عرشی	142
	جزاک روانگی	143
	ایک مسلمان سے ملاقات	144
	ذرا چکھ کے دیکھو	145
	ازبکستان ادبیاتی و صنعتی اخبار کو انٹرویو	148
	ریڈیو تاشقند کو انٹرویو	149
3	باب 3: تاجکستان کا سفر	151
	دوشنبہ کا سفر	153
	شہر نو کے تین بھائی	155
	مومن کی فراست	155
	خوبصورت لوگ خوبصورت ملک	156
	حضرت مولانا محمد یعقوب چرخیؒ	157
	حضرت خواجہ مخدوم اعظمؒ	159

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	جسے اللہ رکھے......	160
	عاشق خدا معمار	160
	مسجد خواجہ محمد عارف ریوگریؒ	161
	امیر شکور سے ملاقات	162
	نیم شب کی شاہی	164
	ٹیکوں کا قبرستان	165
	حکیم ترمذی کا مزار	166
	امام ترمذیؒ کے مزار پر	167
	نسبت نقشبندیہ کی برکات	168
	ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں	169
	زم زم بیلا	170
	محفل شعر و ادب	171
	حضرت خواجہ علاؤالدین عطارؒ	179
	زمین پر نشاں رہے	180
	سر آسیا روانگی	181
	مولانا احمد جان کو خلافت	183
	روبل کی بارش	183
	ترگرام کی مسجد	184
	ایک دلچسپ خواب کی دلچسپ تعبیر	185
	حاکم شہر کی دعوت	187
	اس سادگی پہ کون..........	188
	ہوا کے دوش پر	189
	ائیر ہوسٹس کی عقیدت	190
4	باب 4: قزاقستان کا سفر	193
	خدا کی قدرت	193
	الماتا۔ مسکراتی حسینہ	196
	الماتا کی جامع مسجد	198
	مفتی اعظم سے ملاقات	199
	نئی مسجد کا سنگ بنیاد	200
	قزاق دوشیزہ کا خواب	200
	شوبہ طائفہ کی آمد	201
	تیسرے ہیرے کی دریافت	202
	چیلک کا قیام	203
	مستورات کی بیعت	205
	نیلمدہ نیا نام	206
	حضرت خواجہ احمد یسویؒ	206
	اولیاء کا ریوڑ	208
5	باب 5: کرغستان کا سفر	209
	بشکک یا فرونزے	209
	نیکوں کی بستی	212
	مرکی میں ایک دن	214
	مغز کی تلاش	217
	زندگی بھر گولی نہیں کھائی	218
	مفتی اعظم جیبول کی بیعت	218
	اے لقائے تو جواب ہر سوال	219
	دہریہ لڑکی کا مسلمان ہونا	222
	چم کنت میں قیام	224
	قاضی بیضاوی کا مزار	224
6	باب 6: روس کا سفر	227
	شراب خانہ خراب	228

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	مرکزی مسجد کی زبوں حالی	230
	تاریخی مسجد میں قیام	231
	چوتھے ہیرے کی دریافت	234
	ناں ناں کرتے کرتے پیار........	235
	سادھو کا قبول اسلام	238
	تاریخی مسجد کا تاریخی خطبہ	243
	ارباب کریملین پر توجہ	244
	پانچویں ہیرے کی دریافت	245
	لینن گراڈ روانگی	246
	لینن گراڈ کی راتیں	248
	اوقات نماز کی تفصیل	249
	بحری جہاز کی سیر	252
	نوخیز لڑکی کی ان ہونی تمنا	253
	مغرب کی کمزری	255
	لینن کی اصلیت	256
	کلشنسکا کا دورہ	257
7	باب 7 : یوکرائن کا سفر	261
	فیضان حبیبؐ کے کرشمے	263
	رلویل کی کہانی خود ان کی زبانی	265
	مسجد کیف کا سنگ بنیاد	266
	خرکوف روانگی	268
	پاسبان مل گئے	269
	ماسکو میں ٹرانزٹ	272
8	باب 8 : تاتارستان کا	275
	گورکی کا سفر	275

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	کازان میں قیام	279
	ستم بالائے ستم	281
	لوفا کا قیام	282
	بوڑھی عورت کا اظہار محبت	284
	اکھیوں کے جھروکوں سے	285
9	باب 9 : کوہ قاف کے دیس	287
	کفر ناچا جن کے آگے	288
	اسلاف کی یادیں تازہ	289
	واپسی کا سفر	291
	لوٹ کے بدھو گھر کو آئے	293

✵✵✵✵✵

میں بندہ ناداں ہوں مگر شکر ہے تیرا
رکھتا ہوں نہانخانہ لاہوت سے پیوند
اک ولولہ تازہ دیا میں نے دلوں کو
لاہور سے تا خاک بخارا و سمرقند

عرض ناشر

علماء سے سنا ہے اور کتابوں میں پڑھا ہے کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں کہ وہ سرور دوعالم ﷺ کے فیضان رحمت سے حصہ پاتے ہیں اور اہل جہاں کے لئے سراپائے رحمت بن جاتے ہیں۔ پھر ان کے واسطہ سے مخلوق کو فیضان الٰہی پہنچتا ہے۔ عصر حاضر میں دیکھا جائے تو انہی رجال اللہ میں سے ایک شخصیت محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم کی بھی نظر آتی ہے۔ وہ قریہ قریہ بستی بستی محبت الٰہی کی جوت جگا رہے ہیں اور لوگوں کے قلوب کو گرما رہے ہیں۔

انہوں نے اپنا کوئی مسکن بنایا ہی نہیں۔ بس سفر ہی ان کی زندگی ہے۔

صبح چلتے ہیں شام چلتے ہیں
عشق والے مدام چلتے ہیں
ساتھ چلتی ہے ان کے یوں دنیا
جیسے پیچھے غلام چلتے ہیں

آپ فرماتے ہیں "ہر ملک ملک ماست" بسا اوقات تو صبح ایک ملک میں ہوتی ہے اور شام دوسرے ملک میں اور فجر کسی تیسرے ملک میں۔

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے ادھر نکلے ادھر نکلے ادھر ڈوبے

صرف یہ نہیں کہ یہ اسفار محض چلت پھرت ہیں بلکہ عند اللہ ایسی قبولیت نصیب ہے کہ مختصر ترین سفر میں بھی کثیر تعداد میں لوگ فیضیاب ہو جاتے ہیں۔ اگر شمار کیا جائے کہ یہ ابر رحمت کتنے ملکوں کو سیراب کر چکا ہے تو ممالک کی ایک طویل فہرست ہے جس کا یہاں لکھنا ایک بے معنی سی بات ہے۔

بعض حضرات نے حضرت سے متعدد دفعہ گزارش کی کہ آپ اپنے حالات سفر کو کتابی شکل میں منظر عام پر لائیں تاکہ عام آدمی کو بھی فائدہ پہنچے۔ لیکن حضرت اپنی کسر نفسی کی بناء پر ہر دفعہ یہی فرماتے کہ "بھئی ڈاکیئے کا کام تو فقط ڈاک پہنچانا ہوتا ہے اور وہی فریضہ ادا کر رہے ہیں" آخر ایک مرتبہ بعض حضرات نے عرض کیا کہ اگرچہ آپ ڈاکیے ہیں ہمارے لئے تو محبوب حقیقی کے پیامبر ہیں، اگر آپ در محبوب تک رسائی رکھتے ہیں تو ہم بھی اس کی متاعِ حسرت رکھتے ہیں۔ واللہ محفل ناز سجایئے اور محبوب کے لطف وانعام کا تذکرہ چھیڑیئے کہ اس سے آپ کو بھی کیف ونشاط حاصل ہوگا اور ہمیں بھی کچھ سوز ہجراں نصیب ہوگا۔ بس ایک دن حضرت کی جولانیء طبع میں طغیان آیا تو وسط ایشیاء کی آزاد ریاستوں اور رشیاء کے حالات سفر لکھنے شروع کر دیئے۔ مضمون آتا گیا داستان بنتی گئی' سیلان قلم جو چلا تو آٹھ سال پرانے سفر کو بھی یوں لکھ دیا جیسے ابھی دورہ کر کے آئے ہوں۔ باوجود اپنی تبلیغی مصروفیات کے تھوڑے ہی دنوں میں تقریباً 300 صفحات قلمبند کر دیئے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت دامت برکاتہم نے اپنی تواضع اور منکسر المزاجی کی وجہ سے یہ تین سو صفحات بھی بہ تکلف لکھے ہیں۔ نہ جانے اس میں بھی کیا کیا احوال چھپائے ہیں۔ اگر پوری شرح وبسط سے لکھتے تو یہ صفحات بھی کئی چند ہو جاتے۔ بہر حال **مالا یدرك كله لا يترك كله** کے مصداق ہم نے اسی کو غنیمت سمجھتے ہوئے طبع کروایا ہے اللہ سے دعا ہے کہ اس کاوش کو شرف قبولیت عطا فرمائیں۔

ہو سکتا ہے ایک عام قاری کو یہ تحریر دیگر علمی اور اصلاحی کتب سے ذرا مختلف محسوس ہو۔ اس ضمن میں عرض یہ کرنا ہے کہ حضرت کی طبع لطیف نے دوران تحریر چونکہ علم، ادب، اصلاح اور حقائق سفر ہر چہار جہت کے تقاضوں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے جس سے آپ کی تحریر میں ایک اچھوتا پن آگیا ہے۔ اور یہی اس کتاب کا حسن ہے۔ لہذا قارئین سے التماس ہے کہ وہ تصنیف کو اسی کے رنگ میں پڑھنے کی کوشش کریں۔ واللہ الموفق

پیش لفظ

الحمد للہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد

حضرت مرشد عالمؒ فرمایا کرتے تھے :

''سفر سقر ہوتا ہے مگر وسیلہ ظفر ہوتا ہے''

فقیر کو کئی مرتبہ ایشیاء کی آزاد ریاستوں کا سفر کرنے کا موقع ملا۔ احباب کا شدید اصرار رہا کہ وہاں کے مشاہدات و حالات کو قلمبند کیا جائے۔ فقیر ٹال مٹول کرتا رہا چونکہ دل میں بار بار یہ خیال آتا کہ

میں کیا مری حیثیت کیا

تقریباً سات سال کا عرصہ گزرنے کے بعد بھی احباب کا مطالبہ کم ہونے کی بجائے الٹا زور پکڑتا گیا حتیٰ کہ فقیر نے اللہ کا نام لے کر کاغذ قلم سنبھالا۔ جو کچھ ذہن میں آیا اسے بلا کم و کاست کاغذ پر منتقل کر دیا۔ اس بات کا خاص خیال رکھا گیا کہ زبان عام فہم اور اتنی سلیس ہو کہ پانچویں جماعت کا طالبعلم بھی اسے پڑھ کر فائدہ حاصل کر سکے۔ یہ سفر نامہ علماء کرام کی بجائے عوام الناس کے لئے زیادہ مفید ہوگا اور امید ہے کہ ان کی معلومات میں اضافہ ہوگا۔

قارئین کرام سے مؤدبانہ التماس ہے کہ فقیر کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں تاکہ آخرت کا سفر آسان ہو۔

ایں سخن را نیست ہرگز اختتام
ختم کن واللہ اعلم بالسلام

{یہ وہ باتیں ہیں جو کہ ختم نہیں ہو سکتیں، بس اب ختم ہی کر دے کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے }

دعا گو و دعا جو

فقیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی

كان الله له عوضا عن كل شئی

23مارچ2000ء

(حال مقیم) مکہ مکرمہ

باب 1

پس منظر

فروری 1992ء کا واقعہ ہے کہ فقیر نے جامع مسجد عثمانیہ بہادر آباد کراچی میں نماز جمعہ کا خطبہ دیا۔ بیان کے دوران امت مسلمہ کی زبوں حالی کا تذکرہ چل نکلا تو فقیر نے کہا،

''آج طاغوتی قوتیں امت مسلمہ کو دستر خوان پر پڑے ہوئے کھانے کی طرح ہڑپ کرنا آسان سمجھتی ہیں۔ آج کفر کے ہاتھ میں سٹار وار پروگرام ہے جب کہ ہمارے ہاتھ میں قرار دادیں ہیں۔ آج کفر کے ہاتھ میں پیٹریٹ میزائل ہیں جب کہ ہمارے ہاتھ میں اپیلیں ہیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ ہم قعر مذلت میں کیوں جا گرے؟ ہماری دینی غیرت وحمیت کہاں گئی؟ کیا ہم نے مسلمان ماؤں کا دودھ نہیں پیا؟ کاش کہ ہم عقل کے ناخن لیتے اور اپنی ذات کے خول سے باہر نکل کر دیکھتے کہ کفر کس طرح دندناتا پھرتا ہے۔ ایک ہم ہیں کہ خواب خرگوش کے مزے لے رہے ہیں۔

محترم جماعت! وقت ہمارے دروازے پر دستک دے رہا ہے کہ مسلمانو! جاگو،

جاگو، جاگو...... جو آج خود نہیں جاگے گا تو کفر اسے پاؤں کی ٹھوکروں سے پامال کرے گا۔ دشمن کے قدم ہماری دہلیز تک پہنچ چکے ہوں گے۔ پھر ہمارے خون کو پانی کی طرح بہا کر چنگیز خان کی یادیں تازہ کی جائیں گی۔ دشمن کے طیارے ہماری فضاؤں میں تیرتے اور چنگھاڑتے ہوں گے۔ توپوں کی گھن گرج ہمارے دماغوں کو ماؤف کرے گی۔ ہماری لاشوں کو ٹینکوں کے نیچے کچل دیا جائے گا۔ عورتوں کے سروں سے دوپٹے چھین لئے جائیں گے۔ ماں باپ کے سامنے پاکدامن بیٹیوں کی عصمتیں پامال کردی جائیں گی۔ زندہ بچنے والوں کے گلے میں ذلت ورسوائی کے طوق ڈال دیئے جائیں گے۔ پاؤں میں غلامی کی زنجیریں ڈال دی جائیں گی۔ افسوس صد افسوس ہمارے لئے چلو میں پانی لے کر ڈوب مرنے کا وہ مقام ہوگا۔ زمین کے اندر کا حصہ زمین کے اوپر کے حصے سے بہتر ہوگا۔ کاش کہ ہم وقت کی پکار سنتے اور چین کی بانسری بجانے کی بجائے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے اپنے تن من دھن کی بازی لگا دیتے۔

محترم جماعت! آج دنیا کے حالات تیزی سے اپنا رخ بدل رہے ہیں۔ ایک طرف مشرق میں جاپان کوریا سے لے کر سنگاپور تک کے ممالک آپس میں تجارتی مراسم بڑھا رہے ہیں اور عظیم مشرق کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ دوسری طرف مغربی ممالک ایک دوسرے کے ساتھ اس قدر منسلک ہو گئے ہیں کہ مختلف ممالک ایک شہر کے مختلف محلوں کی مانند بن گئے ہیں۔ یورا ڈالر (Eura Dollar) کی کرنسی اپنا کر عظیم مغرب کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ اے مسلمان نوجوان! اٹھ باندھ کمر کیوں ڈرتا ہے پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے۔ اٹھ کھڑا ہو اور اسلام کا پرچم ہاتھ میں لے کر چار دانگ عالم کو بتا دے کہ

Neither East, Nor West, Islam is the best.

(نہ ہی مشرق، نہ ہی مغرب، اسلام ہے سب سے بہتر)

محترم جماعت! یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو چڑیوں سے باز مروا دیتا ہے۔ قلیل کو کثیر پر اور کمزور کو قوی پر غلبہ عطا کر دیتا ہے۔ ہم اگر قرآن کو سینوں سے لگائیں اور پھر اپنے قدم اٹھائیں تو کامیابی ہمارے قدم چومے گی۔ وقت کا تقاضا ہے کہ

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کر دے

ماضی میں ایک وقت ایسا بھی تھا کہ روس دنیا کی سپر پاور کہلاتا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی حقیقی سپر پاور نے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ آج دیکھئے کہ روس سپر پاور کی بجائے صفر پاور بن چکا ہے۔ شیشے کا برتن ٹوٹ جائے تو بھی چھنا کے کی آواز آتی ہے اتنا بڑا ملک ٹوٹا مگر ذرا سی بھی آواز نہ آئی۔ یقین کریں کہ اگر ساری دنیا کی طاقتیں بھی اکٹھی ہو جاتیں تو روس کے اتنے ٹکڑے نہ کر سکتیں جتنے ٹکڑے روس نے اپنے ہاتھوں سے کر لئے۔ کیا یہ معجزہ ہم نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا؟ ممکن ہے کہ وسط ایشیاء کی نو آزاد ریاستوں کے مسلمان اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے اپنا کردار ادا کر سکیں۔

ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی صفوں میں اتحاد و یگانگت کی فضا پیدا کریں۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

محترم جماعت! اگر ہم مسلمان متحد ہو گئے تو طاغوتی قوتوں پر یہ راز طشت از بام ہو جائے گا کہ مسلمان تو لوہے کے چنے ہیں انہیں چبانا کوئی آسان کام نہیں ہے"

نماز جمعہ کے بعد محترمی جناب سعید الظفر صاحب (ڈائریکٹر پاکستان سٹیل ملز کراچی) نے فقیر سے کہا" حضرت آپ وسط ایشیاء کی ریاستوں کا دورہ کریں تاکہ

مسلمانوں کے درمیان فاصلے کم ہوں۔ یہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔ فقیر نے اثبات میں کہا انشاء اللہ۔ محترمی عبدالشکور دادا صاحب (چیف ایگزیکٹو دادا سنز لمیٹڈ) نے کہا "میرے ایک دوست عرصہ دراز سے روس میں تجارتی کام کر رہے ہیں۔ میں ان کی وساطت سے ویزے کا بندوبست کر دوں گا"۔ فقیر نے کہا "اچھی بات ہے"۔ چنانچہ فقیر نے اپنا پاسپورٹ ان کے حوالے کیا اور وطن مالوف واپس آگیا۔ کئی دن ویزہ کے انتظار میں گزر گئے۔ ایک ماہ گزرنے کے بعد معلوم ہوا کہ ویزہ لگنے میں کچھ رکاوٹیں ہیں۔ مزید پندرہ دن کے بعد مواصلاتی رابطہ کرنے پر معلوم ہوا کہ رکاوٹیں ابھی تک برقرار ہیں۔ فقیر متفکر ہوا اور بارگاہ ایزدی میں سجدہ ریز ہو کر دعائیں مانگتا رہا۔ اسی دوران محبی و مشفقی جناب منیر احمد صاحب کا درج ذیل خط موصول ہوا۔

مکتوب

از کراچی

خدمت جناب محترم المقام واجب الاحترام پیر و مرشد دام ظلکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

خیریت موجود بفضل اللہ تعالیٰ۔ عافیت مطلوب از بارگاہ اعلیٰ۔ صورت احوال یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنی سستی اور کوتاہی کی معافی مانگتا ہوں۔ آپ کی طرف خط نہیں لکھ سکا۔ مجھے آپ کی مصروفیات کا پتہ ہے۔ اس لئے وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا مگر رہنمائی کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔

میں 10 رمضان المبارک کو تہجد کی نماز کے بعد مراقبہ میں تھا کہ آپ مجھ اکیلے کو مراقبہ کروا رہے تھے اور کوئی بندہ کمرے میں نہیں تھا۔ ایک آواز آئی کسی نے مجھے کہا "یہ کون ہے" میں نے جواب میں کہا "یہ میرے پیر و مرشد حضرت ذوالفقار احمد صاحب ہیں" آواز آئی "ان کو رسول اللہ ﷺ کا پیغام دے دو کہ 75 دن کے لئے

سوویت یونین چلے جائیں"۔ جناب براہ مہربانی رہنمائی فرمائیں اور جواب سے نوازیں۔ شکریہ

والسلام آپ کا سیاہ کار نالائق و ناچیز مرید

منیر احمد

فقیر یہ مکتوب پڑھ کر حیرت و استعجاب کا مجسمہ بن گیا۔ منیر احمد صاحب کو فقیر کے آئندہ لائحہ عمل کا قطعاً علم نہیں تھا۔ پھر انہوں نے یہ بات کیسے لکھ دی ؟ دل میں خیال آیا کہ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو لنگڑے مچھر اور کمزور مکڑی سے کام لے لیتا ہے۔ کیا بعید ہے کہ فقیر جیسے کم عمل اور بے بضاعت سے بھی اشاعت دین کا کام لے لیا جائے۔ دوسرے دن اطلاع ملی کہ فقیر کے پاسپورٹ پر ازبکستان کا ویزہ لگ چکا ہے۔ فقیر نے ایک ہم مشرب دوست سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا "ماضی بعید میں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی نسبت شریفہ وسط ایشیاء سے پاک و ہند میں منتقل ہوئی تھی۔ اب لگتا ہے کہ عصر حاضر میں یہ قرض واپس کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو چن لیا ہے۔ لہٰذا اس کار خیر میں تاخیر نہیں ہونی چاہئے"۔

گو کہ اس بات سے فقیر کی حوصلہ افزائی ہوئی تاہم تسلی و اطمینان کے لئے اپنے پیر تعلیم حضرت شیخ وجیہ الدین صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں حاضر ہو کر انہیں صورتحال سے آگاہ کرنے کا خیال آیا۔ جب انجینئرنگ یونیورسٹی میں حاضر ہو کر حضرت شیخ صاحب دامت برکاتہم کو احوال واقعی عرض کئے تو انہوں نے مکتوب پڑھا اور فرمایا۔

"بھئی یہ تو بڑی بشارت ہے آپ ضرور جائیں"

حاضرین مجلس میں سے ایک صاحب نے فرمایا "شیخ صاحب ! یہ تو قرض لوٹانے جارہے ہیں"۔ حضرت شیخ صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا "وسط ایشیاء سے نسبت

نقشبندیہ ہمیں ملی تھی۔ پھر امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے اس میں مزید اسباق شامل کیئے۔ اب تو یہ مجددی اسباق والی نعمت لے کر وہاں جائیں گے"۔ یہ بات سن کر فقیر کے جسم میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی

فقیر نے دفتر سے طویل رخصت لے کر رخت سفر باندھا اور آغاز سفر کرتے ہوئے زبان حال سے کہا

جس کے ناموں کی نہیں ہے انتہاء
ابتدا کرتا ہوں اس کے نام سے

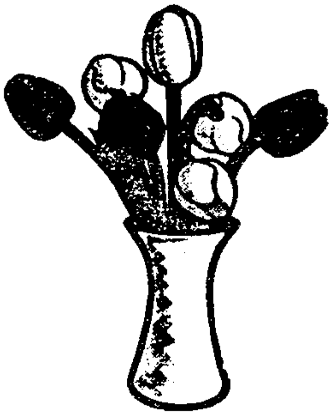

باب 2

ازبکستان کا سفر

فقیر نے وسط ایشیاء کے سفر کا آغاز لاہور سے 22اپریل 1992ء بدھ کے دن کیا۔ بڑوں سے سنا ہے کہ بدھ کے دن جس کام کی ابتداء کی جائے اس میں سدھ ہوتی ہے۔ بعض علماء تو اس بارے میں حدیث پاک بھی نقل کرتے ہیں اور شاید اسی وجہ سے پاکستان کے دینی مدارس میں تعلیمی آغاز بدھ کے دن کیا جاتا ہے۔ لاہور سے کراچی کی فلائٹ حسب معمول کافی آرام دہ تھی۔ فقیر نے خطبہ جمعہ جامع مسجد عثمانیہ کراچی میں دیا۔ جن احباب کو فقیر کے سفر کا پتہ چلا انہوں نے فرحت وانبساط کا اظہار کرتے ہوئے ڈھیروں دعائیں دیں۔ ہفتہ کے دن ائرپورٹ پر پہنچے تو معوم ہوا کہ فلائٹ ازبکستان سے آئی ہی نہیں لہٰذا جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مسافر حضرات نے جب دفتر معلومات سے رابطہ کیا تو بتایا گیا کہ اگلی فلائٹ سوموار کے دن اسلام آباد سے تاشقند کے لئے روانہ ہوگی۔ پس جو لوگ تاشقند جانا چاہتے ہیں وہ اسلام آباد چلے جائیں۔ فقیر PIA کی فلائٹ کے ذریعے اسلام آباد پہنچا۔ قیام پروفیسر محمد اسلم صاحب

کے مکان پر کیا۔ سوموار کے دن پھر رخت سفر باندھا اور ائرپورٹ پر پہنچے۔ سامان چیک کروا کر بورڈنگ پاس حاصل کیا اور امیگریشن کے مرحلہ سے گذر کر لاؤنج میں پہنچے۔ تقریباً ایک گھنٹہ تک انتظار کرنے کے باوجود جب فلائٹ جانے کا کوئی اعلان نہ ہوا تو طبیعت میں تشویش پیدا ہوئی۔ اتنے میں اعلان کیا گیا کہ، چونکہ افغانستان کے اندر دو متحارب گروپوں میں لڑائی زور پکڑ گئی ہے لہٰذا ائیر فیلڈ بند ہونے کی وجہ سے فلائٹ نہیں جا سکے گی۔ سب مسافر حضرات PIA کے زیر انتظام ایک ہوٹل میں قیام کرنے کے لئے تشریف لے چلیں۔ مسافر حضرات نے چہ میگوئیاں کرنی شروع کر دیں۔ کچھ لوگ غم و غصہ کا اظہار کر رہے تھے۔ کچھ لوگ کھڑے مسکرا رہے تھے اور کچھ لوگ حالات کی نزاکت و صداقت پر بحث کر رہے تھے۔

روسی وفد سے ملاقات:

اتنے میں ایک خوبصورت نوجوان نے فقیر سے آکر پوچھا کہ کیا آپ تابانی گروپ کے کسی آدمی کو جانتے ہیں؟ فقیر نے جناب یعقوب تابانی صاحب کا نام لیا ہی تھا کہ وہ صاحب سینے سے لگ گئے اور کہنے لگے کہ میں تابانی گروپ کے تاشقند آفس میں مینیجر کے طور پر کام کرتا ہوں اور مجھے عباس خان کہتے ہیں۔ مجھے آپ کے بارے میں پوری معلومات حاصل ہیں۔ آیئے میں آپ کا تعارف وسط ایشیاء سے آئے ہوئے چند معززین سے کرواتا ہوں۔ ساتھ ہی انہوں نے قریب کھڑے ہوئے چند حضرات کا تعارف کروایا جن میں حبیب اللہ صاحب فارن منسٹر اور ایکس پریذیڈنٹ ازبکستان اور انور سعید منسٹر ٹورازم شامل تھے۔ فقیر نے بھی اپنی دنیوی تعلیم اور دینی مشاغل کے متعلق اپنا تعارف کروایا تو جمال کمال صاحب نے ”انسان کامل“ اور ”آدم کامل“ کا خطاب دیا۔ حبیب اللہ صاحب نے ”ذوالفقار زندہ باد“ کے الفاظ سے اپنی دلی خوشی کا

اظہار کیا۔ عباس خان نے تجویز پیش کی کہ ہوٹل میں ٹھہرنے کی بجائے تابانی گروپ کے مہمان خانے میں ٹھہرنا چاہیئے۔ وہاں پر کھانے پینے اور رہنے سہنے کی سہولیات زیادہ ہوں گی، مزید بر آں شور و غل سے جان چھوٹ جائے گی۔ سب حضرات نے مسکرا کر اس تجویز کو قبول کیا اور یوں ہم لوگ اسلام آباد کے ایک خوبصورت علاقے کے ایک خوبصورت مہمان خانے میں آگئے۔ فقیر کو مہمان حضرات کے ذریعے وسط ایشیا کے بارے میں درج ذیل معلومات حاصل ہوئیں۔

"وسط ایشیا کی سرحدیں شمال میں روسی سائبیریا کے یخ بستہ میدانوں کو چھوتی ہیں اور جنوب میں افغانستان و ایران سے ملتی ہیں۔ یہ وسیع و عریض علاقہ ایک طرف چین کی سرحد سے ملتا ہے تو دوسری طرف کیسپئین کے ساحل تک جا پہنچتا ہے۔ افغانستان اور وسط ایشیا کے درمیان میں دریائے جیحوں بہتا ہے۔ اس لئے پاک و ہند کے لوگ اس علاقے کو "دریاپار" یعنی عربی زبان میں ماوراء النہر کا علاقہ کہتے ہیں۔

یہ علاقہ سیر، کارا، زرافشاں اور آمو دریاؤں کی سرسبز اور زرخیز زمین پر مشتمل ہے۔ جس کے بطن میں سونے، چاندی، یورینیم گیس اور تیل کے وافر ذخائر ہیں۔ اس کے میدانوں میں کپاس اگتی ہے اور سڑکوں کے دونوں جانب کے باغات پھلوں سے لدے رہتے ہیں۔ اس کے ایک طرف پامیر کے برف پوش پہاڑ ہیں تو دوسری طرف ترکمانستان کے وسیع و عریض ریگستان بھی ہیں۔

ماضی میں وسط ایشیا کی اس سرزمین میں چونکہ شاہراہ ریشم گزرتی تھی لہٰذا یہ علاقہ زبردست فوجی اور اقتصادی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ اسی وجہ سے وقت کے طالع آزماؤں اور توسیع پسندوں کی یلغار کا مرکز بھی یہی جگہ رہی ہے۔

تین سو سال قبل مسیح میں یہ زمین سکندر اعظم کے تابع رہی ہے۔ پھر ساتویں اور آٹھویں صدی میں عربوں کے ذریعے یہاں اسلام کی بہار آئی۔ تیرھویں صدی میں

منگولیا سے چنگیز خان کی سفاکی کا طوفان اٹھا اور اس نے اس علاقے کی زندگی و تہذیب کو درہم برہم کر دیا۔ بالآخر امیر تیمور اور ظہیر الدین بابر نے برصغیر کی تاریخ اور تہذیب پر گہرے نقوش چھوڑے۔ قضاو قدر کے فیصلے ہیں کہ انیسویں صدی کے شروع میں اس قدر دینی تہذیب و تمدن رکھنے والی جگہ ایک مرتبہ پھر زار روس کی جارحیت کے نتیجے میں کفر کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ ستر سال تک یہاں کمیونسٹ سرخ انقلاب کا دور دورہ رہا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے 1991ء کے آخر پر ان لوگوں کو آزادی کی نعمت عطا کی اور کیمونزم کا سورج ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا"۔

فقیر کے لئے یہ معلومات فقط دلچسپ ہی نہیں بلکہ عبرت کا باعث بھی تھیں۔ قوموں کے عروج و زوال کی داستانیں بہرے کانوں اور بند آنکھوں کو کھولنے کے لئے کبریت احمر کا درجہ رکھتی ہیں۔ دوپہر اور رات کے کھانے پر جب سب مل بیٹھے تو لذیذ کھانوں کے بجائے وسط ایشیاء کے حالات وواقعات سننے میں زیادہ لذت ملی۔ رات گئے تک یہ سلسلہ کلام جاری رہا۔

اگلے دن صبح سویرے یہ خبر ملی کہ فلائٹ آج بھی نہیں جاسکتی۔ وسط ایشیا کے حضرات اس خبر کو سن کر بہت زیادہ سیخ پا ہوئے۔ ان میں سے بعض حضرات نے سرکاری دفاتر میں حاضری دینی تھی اور انہیں یوں محسوس ہو رہا تھا کہ ان کے پاؤں میں غیر معینہ مدت تک کے لئے زنجیریں ڈال دی گئی ہیں۔ حبیب اللہ صاحب ایکس پریذیڈنٹ ازبکستان نے تجویز دی کہ ہم کیوں نہ کراچی سے ماسکو چلے جائیں اور پھر ماسکو سے تاشقند واپس آجائیں۔ سب لوگوں نے یہ تجویز بہت پسند کی۔ انہوں نے فقیر سے رائے پوچھی تو فقیر نے کہا کہ آپ لوگ جائیں، بہترین تجویز ہے۔ انہوں نے پوچھا تو آپ نہیں جانا چاہتے؟ فقیر نے کہا کہ میرے پاس ماسکو کا ویزہ نہیں ہے۔ تاش مرزا ایمبیسڈر ازبکستان نے مسکرا کر کہا کہ پاسپورٹ لائیں ابھی آپ کا ویزہ لگوا

دیتے ہیں۔ عباس خان نے اپنے ڈرائیور کو بلوایا اور فقیر کا پاسپورٹ دے کر سفیر صاحب کا پیغام بنام ویزہ کونسلر دیا کہ ابھی ابھی اس پر ویزہ لگائیں، چونکہ یہ سفیر صاحب کے ساتھ سفر کریں گے۔ ڈرائیور نے واپس آکر سب کے سامنے کہا کہ کونسلر پاسپورٹ کو دیکھ کر بڑبڑا رہا تھا کہ یہ شخص نہ تو کسی ملک کا پریذیڈنٹ ہے نہ ہی پرائم منسٹر ہے پھر مجھے چھٹی کے دن گھر سے بلایا گیا ہے کہ ویزہ سٹمپ کر دوں۔ جب فقیر نے پاسپورٹ کھول کر دیکھا تو اس میں تین ماہ کی مدت کا ویزہ لگایا گیا تھا اور وسط ایشیا کی ریاستوں اور روس کے باقی ماندہ حصوں میں جانے کی اجازت بھی موجود تھی۔ فقیر نے الحمد للہ کہتے ہوئے اطمینان کا سانس لیا کہ خواب والی بات پوری ہوتی نظر آرہی ہے۔ ''پچھتر دن کے لئے آزاد ریاستوں میں چلے جاؤ''۔ پی آئی اے کی فلائٹ کا مؤخر ہونا فقیر کے حق میں رحمت بن گیا۔ فقیر نے دو رکعت نفل شکرانے کے طور پر ادا کئے۔ عام حالات میں روس کا تین مہینے کا ویزہ لگنا جتنا مشکل تھا فقیر کے لئے اللہ تعالیٰ نے اتنا ہی آسان کر دیا۔

پہلی پرواز:

2 مئی 1992ء ہفتہ کے دن اسلام آباد سے کراچی روانگی ہوئی۔ وسط ایشیا کے وفد کے ہمراہ فقیر نے بھی VIP کلاس میں سفر کیا۔ رات کو ہوٹل میں ٹھہرنے کی بجائے فقیر نے شیخ محمد یعقوب صاحب کے گھر قیام کرنے کو پسند کیا۔ جماعت کے احباب جمع ہوگئے تھے، رات کا بیشتر وقت مشائخ نقشبند کے حالات و واقعات سنانے میں گذر گیا۔ اللہ تعالیٰ کے نام میں اتنی لذت اور شیرینی ہے کہ اس نام کا ذکر کرنے والوں کے تذکرے کرنے میں بھی مزہ آتا ہے، دلوں کو سکون ملتا ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ سے کسی نے پوچھا کہ اہل اللہ کے تذکرے سے سکون قلب ملتا ہے اس کی کوئی

قرآنی دلیل بھی ہے۔ آپ نے قرآن مجید کی آیت تلاوت فرمائی۔

و کلا نقص علیك من انباء الرسل ما نثبت به فؤادك

(اور وہ سب ہم بیان کرتے ہیں آپ پر رسولوں کی خبروں میں سے، جس کے ذریعے ہم آپ کے دل کو مضبوط کرتے ہیں)

3 مئی 1992ء کو صبح سویرے نور کے تڑکے کراچی ائرپورٹ پر پہنچے۔ یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ ازبکستان ائر لائن کی فلائٹ تاشقند سے کراچی آچکی ہے۔ اب یہی فلائٹ مسافروں کو کراچی سے تاشقند لے جائے گی۔ جب کاؤنٹر پر پہنچے تو وہاں پر Virgin Flight (پہلی پرواز) کا بینر لگا ہوا تھا۔ شیخ ایرانی نے آیت پڑھی،

انا انشأنهن انشاء فجعلنٰهن ابکارا

(ہم نے ان (حوروں) کو پیدا کیا، پس ہم نے ان کو کنواریاں بنایا)

پھر کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ جنت میں بھی اپنے پیاروں کو کنواری لڑکیاں عطا کرے گا۔ آپ کو تو دنیا میں کراچی سے تاشقند کی پرواز بھی پہلی نصیب ہو رہی ہے۔ الحمد للہ پاکستان کی طرف سے دینی مقصد کے پیش نظر پہلا پاکستانی ہونے کا اعزاز نصیب ہوا۔ پوری پرواز میں دینی وضع قطع کا کوئی دوسرا مسافر نظر ہی نہیں آرہا تھا۔ جہاز کی نشستیں آدھی سے زیادہ خالی تھیں۔

دہریے کی مستی :

جہاز کو پرواز کیے ابھی آدھا گھنٹہ ہی گزرا تھا کہ قریبی نشست پر بیٹھے ہوئے ایک پاکستانی نے فقیر سے گفتگو کا آغاز ان الفاظ میں کیا " میں چند سال پہلے روس میں انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے آیا تھا۔ جب ڈارون کی تھیوری پڑھی تو حقیقت کھلی کہ مذہب کی اپنی حقیقت کوئی نہیں ہے۔ انسانوں نے اپنی غمی خوشی کو

نمٹانے کے لئے طور طریقے اپنا لئے ہیں۔ عالم حضرات فقط دینی کتابیں پڑھ لیتے ہیں۔ ان بچاروں کو دنیا کا کیا پتہ، خود بھی گمراہ ہوتے ہیں دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ مولانا! آپ کو چاہئے کہ سائنس پڑھیں تاکہ آپ کے سامنے حقیقت کھلے۔ ویسے میں آپ سے پوچھ سکتا ہوں کہ آپ وسط ایشیا کیوں جا رہے ہیں''؟ فقیر نے کہا کہ اپنے مسلمان بھائیوں سے ملنے کے لئے۔ کہنے لگا کہ یہ لوگ تو سائنسی سوچ رکھتے ہیں اور آپ کو سائنس کی الف بے کا پتہ نہیں ہوگا تو آپ کیا کریں گے؟ فقیر نے تنگ آکر اسے اپنی سائنسی تعلیم کے متعلق تعارف کروایا تو وہ دہریہ بغلیں جھانکنے لگا۔ تھوڑی دیر خاموش رہ کر کہنے لگا مجھے توقع نہیں تھی کہ آپ جیسے لوگ بھی سائنسی تعلیم حاصل کرتے ہیں، آپ مجھے معاف فرمائیں۔ اچھا میرے ذہن میں ایک سوال ہے آپ مہربانی فرما کر اسکا جواب عطا فرمائیں۔ سوال یہ ہے کہ جو لوگ قرآن کو بغیر سمجھے پڑھتے ہیں ان کو اس کا ثواب کیسے ملتا ہے؟ فقیر نے کہا کہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھیں یا بغیر سمجھے پڑھیں دونوں صورتوں میں ثواب ملتا ہے۔ کہنے لگا کہ بغیر سمجھے ثواب ملنے والی بات سمجھ میں نہیں آتی، کوئی پکی دلیل دیں۔ فقیر نے کہا کہ اچھا بتاؤ کہ اگر کوئی شخص کھیعص پڑھے تو کیا اسکو اجر ملے گا؟ کہنے لگا کہ ہاں قرآن کا لفظ ہے۔ فقیر نے پوچھا کہ اس کے معنی کیا ہیں؟ کہنے لگا کہ حروف مقطعات کے معانی تو نہیں بتائے گئے۔ فقیر نے کہا اگر لفظ کے معانی سمجھے بغیر اس کو پڑھنے پر اجر ملتا ہے تو دوسرے الفاظ کے پڑھنے پر اجر کیوں نہیں ملے گا؟ کہنے لگا کہ اچھا بتائیں کہ نماز کو عربی میں پڑھنا کیوں ضروری ہے، ہم اپنی زبان میں کیوں نہیں پڑھ سکتے؟ فقیر نے کہا کہ اعمال کے اپنے اپنے درجات ہیں مثلاً دعا مانگنا سنت عمل ہے اس کو اپنی اپنی زبان میں مانگنے کی اجازت دے دی گئی، مگر نماز فرض ہے اس کے لئے ضروری قرار دیا گیا کہ انہی الفاظ میں ہو جن الفاظ میں نبی علیہ السلام نے پڑھی۔ اگر اپنی زبانوں

میں پڑھنے کی اجازت دے دی جاتی تو آج چودہ سو سال گذرنے پر اس کی شکل ہی مسخ ہو چکی ہوتی۔ امت اس کو پڑھنے کی جائے طبلے سارنگی کے ساز پر گایا کرتی۔ عبادت کا نظام ہی درہم برہم ہو جاتا۔ کہنے لگا کہ مولانا میری نظر میں آپ بڑے ذہین آدمی ہیں فقیر نے کہا کہ میری نظر میں تو آپ انتہائی بے وقوف انسان ہیں۔ آپ پیدا ہوئے مسلمان گھرانے میں مگر روس جاکر آپ دین گنوا بیٹھے۔ کاش کہ آپ کو آپ کی ماں نے جنا ہی نہ ہوتا۔ فقیر کے یہ توجہ بھرے الفاظ اس دہریے کے دل پر بجلی بن کر گرے۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ کہنے لگا کہ مولانا میں توبہ تائب ہو کر نئے سرے سے مسلمان ہوتا ہوں۔ فقیر نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکر ادا کیا کہ

وما كنا لنهتدی لو لا ان هدانا الله

(اور ہم ہدایت نہیں پا سکتے تھے، اگر اللہ ہمیں ہدایت نہ دیتا)

تھوڑی دیر میں ائر ہوسٹس نے اعلان کیا کہ ہم تاشقند کے ائرپورٹ پر اترنے والے ہیں، فقیر نے کلمے کا ذکر کرنا شروع کر دیا۔

ایک عارف کی نصیحت :

حضرت سید زوار حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جہاز کے حادثے عموماً اوپر چڑھتے وقت یا نیچے اترتے وقت پیش آتے ہیں لہٰذا مسافروں کو چاہیے کہ جب جہاز اڑنے لگے تو کلمے کا تکرار کر لیا کریں اور جب اترنے لگے تو بھی کلمے کا تکرار کر لیا کریں، کیا پتہ یہ آخری پرواز ہو۔ جب حادثہ پیش آتا ہے اس وقت کلمہ پڑھنے کی فرصت کہاں۔ چند منٹ رجوع الی اللہ کرنے سے ایک تو ذکر الٰہی کا ثواب ملے گا دوسرا اگر حادثہ پیش آگیا تو حدیث مبارکہ :

من كان آخر كلامه لا اله الا الله دخل الجنة

(جس کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہو جنت میں داخل ہو گا)

کے مطابق ایمان پر مرنا نصیب ہو گا۔ یہ معارف اہل اللہ کے دلوں میں ہی وارد ہوتے ہیں عوام الناس کی سوچ ان سے بہت پیچھے رہ جاتی ہے۔

سیاحت ہوٹل میں قیام :

تاشقند ائیرپورٹ سے باہر نکلتے ہی ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے سارے بدن میں جھر جھری سی پیدا کر دی۔ فقیر عباس خان کے ہمراہ سیاحت ہوٹل تاشقند پہنچا۔ جناب انور سعیدوف منسٹر ٹورازم کے حکم پر ڈائریکٹر ازبکستان ہوٹل نے فقیر کے لئے ایک مخصوص کمرہ الاٹ کر دیا، جس کے ساتھ ملحقہ ڈرائینگ روم بھی تھا۔ رات کا کھانا تابانی گروپ کے سٹاف نے ہوایا تھا۔ عباس خان کے ایک دوست دادا خان نوری سے ملاقات ہوئی یہ شاعر و ادیب بھی تھے اور اردو زبان بڑی روانی سے بولتے تھے۔ یہ اپنے گھر سے پلاؤ ہوا کر لائے تھے۔ تھوڑی دیر گفتگو کے بعد دادا خان نوری کہنے لگے کہ کیا آپ یہاں کے مفتی اعظم سے ملنا چاہیں گے ؟ فقیر نے اثبات میں سر ہلایا۔ کہنے لگے کہ میں صبح آپ کو ہوٹل کے کمرے سے لے جاؤں گا۔ فقیر نے کھانے کے بعد نماز عشاء ادا کی اور اللہ رب العزت سے دعا مانگی کہ "اے پروردگار میرا یہاں کوئی دوست نہیں، کوئی رفیق سفر نہیں، میں یہاں اکیلا ہوں، مگر آپ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ وھو معکم اینما کنتم (وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے تم جہاں کہیں بھی ہو) پس جب آپ ساتھ ہیں تو مجھے آپ نفس و شیطان کے حوالے نہ کرنا اور ہر قدم پر میری پشت پناہی فرمانا۔ آپ چاہتے ہیں تو مچھر اور مکڑی سے کام لے لیتے ہیں، مجھ جیسے بے بضاعت بے علم و بے عمل سے بھی سلسلہ عالیہ کی اشاعت کا کام لے لیں۔ ہوتا وہی ہے جو آپ چاہیں گے، آپ کے ہاں قابلیت کا نہیں قبولیت کا معاملہ ہے"۔

کافی دیر تک یہ تار جڑی رہی حتیٰ کہ دل کو طمانیت سی نصیب ہو گئی کہ رب کریم کی طرف سے مدد و نصرت شامل حال رہے گی۔ فقیر مسنون دعائیں پڑھتے ہوئے بستر پر گہری نیند سو گیا۔

مفتی اعظم سے ملاقات:

4 مئی 1992ء کو صبح دس بجے دادا خان نوری کے ہمراہ تابانی گروپ کے ہیڈ آفس میں پہنچے۔ یہاں سے وسط ایشیا کی ریاستوں کا ایک بڑا نقشہ حاصل کیا تاکہ جس علاقے میں جانا ہو وہاں کے لوگوں کو غائبانہ توجہ دینی آسان ہو۔ دادا خان نوری پوچھنے لگے کہ آپ بڑی دیر سے نقشے کی طرف خاموشی سے دیکھ رہے ہیں۔ میں آپ کی کوئی مدد کر سکتا ہوں۔ فقیر نے کہا آپ کا شکریہ، بس آپ مفتی اعظم سے ملاقات کروا دیں۔ دادا خان نوری نے بتایا کہ مفتی اعظم کا درجہ وفاقی وزیر کا ہوتا ہے وہ اپنے سیکریٹریٹ میں بیٹھتے ہیں ان سے ملنا تو جوئے شیر لانے کے مترادف ہے مگر میں آج کل مفتی صاحب کی ایک کتاب پہ نظر ثانی کر رہا ہوں لہٰذا میں جیسے ہی جاؤں گا اسی وقت ملاقات ہو جائے گی۔ فقیر نے کہا کہ بالکل اسی طرح قیامت کے دن گنہگار لوگوں کی نیکوں سے محبت رکھنے کی بنا پر جلدی اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہو جائے گی اور بخشش کا معاملہ ہوگا۔ دادا خان نوری ہنس کر کہنے لگے کہ آپ ہر بات میں سے کوئی دینی بات نکال لیتے ہیں۔ فقیر نے کہا کہ کسی نے بھوکے سے پوچھا تھا کہ دو اور دو کتنے ہوتے ہیں، اس نے کہا تھا چار روٹیاں۔ اسی طرح فقیر آخرت کی کامیابی چاہتا ہے لہٰذا ہر بات میں سے آخرت کی بات نکال لیتا ہے۔ دادا خان نوری یہ سن کر بہت محظوظ ہوئے۔ راستے میں کہنے لگے کہ لوگ آپ کو پاکستان میں کس لفظ سے پکارتے ہیں۔ فقیر نے کہا اکثر لوگ "حضرت" کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ کہنے لگے حضرت اگر آپ اجازت

دیں تو ہم یہاں قریب سے حلیمہ خان کو بھی ساتھ لے لیں۔ فقیر نے پوچھا کہ وہ کون ہیں ؟ داداخان نوری نے کہا کہ جس طرح آپ کے پاکستان میں نورجہاں ایک معروف گلوکارہ ہے کہ اسے ہر چھوٹا بڑا جانتا ہے، اسی طرح ازبکستان میں ٹی وی کی مقبول ترین فنکارہ حلیمہ خان ہے۔ یہاں کا ہر ہر بچہ اس کا شیدائی ہے۔ وہ مفتی اعظم صاحب کا حج سے متعلق ایک ٹی وی پروگرام کروا رہی ہے۔ مفتی اعظم صاحب نے اسے بلوایا ہے۔ آپ کے لئے یہاں مساجد میں تقریر کرنا بہت آسان ہو جائے گا۔ حلیمہ خان کی وجہ سے مفتی صاحب آپ کو جلدی اجازت دے دیں گے۔ فقیر نے کہا ٹھیک ہے جیسے آپ مناسب سمجھتے ہیں۔ اگر وہ ہماری پچھلی سیٹ پر بیٹھ جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اگلے چند لمحوں میں ہم ایک وسیع و عریض بنگلے کے دروازے پر رکے۔ ہارن کی آواز سنتے ہی حلیمہ خان باہر نکلی۔ داداخان نوری کے اشارے پر کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی. کچھ دیر دونوں ازبک زبان میں بات چیت کرتے رہے۔ اچانک حلیمہ خان نے پشت کی جانب سے فقیر کے کندھوں کو اپنے ہاتھ لگائے۔ فقیر گھبرا کر آگے کو جھکا تو داداخان نوری نے کہا حضرت، میں نے آپ کا تعارف کروایا ہے تو حلیمہ خان نے فرط عقیدت میں آپ کے کپڑوں کو برکت کے لئے ہاتھ لگایا ہے۔ فقیر کو محسوس ہوا کہ حلیمہ خان نے کپڑوں کو ہاتھ لگا کر اپنے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور اپنے چہرے پر دونوں ہاتھ پھیرے۔ فقیر اس بات کو سوچ کر حیران ہوا کہ گناہوں بھری زندگی گزارنے کے باوجود اس عورت کے دل میں ایک مسلمان عالم کا کتنا احترام موجود ہے۔ ممکن ہے کہ یہی اس کے لئے ہدایت کا سبب بن جائے۔ اسی اثناء میں گاڑی ایک وسیع و عریض عمارت کے سامنے رکی۔ داداخان نوری نے کہا حضرت! یہ طلہ شیخ کی مسجد ہے۔ فقیر گاڑی سے باہر نکلا، سردی کی وجہ سے لمبا جبہ پہنا ہوا تھا اور عصا ہاتھ میں تھا۔ داداخان نوری نے کہا کہ حضرت حلیمہ خان پوچھ رہی ہے کہ آپ نے لاٹھی کیوں پکڑی ہوئی

ہے کیا جوڑوں میں درد ہے۔ فقیر نے کہا، نہیں یہ تو سنت سمجھ کر اپنے پاس رکھی ہے اور ویسے بھی

عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد

دادا خان نوری بہت خوش ہوئے اور فقیر کو آگے چلنے کے لئے کہا۔ عمارت میں داخل ہونے پر معلوم ہوا کہ یہ ایک دفتر ہے جس میں قدم قدم پر افسروں سے اجازت لینا پڑتی ہے۔ کئی افسر انٹرویو لینے کے بعد اگر مناسب سمجھتے ہیں تو اسے نائب مفتی کے پاس بھیجتے ہیں اور اگر نائب مفتی صاحب مناسب سمجھیں تب مفتی صاحب سے ملاقات کی باری آتی ہے۔ حلیمہ خان نے کمرے میں داخل ہوتے ہی فون کا رسیور اٹھایا اور مفتی صاحب سے کہا کہ میں آپ سے ملنے کے لئے آئی ہوں میرے ایک مہمان عالم بھی آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ مفتی صاحب نے عملے سے کہا کہ ان لوگوں کو فوری طور پر میرے دفتر میں پہنچا دیا جائے۔ چنانچہ ایک صاحب ہمیں مختلف کمروں اور برآمدوں سے گزارتے ہوئے ایک عالیشان دفتر میں لے گئے۔ ایک صاحب نے دروازے پر استقبال کیا دادا خان نوری نے کہا حضرت، یہ ہمارے مفتی اعظم محمد صادق محمد یوسف ہیں۔ مفتی صاحب بڑے تپاک سے ملے۔ پھر ہمیں کرسیوں پر بٹھا کر گرم گرم چائے سے تواضع کی۔ پہلے حلیمہ خان سے حج کے پروگرام کے متعلق بات کی۔ پھر دادا خان نوری سے گفتگو کرتے رہے۔ بالآخر عربی زبان میں فقیر سے ہمکلام ہوئے کہ آپ کہاں سے آئے ہیں کیوں آئے ہیں؟ فقیر نے ٹوٹی پھوٹی عربی زبان میں بتایا کہ اپنے اکابر کی نسبت کا نور پھیلانے حاضر ہوا ہوں۔ مفتی صاحب یہ سن کر تڑپ اٹھے اور کہنے لگے شیخ ذوالفقار احمد نقشبندی، ہمیں اس نعمت کی بہت ضرورت ہے۔ آپ پورے وسط ایشیا میں جہاں چاہیں بیان کریں۔ نصیحت کریں مراقبہ کروائیں اور ہمارے علماء کے دلوں کو نسبت کے نور سے منور کریں یہ آپ کا ہم پر احسان عظیم

ہوگا۔ میں ابھی ایک میٹنگ میں جانے والا ہوں جس میں ہم نے ازبکستان کے مختلف اضلاع سے تقریباً چالیس مفتی حضرات کو بلوایا ہے میں انہیں بتادوں گا کہ وہ آپ کے پروگرام اپنے علاقوں میں کروائیں۔ مفتی اعظم صاحب سے ملاقات کے بعد جب دفتر سے نکلے تو راہبر ہمیں ایک کانفرس ہال میں لے گیا جس میں 40 اضلاع کے مفتی حضرات تشریف فرما تھے۔ جب انہوں نے فقیر کو دیکھا تو بہت خوشی خوشی ملاقات کی ۔داداخان نوری نے تعارف کروایااور مفتی اعظم صاحب کا پیغام پہنچایا سب نے کہا کہ ہمارے علاقے میں پروگرام رکھا جائے، ہم حاضر ہیں۔ ایک نے کہا چشم ماروشن دل ما شاد۔ فقیر نے داداخان نوری سے کہا کہ موقع غنیمت ہے ابھی ایک پروگرام ترتیب دے دو تا کہ میں بیس دن میں ان سب جگہوں کا سفر کر سکوں۔ داداخان نوری نے میڈم حلیمہ خان سے کہا کہ آپ حضرت کو مصحف عثمانی دکھائیں اتنی دیر میں ہم یہاں پروگرام تشکیل دے دیتے ہیں۔

میڈم حلیمہ خان نے فقیر سے کہا کہ آپ میرے ساتھ چلیں میں آپ کو مصحف عثمانی کی زیارت کرواتی ہوں۔ فقیر نے کہا کہ آپ آگے چلنے کی بجائے پیچھے چلیں مگر مجھے راستہ بتاتی رہیں۔ اس نے برجستہ سوال کیا کہ ایسا کیوں ؟ فقیر نے کہا کہ ہمیں قرآن مجید سے یہی تعلیم ملتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی کے ہمراہ گھر کی طرف چلے تھے تو لڑکی سے فرمایا تھا کہ تم پیچھے چلو۔ ایسا نہ ہو کہ آگے چلنے میں غیر محرم کے جسم پر نظر پڑے۔ حلیمہ خان یہ سن کر تڑپ گئی اور کہنے لگی کہ شیخ ذوالفقار احمد نقشبندی، ایسے لوگ دنیا میں آج بھی موجود ہیں۔ فقیر نے کہا میڈم یہ سب کچھ میرے شیخ کی محنت ہے۔ اتنے میں ہم لوگ ایک بڑے گیٹ کے سامنے پہنچے جس پر تالہ لگا ہوا تھا۔ حلیمہ خان نے کہا شیخ، میں ابھی کسی آدمی کو بھیج کر یہاں کے نگران کو بلواتی ہوں تا کہ وہ دروازہ کھولے۔ قریبی عمارت سے ایک لڑکا

کرسی لے کر آیا۔ حلیمہ خان نے وہ کرسی بچھائی اور کہا کہ حضرت، آپ کھڑے رہنے کی بجائے تھوڑی دیر اس پر تشریف رکھیں۔ فقیر کرسی پر بیٹھ گیا۔ حلیمہ خان کرسی کی پشت کی جانب کھڑی ہو گئی۔ کرسی لانے والے لڑکے نے نا معلوم قریب کے گھروں میں کیا آواز لگائی کہ تھوڑی دیر میں چالیس پچاس بچے حلیمہ خان، حلیمہ خان کے نعرے لگاتے ہوئے آئے اور انہوں نے ہم دونوں کو گھیرے میں لے لیا۔ بچے حلیمہ خان سے اس کے ٹی وی پروگرام کی باتیں کر رہے تھے۔ ایک بچے نے کہا حلیمہ خان یہ آپ کے ابو ہیں۔ اس نے کہا ہاں یہ میرے روحانی باپ ہیں۔ ایک چھوٹی بچی نے بتایا کہ حلیمہ خان! وہ آدمی آپ کو اشارے سے بلا رہا ہے۔ حلیمہ خان نے ادھر دیکھا تو فقیر سے کہا شیخ! دروازہ کھل گیا ہے آپ مصحف عثمانی کی زیارت کر لیں۔ میں ان بچوں کے ساتھ تھوڑی دیر باتیں کرتی ہوں۔

مصحف عثمانی کی زیارت :

فقیر جب طلا شیخ کی اس عمارت کے اندر داخل ہوا تو ایک نوجوان نے بتایا کہ اس عمارت میں سینکڑوں مخطوطہ اور مطبوعہ قرآن مجید کے نادر نسخے موجود ہیں۔ سب سے انمول نسخہ مصحف عثمانی ہے۔ یہ چمڑے پر لکھے گئے قرآن مجید کا نسخہ ہے جسے حضرت عثمانؓ نے اپنے دور خلافت میں تیار کروایا۔ اسی پر تلاوت کیا کرتے تھے۔ پہلے یہ نسخہ کسی اور ملک میں تھا مگر امیر تیمور نے جب مختلف ممالک کو فتح کیا تو یہ نسخہ وہ سمرقند لے آیا۔ جب روسی انقلاب آیا تو اس وقت اس نسخہ کو لینن گراڈ کے عجائب گھر میں پہنچا دیا گیا۔ پھر جب وسط ایشیا کی ریاستیں آزاد ہوئیں تو ازبکستان کی حکومت نے پر زور مطالبہ کیا کہ مصحف عثمانی ہمیں واپس کیا جائے۔ چنانچہ بڑے ادب و احترام سے اس قرآن مجید کو تاشقند لا کر اس عمارت میں رکھا گیا ہے۔ دو ڈاکٹر حضرات کی ڈیوٹی ہے

کہ وہ کمرے کا درجہ حرارت اور ہوا میں نمی کی مقدار کو چیک کریں۔ قرآن مجید پر مختلف کیمیکل کا سپرے کرتے رہیں تاکہ یہ نسخہ خراب نہ ہو۔

فقیر نے جب مصحف عثمانی کی زیارت کی تو خط کوفی میں لکھی ہوئی عبارت پڑھی نہیں جا رہی تھی۔ کافی دیر غور و خوض کے بعد دو لفظ جبریل و میکال سمجھ میں آئے۔ پھر فقیر نے زبانی پڑھنا شروع کر دیا تو لفظوں کی بناوٹ خود بخود سمجھ میں آنے لگی۔ جب اس لفظ پر پہنچے فسیکفیکھم اللہ تو وہاں پر ایک نشان لگا ہوا دیکھا۔ بتایا گیا کہ جب حضرت عثمان غنیؓ کو شہید کیا گیا تو آپ کے جسم سے نکلنے والے خون کی وجہ سے یہ نشان لگ گیا۔ سبحان اللہ، قیامت کے دن کسی کی شہادت پر زمین کی مٹی گواہ، کسی کی شہادت پہ پتھر گواہ، مگر حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت پر اللہ کا قرآن گواہ۔ کافی دیر تک عقیدت و محبت بھری نگاہوں سے قرآن مجید کے اس نسخہ کو دیکھا، حتیٰ کہ دادا خان نوری نے یہ آکر بتایا کہ حضرت! فرغانہ وادی کے پروگرام بن گئے ہیں کافی دیر ہو چکی ہے۔ اب واپس گھر چلنا چاہئے۔ فقیر دادا خان نوری کے ہمراہ کار کی اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا اور حلیمہ خان پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ حلیمہ خان نے راستے میں بڑا زور لگایا کہ ہم تھوڑی دیر اس کے گھر میں رک کر شوربے کا پیالہ پی لیں۔ مگر نماز کا وقت قریب تھا اور فقیر کی نیت بھی نہیں تھی کہ اس کے گھر سے کچھ کھایا پیا جائے۔ لہٰذا معذرت کر کے اجازت لی اور ہوٹل سیاحت کے کمرے میں آکر دم لیا۔ اگلے دن حلیمہ خان نے پیغام بھجوایا کہ میں آپ کے متعلق ٹی وی پروگرام دینا چاہتی ہوں۔ فقیر نے کہا کہ ہمارے بڑوں نے ہمیں چھپنے کی بجائے چھُپنے کی تعلیم دی ہے۔ لہٰذا یہ کام نہیں ہو سکتا۔

تاشقند کے بارے میں :

مفتی اعظم صاحب سے ملاقات کر کے واپس آتے ہوئے داداخان نوری نے تاشقند کی چند مشہور عمارات دکھائیں اور ازبکستان کے متعلق درج ذیل معلومات فراہم کیں۔

"ازبکستان کو وسط ایشیاء کی جمہوریاؤں میں مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ اس کی آبادی دو کروڑ اور رقبہ ایک لاکھ 58 ہزار مربع میل ہے۔ ازبکوں کا سلسلہ منگولوں کے ان خانوں سے ملتا ہے جنہوں نے ایک وقت میں روس اور کیف تک بادشاہی کی۔ امیر تیمور نے اپنے دور میں تہذیب اور ثقافت کے وہ گہرے نقوش چھوڑے کہ جس کی جھلک سات سو سال کے بعد اب بھی سمرقند، بخارا اور خیوا کی حسین و جمیل مساجد اور عالی شان مدارس کی عمارتوں میں نمایاں ہے۔ ازبک لوگوں کو نہ صرف اس بات پر ناز ہے کہ یہ تیمور اور بابر کا وطن ہے بلکہ اس بات پر بھی فخر ہے کہ یہ امام بخاریؒ، امام ترمذیؒ، امام ابو منصور ماتریدیؒ جیسے علماء اور شیخ بہاؤالدین نقشبندیؒ جیسے مشائخ اور علی شیر نوائی جیسے شاعر، ابن سینا جیسے سائنسدان اور البیرونی اور فارابی جیسے فلاسفروں کی سرزمین ہے"

داداخان نوری نے فقیر کو وہ عمارت بھی دکھائی جہاں 1965ء کی جنگ کے بعد سویت وزیراعظم کوسی گن کی کوششوں سے ایوب خان اور لال بہادر شاستری کے درمیان معاہدہ تاشقند طے پایا تھا۔ تاشقند کا شہر "تیئین شیئین" یعنی جنت کے پہاڑوں کے دامن میں دریائے چرچک کی وادی میں بسا ہوا دو ہزار سال پرانا شہر ہے۔ ایک زمانے میں یہ ایک ہزار قلعوں کا شہر کہلاتا تھا۔ شاید اسی وجہ سے اس کا نام تاشقند ہے یعنی پتھروں کا شہر۔ ازبک زبان میں تاش پتھر کو اور قند شہر کو کہتے ہیں۔ شیریں فرہاد کی

محبت بھری داستان بھی اس علاقے سے وابستہ ہے۔ اب اس شہر کی بلند وبالا، عالیشان عمارتیں، کشادہ سڑکیں، فواروں والے چوراہے اور خوبصورت پارکوں کو دیکھ کر یقین نہیں آتا کہ یہ اتنا پرانا شہر ہے۔ سابق سوویت یونین کے تین بڑے شہروں ماسکو، لینن گراڈ اور کیف کے بعد چوتھا نمبر تاشقند کا آتا ہے۔ یہ ایشیا کا پہلا شہر ہے جہاں زیر زمین ریلوے کی تعمیر شروع ہوئی۔ زیر زمین اسٹیشن سنگ مرمر سے اس طرح بنائے گئے ہیں کہ ان پر زلزلے کا اثر نہیں ہو سکتا۔

وادی فرغانہ میں چندروز :

داداخان نوری نے بتایا کہ اس کا آبائی وطن فرغانہ وادی ہے۔ یہ ازبکستان کی بڑی زرخیز اور مردم خیز سرزمین ہے جو بابر کا مسکن و مولد ہونے کا شرف رکھتی ہے۔ مزید برآں صاحب ہدایہ قاضی برہان الدین المرغینانیؒ نے بھی اسی سرزمین میں جنم لیا۔ اس وادی کے مشہور شہر مرغینان، نمنگان، عندجان اور قوقان ہیں۔ داداخان نوری نے جب سنا کہ فقیر وہاں کا سفر کرنے پر تل گیا ہے تو ان کے دل میں شوق انگڑائیاں لینے لگا کہ وہ بھی اپنے وطن مالوف کی سیر کرے۔ داداخان نوری نے فقیر سے کہا کہ میں آپ کو وادی فرغانہ لے کر جاؤں گا۔

جمعرات 7 مئی 1992ء کو دن کے گیارہ بجے وادی فرغانہ کے لئے روانگی ہوئی۔ دوران سفر برف پوش پہاڑوں سے گزرنا پڑا۔ ایک جگہ راستے میں گاڑی کھڑی کر کے باہر نکلے تو ہر طرف برف ہی برف کا عجیب سماں تھا۔ سردی اتنی زیادہ تھی کہ برف ہاتھ میں لینے سے ہاتھ گیلے نہیں ہوتے تھے۔ یخ بستہ ہوائیں چل رہی تھیں۔ فقیر کافی دیر تک برف پر چلنے کی مشق کرتا رہا۔ دوبارہ سفر شروع کر کے ایک ایسی جگہ رکے جہاں داداخان نوری کے ایک دوست کی قیامگاہ تھی۔ ظہر کی نماز پڑھی اور کھانا

بھی کھایا۔ مغرب کے قریب وادی مرغلان میں پہنچے۔ ہر طرف سبزہ ہی سبزہ، پھول ہی پھول، درخت پھلوں سے لدے ہوئے تھے، فقیر کی زبان سے بے اختیار یہ آیت نکلی

لقد كان لسبأ فى مسكنهم آية جنتن عن يمين و شمال

(تحقیق قوم سبا کیلئے دائیں اور بائیں دو باغ نشانی تھے)

شہر میں داخل ہو کر سیدھے مسجد میں پہنچے تو مؤذن نے فقیر کو دیکھتے ہی نماز پڑھانے کا اشارہ کیا۔ نماز پڑھنے کے بعد نمازی اس طرح حلقہ بنا کر بیٹھ گئے کہ جیسے کوئی محفل منعقد ہونی ہے۔ مسجد کے امام خطیب مفتی عبدالرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ اہل محلہ آپ سے کچھ نصیحت سننا چاہتے ہیں۔ فقیر نے اردو زبان میں بیان کیا اور دادا خان نوری نے ازبک زبان میں ترجمہ کیا۔ حاضرین محفل سبحان اللہ اور الحمد للہ کے ذریعے فقیر کی حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ مجلس کے اختتام پر مفتی عبدالرحمٰن صاحب نے اپنے گھر جانے کی دعوت دی۔ محلے کے نمازیوں میں سے بھی چند حضرات وہاں پہنچ گئے۔ کھانے کے دوران بھی گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔ رات کو وہیں پر قیام کیا۔ نماز فجر کے بعد فقیر نے عربی زبان میں بیان کیا اور مفتی عبدالرحمٰن صاحب نے بڑی خوبصورتی سے اس کا ترجمہ ازبک زبان میں کیا۔ لوگوں نے نہایت توجہ سے بات سنی۔ محفل کے اختتام پر مراقبہ بھی کروایا گیا۔ نوافل اشراق کے بعد ایک صاحب کے ہاں ناشتہ کی دعوت تھی۔ اس نے علاقے کے تمام علمائے کرام اور مشائخ عظام کو مدعو کیا ہوا تھا۔ فقیر کو ان سب سے ملاقات کا شرف نصیب ہوا۔

ازبکستان میں کھانے سے پہلے بہت اہتمام سے ہاتھ دھلائے جاتے ہیں۔ ہر محفل میں اٹھتے بیٹھتے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی جاتی ہے۔ آنے والا مہمان جب دعا مانگتا ہے تو اس دوران میزبان کھڑے ہو کر نہایت ادب سے "رحمت رحمت" کا لفظ کہتے ہیں۔

محبت کے اظہار کے لئے اپنا دایاں ہاتھ سینے پر رکھتے ہیں۔ پھر دستر خوان بچھاتے ہیں اور روٹی کے ٹکڑے کر کے اس پر رکھتے ہیں۔ خشک میوے دستر خوان پر بہت زیادہ رکھے جاتے ہیں۔ پتلے قہوے کی شکل میں تھوڑی تھوڑی چائے کپ میں ڈال کر پانی کی بجائے پی جاتی ہے۔ پلاؤ یہاں کی بہت مقبول ڈش ہے۔ کھانے کے لئے بڑے بڑے پیالوں میں گوشت شوربہ دیا جاتا ہے۔ لوگ عموماً اس میں روٹی کے ٹکڑے ڈال کر ثرید بناتے ہیں۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ ثرید کو کھانوں پر وہی فضیلت حاصل ہے جو عائشہؓ صدیقہ کو دوسری عورتوں پر حاصل ہے۔ کھانے کے اختتام پر گوشت کے بھنے ہوئے کباب پیش کئے جاتے ہیں۔ یہاں کا اصول ہے کہ کھانا آہستہ آہستہ آرام آرام سے کھاؤ۔ جس مہمان کو اس اصول کا پتہ نہ ہو اور وہ جلدی جلدی کھانا کھائے تو اس کا کھانا کھا کر برا حال ہو جاتا ہے۔

نمگان کی مرکزیت:

نمگان تاشقند سے پانچ سو میل دور ازبکستان کے آخری سرے پر واقع ایک بڑا شہر ہے اس کی اہمیت کے دو اسباب ہیں ایک تو محل وقوع ایسا ہے کہ مشرق میں یہ قزاقستان کی سرحد کے قریب ہے، جنوب میں کرغستان نزدیک ہے اور مغرب میں تاجکستان سے ملا ہوا ہے۔ یہاں اسلامی تحریک کا فروغ بلاشبہ پڑوس کی تینوں جمہوریاؤں پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔ دینی علوم حاصل کرنے والے طلباء یہاں آکر علماء سے پڑھتے ہیں اور واپس اپنی جگہوں پر جا کر ان کی ہدایات کے مطابق کام کرتے ہیں۔ نمگان کی اہمیت کا دوسرا سبب یہاں کے متقی اور پرہیزگار علماء کی مضبوط جماعت ہے۔ ایک شہر میں کئی دینی مدارس ہیں۔ ماحول پر اس کا اثر نظر آتا ہے۔ نمگان میں چند عورتیں چہرے پر حجاب لے کر بازار میں پھرتی نظر آتی ہیں جب کہ وسط ایشیا میں

یہ منظر کسی دوسری جگہ نظر نہیں آتا۔ عورتیں سر تو ڈھانپ لیتی ہیں مگر چہرہ کھلا رکھتی ہیں۔ نمنگان کا شہر خاصا بڑا اور بہت خوبصورت ہے چاروں طرف کے مضافات میں بھی آبادی ہے۔ اندرون شہر کے بعض محلوں میں پرانی آبادی اور تنگ گلیاں ہیں وگرنہ ہر جگہ کشادہ سڑکیں اور جدید اونچی عمارتیں ہیں، تجارتی اور صنعتی ادارے موجود ہیں۔ سڑکوں کے دونوں طرف سرو، صنوبر اور پھلوں کے درخت لگے ہوئے ہیں۔

نمنگان دریائے سیر کے کنارے آباد ہے۔ دریا کے دوسرے کنارے پر مغل بادشاہ بابر کے والد عمر شیخ مرزا کا قلعہ ہے۔ جہاں اب اس کے آثار قدیمہ کے نشانات موجود ہیں۔ ظہیر الدین بابر اس تاریخی قلعہ میں پیدا ہوئے، سات سال کی عمر تک انہوں نے اس قلعہ میں پرورش پائی۔ لیکن جب ان کے والد اس قلعہ کی دیوار سے گر کر دریائے سیر میں ڈوب گئے تو وہ اپنی والدہ کے ساتھ ننھیال منتقل ہو گئے۔ جب جوان ہوئے تو جنگجو طبیعت کے ساتھ ساتھ بخت کی بلندی انہیں ہندوستان تک لے آئی۔ سیر اور کارا دونوں دریا نمنگان کے قریب ایک دوسرے سے بغل گیر ہوتے ہیں۔ یہ کہہ سکتے ہیں کہ سیر اور کارا کی وادی میں پرورش پانے والا مغل بچہ گنگا اور جمنا کی وادیوں کا تاج دار رہا۔

نمنگان کے قریب تیل کا ایک بڑا ذخیرہ دریافت ہوا ہے۔ جب کنواں کھودا گیا تو تیل اس زور اور تیزی سے نکلا کہ قابو سے باہر ہو گیا۔ چنانچہ اس جگہ کے گرد کالے تیل کی بہت بڑی جھیل سی بن گئی۔ اب اس میں سے بڑے بڑے ٹینکروں کے ذریعے تیل نکال کر ریفائنری کی طرف لے جاتے ہیں۔ داداخان نوری کی آنکھیں اس جھیل کو دیکھ کر چمک اٹھتی ہیں۔ وہ اسے سونے کی جھیل کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

نمنگان میں ”عدالت“ نام سے ایک تحریک ابھری ہے جس کے سربراہ رستم جان نوجوانوف ہیں۔ یہ تحریک اصلاح معاشرہ کے لئے سرگرم عمل ہے۔ ”عدالت“

گمراہ نوجوانوں اور جرائم پیشہ لوگوں کو مسجد میں لاتی ہے اور انہیں قرآن پاک پڑھانے کا انتظام کیا جاتا ہے۔ مذہب کی تعلیم حاصل ہونے پر وہ نوجوان توبہ تائب ہو کر نیک بن جاتے ہیں۔

نسبت کی برکات :

فقیر دادا خان نوری کے ہمراہ جب نمنگان شہر میں داخل ہوا تو مولانا رستم جان نے چار جگہوں پر استقبال کے لئے جماعت بھیجی تھی۔ ائرپورٹ پر، اڈے پر، مدرسہ عربیہ میں اور جامع مسجد کے دروازے پر۔ ہمارے پاس مدرسے کا ایڈریس تھا وہاں پہنچنے پر طلباء نے پرتپاک طریقے سے استقبال کیا۔ جمعۃ المبارک کا دن تھا اور نماز کا وقت بہت قریب تھا۔ ہم لوگ جلد ہی وضو تازہ کر کے نماز کے لئے مسجد میں آ گئے۔ جامع مسجد مخدوم ایشان میں فقیر نے بیان کیا اور مولانا رستم نے ترجمانی کی۔ دادا خان نوری کے اندازے میں پانچ ہزار نمازیوں کا مجمع تھا۔ فقیر نے باطنی صفائی کے عنوان پر تقریر کی۔ اہل اللہ کے واقعات سن کر مجمع تڑپ اٹھا، نمازیوں میں ایسا جوش و خروش پیدا ہو گیا کہ بیان سے باہر۔ فقیر نے جب جمعہ کا عربی خطبہ پڑھا تو نسبت شریفہ کی برکات نے سماں باندھ دیا۔ لوگوں کی آنکھوں سے موتیوں کی طرح رخساروں پر آنسو گرتے نظر آ رہے تھے۔ نماز کی امامت بھی فقیر نے کی، نماز کے بعد مولانا رستم جان کے کہنے پر فقیر نے پورے مجمع کو بیعت کے کلمات پڑھائے اور مراقبہ کروایا۔ نماز کے بعد نمازیوں نے مصافحہ کے لئے اس قدر ہجوم کیا کہ اگر چند نوجوان فقیر کو اپنے حصار میں نہ لے لیتے تو جان بچانا مشکل ہو گیا تھا۔ اس کے باوجود کچھ لوگ مصافحہ کر رہے تھے، کچھ لوگ بازوؤں کو، کپڑوں کو، جسم کے دوسرے حصوں کو ہاتھ لگا کر برکت کے حصول کی خاطر اپنے چہروں پر مل رہے تھے۔ فقیر اپنے دل میں اپنے نفس

کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا کہ اے ذلیل! اپنے سیاہ اعمال کو دیکھ اور اپنے پروردگار کی ستر پوشی کو دیکھ، لوگ تیری تعریفیں نہیں کر رہے بلکہ تیرے پروردگار کی ستاری کی تعریفیں کر رہے ہیں۔ علاقے کے مشائخ حضرات باجماعت ملنے کے لئے آگے بڑھے تو نوجوانوں نے حصار میں راستہ بنا کر انہیں اندر آنے دیا۔ فقیر نے نورانی چہرے دیکھے تو فرط عقیدت میں ان کے ہاتھ چومے جب کہ انہوں نے فقیر کی پیشانی پر بوسے دیئے۔ مجمع کے لوگ اس منظر کو دیکھ کر اللہ اللہ کی صدا بلند آواز سے لگا رہے تھے۔ داداخان نوری کی باچھیں کھل رہی تھیں۔ وہ اپنے آپ میں فخر محسوس کر رہے تھے کہ میں ایک ایسے مہمان کو لے کر آیا ہوں کہ علاقے کے علماء صلحاء جس سے مل کر اتنے خوش ہوئے ہیں۔ کافی دیر بعد جب لوگوں کی نفری کم ہوئی تو نوجوان حضرات فقیر کو ایک قریبی حجرے میں لے گئے۔

کباب میں ہڈی :

تھوڑی دیر بعد حجرے کے اندر مقامی علماء و مشائخ بھی تشریف لائے۔ بعض حضرات نے فقیر کو دیکھا تو بلند آواز سے کہا

"سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود"

(نشانی ہے ان کے چہروں پر، سجدوں کے اثر سے)

بعض حضرات نے دعاؤں کی درخواست کی تو فقیر نے ان کے حکم کی تعمیل میں دعا کروادی۔ اسی اثناء میں کوٹ پتلون میں ملبوس ایک آدمی کمرے میں داخل ہوا اور فقیر کے قریب اس طرح آکر بیٹھ گیا جیسے کوئی شیخ المشائخ بیٹھتا ہے۔ جب کوئی آدمی فقیر کو دعا کے لئے کہتا تو یہ صاحب جلدی سے ہاتھ اٹھا کر بلند آواز سے دعا شروع کر دیتے اور پھر اس آدمی کو کہتے کہ آپ کے لئے دعا کر دی گئی ہے۔

پھر اچانک ان صاحب نے بیان کرنا شروع کر دیا۔ فقیر نے قریبی آدمی سے پوچھا کہ یہ کون ہیں ؟ تو اس نے کان میں بتایا کہ یہ ترکی کے عالم ہیں ، بے ریش ہیں ، عورتوں سے اختلاط رکھتے ہیں ، حرام حلال کی تمیز نہیں مگر حکومت نے ان کو تبلیغ کے لئے بھیجا ہے۔ مغربی ممالک نے وسط ایشیاء کی ریاستوں کے آزاد ہونے پر یہ محسوس کیا کہ یہاں کے مسلمان کہیں پاکستان یا سعودی عرب والے اسلام پر نہ چلنا شروع کر دیں۔ للہذا انہوں نے ایک فنڈ قائم کر کے بہت بڑی رقم اکٹھی کی اور ترکی کو پیش کی کہ آپ اپنے علماء کو یہ پیسے دے کر وسط ایشیا بھیجیں وہاں پر مساجد اور مدارس بنائیں اور وہاں کے لوگوں کو اپنے جیسا مسلمان بنائیں۔ للہذا ایسے چند سو حضرات اس وقت ازبکستان کے مختلف علاقوں میں آئے ہوئے ہیں۔ ہم مہمان کا اکرام کرتے ہوئے ان کی باتیں سن لیتے ہیں مگر کرتے وہی ہیں جو ہماری اپنی سمجھ میں آتا ہے۔

جب وہ صاحب کچھ دیر بیان کرتے رہے تو مجمع میں ایک شخص نے کہا کہ آپ کی باتیں تو ہم روزانہ سنتے ہیں براہ مہربانی ہمیں اس پاکستانی شیخ کی باتیں سننے دیں۔ مگر وہ صاحب لوگوں کی چاہت کا احترام کرنے کی بجائے اپنی باتوں میں لگے رہے حتی کہ ہر آدمی کو ناگواری محسوس ہونے لگی۔ جب فقیر نے دیکھا کہ آداب محفل کو ایک طرف کر کے ان صاحب نے محفل کا رنگ ہی بدل دیا ہے تو فقیر نے ان کے قلب پر توجہ ڈالی۔ اگلے چند لمحوں میں وہ صاحب محفل سے اٹھ کر چلے گئے۔ سب نے سکھ کا سانس لیا۔ الحمدللہ عقل و مال کے بل بوتے پر پروان چڑھنے والی کئی ماہ کی محنت نسبت شریفہ کے انوار کی برکت سے پل بھر میں راکھ کا ڈھیر بن گئی۔

واللّٰہ غالب علی امرہ ولکنّ اکثر النّاس لایعلمون

(اور اللہ تعالیٰ غالب رہتے ہیں اپنے حکم میں اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے)

انت هذا و نحن هذا :

اگلے دن مقامی علمائے کرام کی ایک جماعت ملاقات کے لئے آئی۔ اکثر حضرات مختلف مدارس کے ناظم و مہتمم اور مساجد کے امام و خطیب تھے۔ یہ حضرات اتنی روانی سے عربی زبان بول رہے تھے جیسے کہ عربی ان کی مادری زبان ہو۔ فقیر نے ان کے سامنے اپنی بے علمی کا اظہار اور جہالت کا اقرار کر لیا۔ یہ بھی بتایا کہ فقیر آپ کی سب باتیں سمجھتا تو ہے مگر عربی زبان بولنے پر قدرت حاصل نہیں ہے۔ بہر حال ٹوٹی پھوٹی زبان میں جواب دیتا رہے گا۔ داداخان نوری اپنے بہن بھائیوں سے ملنے کے لئے گھر گئے ہوئے تھے لہٰذا گفت و شنید کا دوسرا کوئی راستہ نہ تھا۔ صاحب خانہ نے خشک میوے دستر خوان پر رکھ دیئے تھے۔ سب لوگ میوے بھی کھاتے رہے اور بات چیت کا سلسلہ بھی چلتا رہا۔ مولانا داؤد خان مقامی علماء میں سے سن رسیدہ اور استاد عالم کا درجہ رکھتے تھے۔ انہوں نے فقیر سے پاکستان کے احوال دریافت کئے۔ ایک سوال کرتے ہوئے ان کے لہجے میں بڑی سختی تھی کہ پاکستان کے عوام نے اپنا ملک کلمہ کا نعرہ لگا کر حاصل کیا تھا، 45 سال گزرنے کے باوجود وہاں ابھی تک اسلامی شریعت نافذ کیوں نہیں ہوئی؟ وہاں کے علمائے کرام کو کیا ہو گیا؟ کیا سب لوگ خواب خرگوش کے مزے لے رہے ہیں؟ فقیر نے بتایا کہ علمائے کرام نفاذ شریعت کی کوششیں کر رہے ہیں مگر اس جواب سے مولانا داؤد خان کی تسلی نہ ہوئی۔ پھر انہوں نے فقیر سے پوچھا کہ آپ یہاں کیوں آئے؟ فقیر نے عرض کیا کہ نسبت شریفہ کی اشاعت کے سلسلہ میں آیا ہوں۔ انہوں نے نہایت سختی کے لہجے میں کہا کہ کیا پاکستان میں کام مکمل ہو گیا ہے جو آپ یہاں آئے ہیں؟ فقیر نے عرض کیا کہ نوکر کی اور ڈاکیے کی اپنی کوئی مرضی نہیں ہوتی وہ حکم کے پابند ہوتے ہیں۔ فقیر بھی بعض منامی اشارات کی وجہ سے یہاں حاضر

ہوا ہے۔ آپ کو ناگواری ہو رہی ہے تو یہاں سے واپس چلا جائے گا۔

ے ہم فقیروں سے کج ادائی کیا
آن بیٹھے جو تم نے پیار کیا

محفل میں تھوڑی دیر کے لئے سنجیدگی اور خاموشی کا ماحول بن گیا۔ مولانا رستم خان نے فقیر سے کہا کہ حضرت کچھ نصیحت فرمادیں۔ فقیر نے تعمیل حکم کے طور پر تقویٰ کے عنوان پر کچھ بیان کیا ساتھ ہی حاضرین پر باطنی توجہ ڈالی۔ بعض حضرات پر گریہ طاری ہو گیا۔ مولانا داؤد خان دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ بیان کے اختتام پر وہ اٹھ کر آگے آئے اور فقیر سے معذرت کرنے لگے کہ میں نے بلند آواز سے آپ سے بات چیت کی، میں آپ کو پہچان نہیں سکا، مجھے معاف فرمادیں۔ یہ کہتے ہوئے ان کے سامنے ایک جگہ پستے کا مغز پڑا تھا اور ساتھ ہی چھلکے پڑے تھے۔ انہوں نے مغز پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ شیخ انت هذا (آپ ایسے ہیں) اور پھر چھلکوں پر ہاتھ رکھ کر کہا و نحن هذا (ہم ایسے ہیں)۔ اس کے بعد انہوں نے بچوں کی طرح بلک بلک کر اونچی آواز سے رونا شروع کر دیا، فقیر کے پاؤں سے لگے بیٹھے تھے۔ بالآخر انہوں نے اپنا سر فقیر کی گود میں ڈال کر اتنی اونچی آواز سے رونا شروع کر دیا کہ ہمسائے کے گھروں سے لوگ دیکھنے کے لئے جمع ہو گئے۔ حاضرین محفل کے اوپر ایسا گریہ طاری تھا کہ جیسے کسی کے فوت ہونے پر رو رہے ہوں۔ فقیر سب کو تسلی دے رہا تھا۔ مولانا عمر خان بار بار اونچی آواز سے اللہ اللہ کہتے اور روتے جا رہے تھے۔ کافی دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا، فقیر نے ان سب کو تسلی دی مولانا عمر خان نے کہا کہ حضرت ہم طریقت میں آپ کے شاگرد بننا چاہتے ہیں۔ فقیر نے سب حضرات کو بیعت کیا اور یوں اللہ تعالیٰ نے نسبت شریفہ کی اشاعت کا دروازہ کھول دیا۔ بیعت کے بعد سب علمائے کرام کے قلب پر انگلی رکھ کر اسم ذات کی ضرب لگائی گئی اور سب کو مراقبے کا طریقہ بتایا گیا۔ جب ان سے کہا کہ

تھوڑی دیر کے لئے مراقب ہو جائیں تو سب حضرات سسکیاں لے لے کر رو رہے تھے۔ مراقبہ کے اختتام پر سب حضرات نے اپنے اپنے مدارس میں آنے کی دعوت دی۔

فقیر نے ان سب کی دعوت قبول کی الحمد للہ کہ سات کاروں میں سب حاضرین شہر کے مختلف مدارس میں گئے۔ ہر جگہ فقیر نے اپنی ٹوٹی پھوٹی عربی زبان میں بیان کیا، طلباء بھی سلسلہ عالیہ میں داخل ہوتے رہے۔ مولانا عمر خان نے کہا حضرت! آپ یہاں کے علماء کے متفقہ طور پر پیرو مرشد ہیں۔ علماء پہلی مرتبہ کسی ایک شخصیت پر متفق ہوئے ہیں۔ الحمد للہ ہم سلوک سیکھنے آپ کے پاس پاکستان بھی آئیں گے۔ فقیر نے کہا چشم ما روشن دل ماشاد۔

نمگان شہر میں روسی انقلاب سے پہلے چھوٹی بڑی ایک ہزار مساجد تھیں مگر کیمونسٹوں نے دو بڑی مساجد کے علاوہ باقی سب کو بند کر دیا تھا۔ اب الحمد للہ سب کی تعمیر نو ہو رہی تھی بائیس مساجد میں جمعہ شروع ہو چکا تھا، باقی کا تعمیراتی کام جاری تھا۔ فقیر کو بعض جگہوں پر لے جا کر دعا بھی کروائی گئی۔ الحمد للہ پہلے ہی دن اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ سے اللہ اللہ کرنے والوں کی ایک جماعت بنا دی۔ اب فقیر کو نہ تعارف کے لئے دادا خان نوری کی ضرورت رہی اور نہ ہی کہیں آنے جانے کے لئے کسی کی گاڑی کی محتاجی رہی۔ دادا خان نوری نے جب یہ معاملہ دیکھا تو کہنے لگے کہ حضرت آج رات ہمارے گھر دعوت قبول فرمائیں اس کے بعد علماء آپ کو جہاں چاہیں لے جائیں۔ چنانچہ رات کو پر تکلف از بک کھانے دستر خوان پر ملے، بھنا ہوا گوشت بڑا لذیذ تھا، بہت زیادہ کھا لیا۔ جب سونے لگے تو دادا خان نوری نے بستر کے ساتھ دستر خوان بچھا کر اس پر کھانے رکھوا دیئے۔ پوچھا یہ کیا؟ کہنے لگے کہ رات کو آنکھ کھلے گی تو بقیہ کھانے کھا لیجئے گا۔

عند جان کے مدارس :

عند جان کے ایک معروف شیخ طریقت حضرت عادل خان دامت برکاتہم نے جب نمنگان کے علماء کے بارے میں سنا کہ وہ طریقت میں داخل ہو گئے ہیں تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ انہوں نے فقیر کی طرف خصوصی نمائندہ بھیجا کہ آپ عند جان تشریف لائیں۔ فقیر حکم کی تعمیل میں اگلے دن عند جان حاضر ہوا۔ ظہر کی نماز ایک مدرسہ کی مسجد میں ادا کی، اساتذہ اور طلباء سے ملاقات ہوئی۔ نماز کے بعد مسجد میں ایک نوجوان عالم دین درس قرآن دینے لگے اور کئی سو نمازی ان کے درس میں بیٹھ گئے۔ نوجوان عالم دین مولانا عبدالقہار صاحب کے چہرے پر سعادت کے انوار نظر آرہے تھے۔ جب درس مکمل ہوا تو دعا سے پہلے ایک صاحب نے اعلان کیا کہ پاکستان سے ایک شیخ طریقت تشریف لائے ہیں وہ بیان کریں گے۔ جب فقیر منبر و محراب کے قریب حاضر ہوا تو مولانا عبدالقہار صاحب خاموش لگ رہے تھے۔ لگتا تھا کہ فقیر کے متعلق ان کی طبیعت میں انشراح نہیں تھا۔ جب فقیر نے درس قرآن دیا تو انہوں نے ترجمانی کی۔ الحمد للہ نسبت شریفہ کے انوار نے محفل کو خوب گرمایا۔ حتیٰ کہ درس کے بعد مولانا عبدالقہار صاحب سب سے پہلے بیعت کے لئے تیار ہو گئے۔ عوام الناس کا تو کیا کہنا، ان کے جوش و خروش کا عالم تو دیدنی تھا۔ بیان سے فراغت پر مولانا عبدالقہار صاحب فقیر کو اپنے گھر لے گئے، انتہائی پر تکلف دعوت کا اہتمام کیا۔ کھانے سے فراغت پر فرمانے لگے کہ حضرت! اب آپ آرام فرمائیں گے یا یہاں پر ایک نیا مدرسہ بن رہا ہے وہاں جا کر دعا فرمائیں گے۔ اس مدرسہ کے بانی ابھی مسجد میں آپ سے بیعت ہو چکے ہیں۔ فقیر نے کہا کہ عاجز یہاں پر آرام کے لئے نہیں بلکہ کام کے لئے آیا ہے۔ میرے پیر و مرشد فرمایا کرتے تھے کہ " کام، کام، بس تھوڑا

آرام" لہٰذا اس عاجز کا بھی یہی معمول ہے۔ سب لوگ گاڑیوں میں بیٹھ کر ایک وسیع و عریض عمارت میں پہنچے جس کا نام مدرسہ امام عاصمؒ تھا۔ یہاں دو بہت بڑی بڑی کرینیں فٹ کی گئی تھیں اور عمارت کا کام بڑی تیزی سے مکمل ہو رہا تھا۔ تہہ خانہ اتنا بڑا تھا کہ ہم لوگ چل چل کر تھک گئے۔ پورا مدرسہ دیکھنا مشکل ہو گیا۔ وہ مدرسہ کیا ایک یونیورسٹی کی عمارت نظر آ رہی تھی۔ فقیر نے پوچھا کہ اس میں کتنے طلباء کی رہائش کا انتظام کیا گیا ہے؟ بتایا گیا کہ ایک کمرے میں 4 طلباء کے ٹھہرنے کا انتظام ہے۔ حالانکہ پاکستان کے حساب سے اس میں آٹھ طلباء بھی ٹھہر سکتے تھے۔ متولی مدرسہ کے بیٹے حافظ عبدالجلال صاحب کو فقیر کا بیان اتنا پسند آیا تھا کہ ان کے ہاتھ میں ہر وقت ٹیپ ریکارڈر رہتا تھا اور وہ فقیر کی ہر گفتگو ٹیپ کرتے تھے۔ فقیر نے ان سے کہا کہ چلو بیانات تو ٹیپ کئے ہی جاتے ہیں۔ ہر وقت کی گفتگو کو ٹیپ کرنے کا کیا مقصد؟ اس نے رو کر کہا کہ حضرت ہم یہ باتیں سنیں گے اور یاد کیا کریں گے کہ آپ نے کس موقع پر کیا فرمایا تھا۔ مدرسہ میں دعا کرنے کے بعد ہم لوگ حاجی عبدالسلام صاحب کے گھر کھانے کے لئے پہنچے۔ انہوں نے عند جان شہر کے معززین کو مدعو کیا ہوا تھا۔ الحمد للہ کھانے کے بعد تھوڑی دیر بیان ہوا تو اکثر لوگ سلسلہ عالیہ میں داخل ہو گئے۔ مولانا عبدالقہار صاحب کہنے لگے حضرت! اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو مقام تسخیر عطا کیا ہے۔ ایسے ایسے لوگ بھی بیعت ہو رہے ہیں جن کے متعلق ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ فقیر نے عرض کیا کہ اس میں عاجز کا کوئی کمال نہیں، کمال تو کمال والے پروردگار کا ہے جو اپنے گنہگار بندوں کو بھی دین کے لئے قبول فرما لیتا ہے۔ اسی گفتگو کے دوران ایک عالم دین نے دعوت دی کہ حضرت! آپ عشاء کی نماز آسا کہ کی قریبی آبادی میں واقع ایک مسجد میں پڑھائیں۔ فقیر نے مولانا عبدالقہار صاحب سے پوچھا کہ فقیر تو نووارد ہے آپ بتائیں کہ کیا کریں؟ تو انہوں نے کہا کہ حضرت میں

خود آپ کے ساتھ وہاں چلوں گا آپ پروگرام دے دیجئے۔

دو ہیروں کی دریافت :

مغرب کی نماز کے بعد مولانا عبدالقہار صاحب کے ہمراہ آساکہ جانا ہوا۔ لال محلّہ کے اصرار پر فقیر نے عشاء کی نماز قصر پڑھائی جب کہ سب نمازیوں نے اپنی بقیہ نماز پوری کی نماز کے بعد بیان ہوا۔ مولانا عبدالقہار صاحب نے فرمایا کہ حضرت کا یہاں تشریف لانا ہمارے لئے نعمت غیر مترقبہ ہے۔ میرا ارادہ بہت پہلے سے تھا کہ کسی شیخ سے بیعت کروں مگر طبیعت کہیں بھی مطمئن نہیں ہوتی تھی۔ حضرت کی توجہات نے مجھے اپنا غلام بے دام بنا لیا ہے۔ میں نے بیعت کر لی ہے بلکہ میں تو آپ کے ہاتھ بک چکا ہوں۔ یہ کہہ کر مولانا نے اپنے عمامے کو پھیلا دیا۔ فقیر نے کہا کہ حاضرین میں سے جو حضرات بیعت ہونا چاہیں وہ کپڑا پکڑ لیں۔ بس پھر کیا تھا سب حاضرین محفل نے کپڑا تھام لیا۔ جہاں تک نظر جاتی تھی سب لوگ بیعت کے لئے تیار تھے۔ بیعت سے فراغت پر فقیر نے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے اوراد و ظائف کی تشریح کی اور تھوڑی دیر کے لئے مراقبہ کروایا۔ اس مراقبہ میں فقیر نے فارسی کے درج ذیل اشعار پڑھے

مومنا ذکر خدا بسیار گو
تا بیابی در دو عالم آبرو

(اے مومن ذکر خدا بہت کر تا کہ تو دونوں جہانوں میں عزت پائے)

ذکر کن ذکر تا ترا جانِ است
پاکی دل ز ذکر رحمان است

(ذکر کر ذکر، جب تک تو زندہ ہے کیونکہ دل کی پاکیزگی رحمٰن کے ذکر سے

حاصل ہوتی ہے)

یک چشم زدن غافل از آں شاہ نہ باشی
شاید کہ نگاہ کند آگاہ نہ باشی

{آنکھ جھپکنے کی دیر بھی ہر بادشاہ سے غافل نہ ہو، ایسا نہ ہو کہ وہ تجھ پر کرم کی نگاہ کر رہا ہو اور تو اس وقت غافل ہو}

ما ہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
الا حدیث یار کہ تکرار می کنیم

{ہم نے جو کچھ پڑھا وہ سب بھول گئے، ہاں البتہ اس یار کی بات کہ ہم بار بار دہرا رہے ہیں}

یہ اشعار سن کر مجمع کے لوگ مرغ نیم بسمل کی طرح تڑپنے لگے۔ آہ و بکا اس قدر تھی کہ دیکھنے والے کو بھی ترس آجائے۔

محفل سے فراغت پر مولانا عبدالقہار صاحب نے بتایا کہ حضرت! آپ ہمارے دوست مولانا حاکم جان کے ہاں رات کا قیام کریں گے۔ ساتھ کھڑے ہوئے مولانا حاکم جان اور مولانا عبداللہ سے انہوں نے تعارف کروایا۔ دونوں حضرات نے کہا کہ حضرت ہم دونوں نے مشورہ کیا ہے کہ آپ کے وسط ایشیاء کے پورے سفر میں ساتھ رہیں۔ فقیر نے دادا خان نوری کی طرف دیکھا تو انہوں نے کہا بہت اچھا پہلے ہم دو تھے اب چار ہو جائیں گے۔ باقی لوگ تو مقامی ہوتے ہیں، آتے جاتے رہتے ہیں۔ فقیر نے ان دونوں حضرات کی طرف غور سے دیکھا تو سعادت کے آثار نظر آئے۔

مرد حقانی کی پیشانی کا نور
کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

آنے والے وقت نے بتادیا کہ یہ دونوں دوست دو ہیرے ثابت ہوئے، جن کے

تعلق پر فقیر کو روز محشر نجات کی امید ہے۔

شنیدم کہ در روز امید و بیم
بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

{میں نے سنا ہے کہ امید اور خوف (آخرت) کے دن اللہ کریم بروں کو بھی نیکوں کے ساتھ بخش دے گا}

مہمان نوازی کی انتہا:

جب مولانا حاکم جان کے گھر پہنچے تو گلی سے لے کر ان کے اندرون خانہ تک ایک بالکل نیا سفید کپڑا بچھا ہوا تھا۔ فقیر نے پوچھا کہ یہ کیوں بچھایا گیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ آپ اس پر چل کر اندر آئیں۔ فقیر نے جوتے اتارنے چاہے تو مولانا حاکم جان نے کہا کہ حضرت آپ جوتوں سمیت چل کر آئیں۔ ہمارے ہاں ایسی ہستی آئی ہے کہ ہم اگر اپنی پلکیں بچھا سکتے تو دریغ نہ کرتے۔

اے باد صبا بتلا تو سہی مہمان جو آنے والے ہیں
کلیاں نہ بچھانا راہوں میں ہم پلکیں بچھانے والے ہیں

فقیر ان کے اصرار پر چاروناچار اس سفید کپڑے پر چل کر گھر کے کمرے میں پہنچا۔ گھر نہایت وسیع وعریض تھا۔ پھلوں کے درخت اور انگوروں کی بیلوں سے سارا صحن بھرا ہوا تھا، پھولوں کی خوشبو نے فضا کو معطر بنا دیا تھا۔ دلکش اور آرام دہ کمرے خوشگوار ماحول پیش کر رہے تھے۔ کھانے میں ایک بکرے کا گوشت بھون کر پیش کیا گیا تھا۔ جب رات گئے سب لوگ چلے گئے تو مولانا حاکم جان اور مولانا عبداللہ نے کہا کہ حضرت ہم آپ کی مٹھی چاپی کرنا چاہتے ہیں، اجازت مرحمت فرمائیں۔ ان کے شوق کو دیکھ کر فقیر نے ہاں کر دی۔ کافی دیر تک یہ نجی محفل جاری رہی۔ فقیر نے مولانا

حاکم جان سے ایک سوال پوچھا کہ مولانا یہ بتائیں، آپ آج کی دو تین محافل میں شریک رہے ہیں یہاں لوگ اس قدر تعداد میں سلسلہ عالیہ میں داخل کیوں ہو رہے ہیں؟ مولانا نے جواب دیا کہ حضرت ایک سال پہلے ازبکستان میں دو تین بڑے بڑے مشائخ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کا کام کر رہے تھے۔ مگر چند مہینے پہلے یکے بعد دیگرے ان کا انتقال ہو گیا۔ پچھلے چند مہینوں سے علماء و صلحاء روزانہ دعائیں کر رہے تھے کہ کوئی کامل شیخ ملے جس سے ہم اصلاحی تعلق قائم کریں۔ عین اس وقت آپ کی آمد کو یہاں کے علماء نعمت غیر مترقبہ سمجھ رہے ہیں۔ اسی لئے جوق در جوق سلسلہ عالیہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ فقیر اپنے دل میں نادم و شرمندہ ہوا کہ لوگوں کے تاثرات کتنے اچھے ہیں اور فقیر کتنا گندہ ہے۔ دل نے جواب دیا کہ عظمت الٰہی کا مشاہدہ کرو۔ قربان جاؤں اس کی عنایات پر جو ایک حقیر فقیر گندے بندے کو کیسی عزتوں سے نوازتا ہے۔

ذرا دیکھو کھوٹا سکہ سر عام چل رہا ہے

حاکم قوقان کی دعوت:

11 مئی 1992ء کو عند جان سے روانہ ہو کر دن کے ایک بجے قوقان پہنچے۔ فقیر کے لئے سٹیٹ گیسٹ ہاؤس میں رہائش کا انتظام کیا گیا تھا۔ انتظامات اتنے پر تکلف تھے کہ فقیر کا دل گھبرا رہا تھا۔ ہم بوریہ نشینوں کو تخت نشینوں سے کیا واسطہ۔ مگر سلسلہ عالیہ کی اشاعت کے لئے حضرت خواجہ سیف الدین مجددیؒ کی مثال سامنے تھی۔ اس لئے خاموشی سے سب کچھ دیکھتا رہا۔ نوکروں چاکروں کی بھر مار، ہر طرف عیش و عشرت کے اسباب، فقیر اسے آزمائش ہی سمجھتا رہا اور دعا کرتا رہا کہ اے پروردگار! فقیر کو کسی آزمائش میں مبتلا نہ کر دینا۔ وہ دن جس بے قراری میں گذرا شاید

زندگی کا کوئی دوسرا دن اتنی بے قراری میں نہیں گذرا۔ لوگوں کے سامنے رو بھی نہیں سکتے تھے۔ بس دل کے رونے پر اکتفا کیا۔ زبان پر یہ شعر بے اختیار آ گیا۔

دنیا میں ہوں دنیا کا طلبگار نہیں ہوں
بازار سے گذرا ہوں خریدار نہیں ہوں

مقامی انتظامیہ کا ایک وفد ملاقات کے لئے آیا۔ فقیر نے انہیں کچھ دیر نصیحت کی۔ جب ان کو فقیر کی انجینئرنگ کی تعلیم کے بارے میں علم ہوا تو وہ سب کے سب بہت متاثر ہوئے۔ فقیر نے انہیں بیعت کے کلمات پڑھا کر لطیفہ قلب کی نشاندہی کر دی۔

تو نیز بر سر بام آ:

قوقان شہر میں ایک عالیشان عمارت تھی جس میں مقامی کیمونسٹ پارٹی کا صدر مقام واقع تھا۔ حاکم قوقان نے اس میں خواتین کا پروگرام رکھوایا۔ چنانچہ دادا خان نوری اور مولانا عبداللہ کے ہمراہ وہاں جانا ہوا۔ سیکیورٹی کے انتظام ایسے تھے جیسے کسی خزانے میں داخل ہو رہے ہوں۔ مقامی عالم نے بتایا کہ پچھلے ستر سال میں آپ پہلے مسلمان ہیں جو اس عمارت میں داخل ہو رہے ہیں۔ یہ جگہ کفر پھیلانے کا مرکز رہی ہے۔ فقیر نے کہا کہ انشاء اللہ یہی جگہ دین پھیلنے کا ذریعہ بنے گی۔ فقیر کے لئے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ یہ مستوارت انگریزی نہیں سمجھتی تھیں جب کہ روسی زبان فقیر نہیں سمجھتا تھا۔ بہر حال تھوڑی دیر بیان ہوا، دادا خان نوری نے فقیر کی ترجمانی کی اس کے بعد تقریباً ایک گھنٹہ سوال و جواب کی محفل رہی۔ اکثر عورتیں چونکہ کیمونسٹ خیالات رکھتی تھیں لہٰذا ان کے سوال بھی اسی نوعیت کے تھے۔ بعض نے یہ سوال پوچھا کہ اسلام میں عورت کو دوسرے درجے کا شہری کیوں سمجھا گیا ہے؟ فقیر نے آسان

الفاظ میں ان کے سوالات کے جوابات دیئے۔ اور ساتھ ہی ساتھ توجہات کا سلسلہ جاری رکھا۔ الحمد للہ سب عورتوں نے کہا کہ آپ بتائیں ہم اچھی زندگی کیسے گذار سکتی ہیں؟ فقیر نے ان سب کو اسلام کی دعوت دی۔ سب نے بیعت ہو کر اسلام قبول کرنے کے کلمات پڑھے۔ وہ لمحات ایسے دلگداز تھے کہ مقامی عالم دین زارو قطار رو رہے تھے۔ جو جگہ کیمونسٹ پارٹی کا صدر دفتر تھی الحمد للہ آج اس جگہ ایک فقیر بے نوا لوگوں کو کلمہ پڑھا کر دین میں داخل کر رہا تھا۔ کسی کیمونسٹ نے کبھی یہ سوچا تک نہیں ہوگا، عجیب منظر تھا۔ مقامی عالم نے کہا کاش سارے کیمونسٹ اس کو دیکھ سکتے۔

تو نیز بر سر بام آ کہ خوش تماشائیست

(تو بھی چھت پر آکر دیکھ کہ کیسا بہترین تماشا ہے)

محفل کے اختتام پر مستورات کے تاثرات بہت اچھے تھے۔ اکثر نے کہا کہ ہمیں توقع ہی نہیں تھی کہ پاکستان میں دینی و دنیوی علم کے حامل ایسے لوگ ہوں گے جو ہمارے لئے اسلام قبول کرنے کا سبب بنیں گے۔ ذلك الفضل من الله

اگر بڑھیا در پر آئے سلطان
تو اے واعظ نہ ہو ہرگز پریشان

منبر کی آواز محفلوں تک :

نماز عشاء کے بعد کا پروگرام شاہی مسجد میں رکھا گیا تھا۔ یہ ازبکستان کی واحد ایسی مسجد ہے جس کا مینار سوفٹ اونچا رکھا گیا ہے۔ پوری مسجد لوگوں سے بھری ہوئی تھی۔ امام صاحب نے فقیر کو بتایا کہ آج آپ کا بیان مسجد میں موجود لوگ بھی سنیں گے اور گھروں میں بیٹھی مستورات بھی سنیں گی۔ فقیر نے کہا وہ کیسے؟ انہوں نے کہا کہ ہم نے ریڈیو اسٹیشن کا عملہ بلایا ہے جو اس پروگرام کو کاسٹ کریگا۔ اندازاً اس شہر کے دس

ہزار مسلمان گھروں میں یہ پروگرام سنا جائے گا۔ امام صاحب نے محفل کا آغاز تلاوت قرآن پاک سے کیا، پھر فقیر نے بیان کیا۔ داداخان نوری کو ترجمہ کرنے کا ملکہ حاصل ہو گیا تھا۔ انہوں نے بڑے جوش و خروش سے ترجمانی کی۔ بیان کے بعد اس قدر لوگ بیعت کے لئے تیار تھے کہ کپڑے پھیلانے کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ فقیر نے لاوڈ سپیکر پر ہی کلمات پڑھائے اور سب حاضرین نے وہ کلمات پڑھے۔ جب محفل کے اختتام پر لوگ مصافحہ کے لئے آگے بڑھے تو معاملہ کنٹرول سے باہر ہو گیا۔ مسجد اور مدرسہ کی پوری عمارتیں لوگوں سے بھری ہوئی تھیں۔ جب باہر نکلے تو پتہ چلا کہ باہر کے لوگ اندر کے لوگوں سے زیادہ تھے۔ باہر سڑک پر اس قدر ہجوم تھا کہ ٹریفک جام ہو چکی تھی۔ فقیر کو چند علماء نے اپنے حصار میں لے کر مجمع سے نکالا۔ بعض لوگ دور سے اپنے کپڑے کا ایک سرا فقیر کی طرف پھینکتے جو فقیر کے جسم سے لگتا تو وہ اس سرے کو پکڑ کر چوم لیتے۔ مفتی اعظم خان صاحب نے فرمایا کہ حضرت یہاں پر تو کبھی کسی وزیر اعظم کو دیکھنے کے لئے اتنے لوگ نہیں آئے جتنے آج آئے ہیں۔ تحدیث نعمت کے طور پر فقیر نے جواب میں جگر کا مشہور شعر پڑھا۔

میرا کمال عشق میں اتنا ہے اے جگر
وہ مجھ پہ چھا گئے میں زمانے پہ چھا گیا

تاشقند واپسی :

اگلے دن تاشقند واپسی ہوئی۔ تابانی آفس کی سیکرٹری عزیزہ نے داداخان نوری سے حالات سفر سنے تو پوچھا کہ اس سفر میں ان کے کتنے شاگرد بنے ہوں گے۔ داداخان نوری نے کہا کہ محتاط اندازے کے مطابق تقریباً پچاس ہزار آدمی سلسلہ عالیہ میں داخل ہوئے ہوں گے۔ جب یہ حالات تابانی گروپ کے ڈائریکٹر محمد یعقوب تابانی

صاحب نے سنے تو انہوں نے بھی بیعت کا ارادہ ظاہر کیا۔ چنانچہ وہ 15 مئی 1992 جمعہ کے دن سلسلہ عالیہ میں داخل ہوئے۔ فقیر کا ارادہ تھا کہ چند دن تاشقند میں رہ کر کام کیا جائے۔ جناب عباس خان صاحب کی وساطت سے ریڈیو ازبکستان پر فقیر کی تلاوت اور چند تقاریر نشر کروائی گئیں۔ مقامی اخبار کے چند حضرات انٹرویو کے لئے آئے اور انہوں نے پہلے صفحے پر نمایاں سرخی کے ساتھ فقیر کے سفر کی تفصیلات دیں۔ فقیر کا خیال ہے کہ یہ تفصیلات ان کو دادا خان نوری سے ملی تھیں۔

تاشقند کا اردو سکول :

تاشقند میں ایک اردو سکول ہے جس کا نمبر N-156 ہے۔ یہاں پر بچوں کو اردو کی تعلیم دی جاتی ہے۔ وہاں کی پرنسپل صاحبہ ایک دن فقیر کا پتہ کرتی ہوئی سیاحت ہوٹل پہنچ گئیں۔ کہنے لگیں کہ ہم نے اخبار میں آپ کے متعلق پڑھا ہے آپ ہماری دعوت قبول فرمائیں اور سکول کے بچوں کو اپنی نصیحتوں سے نوازیں۔ فقیر نے کہا کہ جو وقت آپ کے لئے موزوں ہو اس وقت فقیر حاضر ہو جائے گا۔ چنانچہ مورخہ 16 مئی کو دادا خان نوری کے ہمراہ سکول جانا ہوا۔ پرنسپل صاحبہ اور دیگر سٹاف کو سکول کے دروازے پر استقبال کے لئے موجود پایا۔ سکول کے بچوں نے استقبالیہ اشعار پڑھے۔ جس کے جواب میں فقیر نے بھی شکریہ کے کلمات کہے۔ بچوں نے تقریباً آدھا گھنٹہ تک مختلف سوالات پوچھے اس کے بعد دو گھنٹے کے لئے بچوں نے کہانیاں سنائیں، اشعار پڑھے اور ترانے سنائے۔ فقیر نے اپنی تقریر میں انہیں پاکستان کی تاریخی وجغرافیائی معلومات سے آگاہ کیا پھر آخر پر دین اسلام کے بارے میں کچھ باتیں بتائیں بالخصوص تاریخ اسلام میں سے بچوں کے واقعات سنائے جن کو سن کر بچے بہت ہی محظوظ ہوئے۔ سٹاف نے اپنی رائے دی کہ بچوں کے بارے میں اتنا معلوماتی خطاب

ہم نے زندگی میں پہلی دفعہ سنا ہے۔ سٹاف نے نہایت پر تکلف کھانا پیش کیا۔ آخر پر پرنسپل صاحبہ نے فقیر کا شکریہ ادا کیا اور مشورہ دیا کہ اگر آپ پاکستان کے کسی سکول کا نام پیش کریں تو ہم ان کے ساتھ اپنے تعلیمی روابط استوار کریں گے۔ ہر سال ان کے دو لڑکوں کو اپنے ہاں بلائیں گے اور اپنے دو لڑکوں کو وہاں بھیجیں گے تاکہ دونوں اداروں کا رشتہ مضبوط تر ہو جائے۔ آخر پر بچوں نے فقیر کو پھولوں کے ہار پیش کئے۔ فقیر نے دادا خان نوری سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہار ہے۔ فقیر نے کہا ہرگز نہیں یہ تو جیت ہے۔ یہ سن کر دادا خان نوری اتنا محظوظ ہوئے کہ کہنے لگے حضرت آپ ابھی میرے گھر تشریف لے چلیں، پلاؤ تیار ہوگا۔ وہ کھانے کے بعد میں آپ کو ہوٹل سیاحت لے جاؤں گا۔ فقیر نے کہا کہ اگر آپ نے پہلے سے نیت کی ہوئی ہے تو فقیر آپ کا دل رنجیدہ نہیں کرے گا۔ چنانچہ پلاؤ کھانے کے بعد جب ہوٹل کے کمرے میں داخل ہوئے تو فقیر نے کہا ''دھاگے کھیساں دے، تے پینڈے نت پردیساں دے''۔ دادا خان نوری اس کے مطلب کو نہ سمجھ سکے اور نہ ہی فقیر نے سمجھانے کی ضرورت محسوس کی۔

مجھے ہے حکم اذاں :

تاشقند کے ایک محلے کا نام مرزا غالب محلّہ ہے۔ اس کو لے جانے والی سڑک کا نام بھی مرزا اسد اللہ خان غالب ہے۔ اس کے ملحق دو محلے ہیں ایک کا نام البیرونی محلّہ اور دوسرے کا نام ابراہیم محلّہ ہے۔ مرزا غالب کو چونکہ ازبک ہونے پر فخر ہوا کرتا تھا اسی لئے ازبک لوگوں نے اس کی یاد تازہ کرنے کے لئے مسجد اور محلے کا نام ان کے نام پر رکھ دیا۔ مرزا غالب نے شاعری کی دنیا میں جو کمال دکھایا اگر دین کے رنگ میں رنگے ہوتے تو شاید اور زیادہ قبولیت پاتے۔ خود کہتے ہیں :

یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

فقیر کو مرزا غالب کے دو شعر ہمیشہ سے بہت پسند رہے ہیں اور فقیر اپنی نجی گفتگو اور بیانات میں انہیں استعمال کرتا رہا ہے ایک شعر تو عشق کے بارے میں ہے۔

نہ تو ہجر ہے اچھا نہ وصال اچھا ہے
یار جس حال میں رکھے وہی حال اچھا ہے

دوسرا شعر مراقبے پر فٹ ہوتا ہے اور نقشبندی فقیروں کو پسند آتا ہے کہ

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھے رہیں تصور جاناں کئے ہوئے

مرزا غالب محلّہ تاشقند یونیورسٹی کے قریب ایک کشادہ اور خوبصورت علاقے میں واقع ہے۔ جب داداخان نوری نے اس محلے کے متعلق فقیر کو بتایا تو ساتھ ہی یہ بھی کہنے لگے کہ اس محلے کا رئیس میرا بہت اچھا دوست ہے اور وہ وہاں پر مسجد بنا رہا ہے اور مسجد کا نام بھی مرزا غالب مسجد ہے۔ عباس خان پاس بیٹھے یہ گفتگو سن رہے تھے انہوں نے رئیس محلّہ عبید اللہ جان کو فون کر ڈالا۔ رئیس محلّہ نے انہیں بتایا کہ مسجد کی تعمیر کا کام مکمل ہو گیا ہے اب ہم اس میں نماز کا آغاز کرنے والے ہیں اہل محلّہ کا اصرار ہے جمعہ کا خطبہ کوئی نمایاں شخصیت دے۔ عباس خان نے کہا یہ تو بڑا اچھا ہوا ہمارے پاس پاکستان سے ایک مہمان بزرگ تشریف لائے ہیں یہ کام وہ کریں گے۔ چنانچہ جمعہ کی نماز کا پروگرام اس طرح طے پا گیا۔ جمعہ کے دن عباس خان اور داداخان نوری ہمراہ مرزا غالب محلّہ میں گئے۔ مسجد بڑی وسیع و عریض اور عالیشان بنی ہوئی تھی۔ ایک طرف مٹی اور بچی کھچی تعمیراتی چیزوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا، چونکہ چند دن پہلے تعمیر مکمل ہوئی تھی۔ رئیس محلّہ عبید اللہ جان سے ملاقات ہوئی وہ بڑے خوش تھے کہ آج

ان کے محلے میں اذان دی جائے گی اور پہلی بار اللہ تعالیٰ کا نام بلند کیا جائے گا۔ انہوں نے فقیر کو دیکھتے ہی کہا کہ ہمارے محلے کی مسجد میں پہلی اذان آپ دیں گے۔ پہلا خطبہ جمعہ آپ پڑھیں گے اور پہلی نماز کی امامت بھی آپ کرائیں گے اور اس کے بعد ہمارے گھروں میں کھانے پر اہل محلہ کے ساتھ جمع ہوں گے۔

ہم لوگ وضو کر کے مسجد میں آگئے۔ جب فقیر نے اذان کہنی شروع کی تو قریب کے گھروں سے چھوٹے بچے، عورتیں اور مرد نکل کر دوڑے ہوئے آئے، مرد تو مسجد میں آگئے مگر عورتیں مسجد کی کھڑکیوں اور دروازوں کے ساتھ چمٹ کر کھڑی ہو گئیں۔ کوئی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتی، کوئی اوپر آسمان کی طرف دیکھ کر اپنے ہاتھ سینے پر لگا لیتی۔ عبید اللہ جان نے بتایا کہ یہ عورتیں قربان ہوئی جا رہی تھیں کہ ہم اپنی زندگی میں اس محلے میں اذان کی آواز سن رہی ہیں۔ فقیر نے جمعے کا بیان اردو زبان میں کیا اور دادا خان نوری نے جھوم جھوم کر اس کی ترجمانی کی۔ جب دوسری اذان کے بعد فقیر نے خطبہ جمعہ شروع کیا تو نمازیوں پر عجیب رعب کی کیفیت طاری ہوئی۔ بعض نے تو فرط خوشی میں زارو قطار رونا شروع کر دیا۔ نماز جمعہ کے بعد جب فقیر مردوں سے مصافحہ کر کے باہر نکلا تو عورتوں کا جم غفیر کھڑا ہوا پایا۔ رئیس محلہ نے کہا کہ یہ عورتیں آپ سے دعا کروانے کے لئے جمع ہو گئی ہیں۔ فقیر نے ہاتھ اٹھا کر سب کے لئے دعا مانگی۔ حاضرین کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ خوشی کے مارے آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے۔ فقیر اس بات کو سوچ کر گریہ کناں تھا کہ جب تک اس مسجد میں نماز پڑھی جائے گی فقیر کو بھی اجر ملے گا۔

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

(یہ نیک بختی کوشش سے نہیں ملتی جب تک کہ اللہ کریم نہ دے)

دعا سے فراغت پر رئیس محلّہ سب مہمانوں کو اپنے قریبی مکان میں لے گئے۔ یہ مکان باہر سے محلے کے دوسرے مکانات کی طرح تھا اونچی دیوار اور ایک بڑا پھاٹک جس پر انگور کی بیلیں لٹک رہی تھیں۔ باہر سے مکان بالکل سادہ تھا۔ جیسے ہی اندر داخل ہوئے تو سامنے خوبصورت باغ نظر آیا۔ جس میں سیب، ناشپاتی، بادام اور لوبان کے درخت تھے۔ باغ کے تین طرف چوبی ستونوں والے برآمدے تھے اور ان سے ملحق بڑے بڑے رہائشی کمرے تھے۔ عبیداللہ جان ہمیں دروازے سے قریب ہی ایک بڑے ہال نما کمرے میں لے گیا۔ جس کی دیواروں پر بڑے قیمتی قالین اور کڑھی ہوئی چادریں آویزاں تھیں، چھت پر بے حد پیارے نقش و نگار بنائے ہوئے تھے۔ اس کام میں ازبک لوگ اتنے ماہر ہیں کہ فقیر نے دنیا میں ایسے نقش و نگار کہیں نہیں دیکھے۔ مہمان خانے کے درمیان میں ایک لمبا دستر خوان بچھا ہوا تھا جس پر خشک میوے پڑے ہوئے تھے۔ جب ہم لوگ دستر خوان پر بیٹھ گئے تو عبیداللہ جان نے نان کے ٹکڑے کر کے دستر خوان پر رکھے۔ ساتھ ہی شوربے سے بھرے بڑے بڑے پیالے آگئے۔ یہ اصل میں یخنی تھی جس میں گوشت کی ایک ایک بڑی بوٹی بھی تھی اور آلو اور سبزیاں اور چنے بھی تھے۔ شوربے سے فراغت نہ ہونے پائی تھی کہ پلاؤ آگیا۔ کھانے کے ساتھ سبز چائے تو ازبک لوگ اس طرح پیتے ہیں جس طرح ہمارے لوگ ٹھنڈا پانی پیتے ہیں۔

کھانے کے بعد جب اجازت طلب کی تو عبیداللہ جان نے فقیر کو ایک لمبا روئی بھرا خوبصورت ازبکی کوٹ پہنایا اور کہا کہ ہمارے ہاں مہمان کی عزت افزائی اسی طرح کی جاتی ہے۔ فقیر نے دل میں دعا مانگی کہ اے پروردگار! جب تیرے بندے یوں عزت افزائی کر رہے ہیں تو آپ بھی مجھے انسانیت کی پوشاک پہنا دیں۔ یہ تو قرآن مجید میں آپ نے خود ہی فرمایا ہے۔ و لباس التقوی ذلک خیر (اور پرہیزگاری کا

لباس وہ سب سے اچھا ہے)

انگرین کا سفر :

16 مئی بروز ہفتہ مولانا عبداللہ حسب وعدہ سیاحت ہوٹل میں تشریف لائے تو ان کے ہمراہ ان کے ایک دوست امت علی بھی تھے۔ امت علی صاحب ایک شیخ کے بیٹے تھے انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کی تھی۔ تھوڑا عرصہ پہلے چہرے پر سنت سجائی تھی۔ خوبصورت چہرے پر خوبصورت ریش بہت اچھی لگ رہی تھی۔ تعارف کے بعد تھوڑی دیر بات چیت کا سلسلہ جاری رہا۔ فقیر نے بتایا کہ تین دن یہاں پر قیام رہے گا پھر سمرقند و بخارا کے سفر پر روانگی ہوگی۔ امت علی نے تجویز پیش کی کہ اگر ہم اس کے گھر قیام کریں تو وہ ہمیں قریب کے پہاڑی علاقے کی سیر بھی کروائے گا جسے دیکھنے کے لئے لوگ دور دراز کا سفر کر کے آتے ہیں۔ مولانا عبداللہ نے بھی کہا یا سیدی! اس کی دعوت قبول فرمالیں۔ فقیر نے رضامندی ظاہر کی تو ہم لوگ فوراً اپنا سامان سمیٹ کر انگرین کے لئے روانہ ہو گئے۔ آدھا سفر ریل گاڑی کے ذریعے طے کیا اور بقیہ سفر بس کے ذریعے کیا۔ بسوں کا سفر نہایت آرام دہ ہوتا ہے۔ جب بس کی سیٹوں پر بیٹھ گئے تو فقیر کے آگے والی سیٹ پر ایک ازبک لڑکی بیٹھی تھی۔ بس چلنے کے بعد جب اس کی نظر فقیر پر پڑی تو وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ کافی دیر اس طرح کھڑے کھڑے فقیر کا چہرہ دیکھتی رہی۔ مولانا عبداللہ نے اس سے پوچھا کہ آپ بیٹھ جائیں آپ تقریباً آدھے گھنٹے سے کھڑی ہیں اور ایک گھنٹے کا سفر باقی ہے، وہ کہنے لگی کہ میں اس مہمان کا چہرہ دیکھ رہی ہوں تو مجھے اللہ یاد آرہا ہے۔ میں ایک گھنٹہ اور بھی کھڑی ہو سکتی ہوں۔ فقیر نے سنا تو دل ہی دل میں دعا مانگی کہ یا اللہ فقیر کے ظاہر کو دیکھ کر لوگوں کو اللہ یاد آتا ہے۔ آپ قیامت کے دن فقیر کو انہیں لوگوں کے زمرہ میں کھڑا فرما دیجئے گا۔

انگرین شہر تاشقند سے سو کلو میٹر کے فاصلے پر ہے اس کے قریب کوئلے کی کانیں ہیں اور بجلی بنانے کے بڑے بڑے کارخانے لگے ہوئے ہیں۔ ایسے لگتا ہے کہ ہر کارخانے میں ایک شہر آباد ہے۔ اس شہر میں زیادہ آبادی روسیوں کی ہے۔ شہر کی سڑکیں رن وے کی طرح کشادہ اور ہموار ہیں۔ ہر طرف سبزہ ہی سبزہ، پھول ہی پھول ہیں عمارات بہت خوبصورت ہیں۔ کاش کہ یہ لوگ خوب سیرت بھی ہوتے اور دنیاوی نعمتوں کے ساتھ ساتھ ایمان کی نعمت سے بھی آراستہ ہوتے۔ امت علی نے بتایا کہ شہر میں تقریباً 10 مسجدیں ہیں مگر جامع مسجد ایک ہی ہے۔ اس کے امام خطیب خود بھی قادریہ سلسلہ کے شیخ ہیں۔ جب کھانے سے فراغت ہوئی تو ہم لوگ نماز مغرب ادا کرنے کے لئے مسجد کی طرف چلے۔ باہر نکل کر معلوم ہوا کہ بارش ابھی ابھی رکی ہے۔ درختوں کے پتوں سے بارش کے پانی کے قطرے ابھی تک ٹپک رہے تھے، ہر طرف جل تھل والا معاملہ تھا۔ مسجد تک پیدل چل کے جانا محال تھا۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ایک کار قریب آکر رکی۔ ایک نوجوان گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تھا اور ایک عورت چھوٹے بچے کو گود میں لئے پچھلی سیٹ پر بیٹھی تھی۔ مرد نے امت علی سے پوچھا کہ آپ لوگ کیوں کھڑے ہیں؟ یہ مہمان آپ کے ساتھ کون ہے؟ جب امت علی نے فقیر کا تعارف کروایا تو وہ عورت کہنے لگی کہ کیا یہ ممکن ہے ہم لوگ آپ کو مسجد تک چھوڑ آئیں۔ فقیر نے خدائی مدد سمجھتے ہوئے سر ہلا کر ہاں کا اشارہ کر دیا۔ عورت اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی اور پچھلی سیٹ پر ہم تینوں بیٹھ گئے۔ الحمدللہ کہ تھوڑی دیر میں ہم مسجد میں پہنچ گئے۔ فقیر نے امت علی سے کہا کہ ہمیں سب سے پہلے امام مسجد سے ملنا چاہئے۔ جب ان کے حجرے کے دروازے پر گئے تو امام صاحب نے ہاتھ کا اشارہ کر دیا کہ آپ لوگ مسجد میں چلے جائیں۔ مسجد میں پہنچے تو وئی نمازی بھی ابھی تک نہیں آیا تھا۔ نماز مغرب کی اذان ہوتے ہوتے دس پندرہ

آدمی اکٹھے ہو گئے۔ امت علی کا خیال تھا کہ نماز کے بعد مولانا سے تعارف کریں گے۔ لیکن امام صاحب نے نماز پڑھی اور اپنے نمازیوں سے گفتگو کرتے ہوئے انہیں باہر لے گئے۔ ایک دو آدمیوں نے امت علی سے فقیر کے بارے کچھ پوچھنا چاہا تو امام صاحب نے ان کو بھی بلا لیا۔ امت علی کے پریشان چہرے کو دیکھ کر فقیر نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ عالم آپ کو دیکھ کر خوش نہیں ہوئے اور یہ نہیں چاہتے کہ نمازیوں سے آپ کا تعارف ہو۔ مسجد میں بیان تو بڑی دور کی بات ہے۔ فقیر نے کہا کوئی بات نہیں نسبت شریفہ اپنا راستہ خود بنائے گی۔ اتنے میں امت علی مسجد کے باہر نکلے تو دیکھا کہ امام صاحب وہاں کھڑے نمازیوں سے گپیں لگا رہے تھے۔ امت علی کو دیکھ کر انہوں نے پوچھا کہ یہ تمہارا ساتھی کون ہے؟ اس نے بتایا کہ نقشبندی سلسلہ کے شیخ ہیں۔ امام مسجد صاحب نے کہا مگر ہم لوگ تو قادری ہیں۔ پھر پوچھا کہ کیا یہ مہمان ترکی زبان بول سکتے ہیں۔ امت علی نے کہا نہیں۔ امام صاحب نے فرمایا پھر ہمیں اس کی بات کیسے سمجھ میں آئے گی ہم اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتے۔ امت علی نے کہا ہم ازبک لوگوں میں مہمان کا بڑا اکرام کیا جاتا ہے۔ مگر آج مجھے شرمندگی ہو رہی ہے کہ مہمان مسجد میں موجود ہے اور میزبان باہر کھڑے خوش گپیوں میں مصروف ہیں۔ یہ سن کر ایک دو نوجوان تیار ہو گئے کہ اچھا ہم تھوڑی دیر کے لئے اندر آجاتے ہیں۔ امام صاحب نے کہا اچھا جاؤ مگر جلدی واپس آجانا۔ دو نوجوان اندر آئے اور فقیر کے قریب بیٹھ گئے۔ فقیر نے انہیں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے متعلق کچھ بتانا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد باہر کے لوگ ایک ایک کر کے اندر آتے گئے حتیٰ کہ پندرہ کے پندرہ حضرات اندر آکر بیٹھ گئے۔ امام صاحب اکیلے باہر کھڑے انتظار کرتے رہے۔ جب کافی دیر کے بعد کوئی آدمی باہر نہ نکلا تو امام صاحب بھی اندر آگئے کہ دیکھیں کیا ہو رہا ہے؟ جب وہ فقیر کے قریب آکر بیٹھے تو فقیر یہ تفصیل بیان کر رہا تھا کہ سلسلہ عالیہ

نقشبندیہ میں دست بکار اور دل بیار کا کیا مطلب ہے مولانا عبد اللہ ترجمانی کر رہے تھے ۔ جب امام صاحب نے بیان سنا تو ان کے دل کی حالت بدل گئی۔ فقیر نے محفل کے اختتام پر کہا کہ سب لوگ مراقبہ کریں۔ مراقبہ میں امام صاحب پر توجہ ایسی پڑی کہ انہوں نے تڑپنا شروع کر دیا، روتے روتے ہچکی بندھ گئی۔ جب مراقبے سے فارغ ہوئے تو امام صاحب کہنے لگے کہ ہمیں بھی یہ طریقہ تعلیم کریں۔ فقیر نے کہا کہ اس کے لئے بیعت ہونا ضروری ہے۔ امام صاحب نے کہا کہ میں اگرچہ پیر بنا ہوا ہوں مگر میرا دل مجھے ملامت کر رہا ہے کہ آج تجھے گھر میں نعمت مل رہی ہے لہٰذا محروم نہ رہنا۔ آپ مجھ پر احسان فرمائیں اور اپنے حلقہ مریدین میں شامل کر لیں۔ مسجد میں موجود تمام لوگ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں داخل ہوئے۔ عشاء کی نماز کے بعد فقیر نے دوبارہ مراقبہ کروایا۔ دعا کے بعد جب جانے لگے تو امام صاحب نے فقیر کا عصا اٹھا لیا اور آگے آگے چلنے لگے۔ مسجد کے دروازے پر پہنچ کر اصرار کرنے لگے کہ ہمارے گھر چلیں اور کھانا کھائیں۔ امت علی کے لئے یہ دعوت خلاف توقع تھی، انہوں نے ہاں کر دی۔ چنانچہ ہم لوگ امام صاحب کے گھر پہنچ گئے۔ امام صاحب کے بیٹے حافظ قرآن تھے انہوں نے فقیر کو دیکھا تو بیعت کی تمنا ظاہر کی۔ فقیر نے اہل خانہ کو بھی بیعت کیا۔ جب واپس آنے لگے تو امام صاحب فقیر کے عصا کو پکڑ کر چوم رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ آج مجھ سے آپ کی بے ادبی سرزد ہوئی ہے مجھے معاف فرمائیں اور اس مسجد کو اپنی مسجد سمجھیں۔ پھر بیٹے کو حکم دیا کہ مہمان حضرات کو گھر تک پہنچا کر آئیں۔ امت علی نے گھر پہنچ کر فقیر کے سامنے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی کہ حضرت ہم آپ کی قدر نہ کر سکے۔ فقیر نے کہا کہ اس میں آپ کا کیا قصور؟ رہ گئی بات امام صاحب کی تو انہوں نے شروع میں بے اعتنائی برتی مگر نسبت شریفہ کی برکات نے انہیں محروم نہ ہونے دیا۔ مولانا عبد اللہ کا خوشی کے مارے عجیب حال ہو رہا تھا۔ وہ کہنے لگے

یا سیدی ! آپ کے پاس اصلی مال ہے جہاں بھی جائیں گے اس سودے کے بڑے خریدار ملیں گے۔

امت علی جب مستورات کے پاس گئے اور انہوں نے مسجد کی کارگزاری سنائی تو ان کی اہلیہ صاحبہ نے پیغام بھجوایا کہ ہمیں بھی بیعت کر لیا جائے۔ فقیر نے انہیں کلمات پڑھا کر سلسلہ عالیہ میں داخل کر لیا۔ امت علی کا بیٹا محمد عثمان بہت پیارا تھا فقیر نے کہا کہ آج کے بعد ہم آپ کو ابو عثمان کے نام سے پکاریں گے۔ الحمد للہ یہ نام ایسا مشہور ہوا کہ آج وسط ایشیا کی تمام ریاستوں کے لوگ انہیں مولانا ابو عثمان کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

سعی جبلان کے دلکش مناظر :

17 مئی بروز اتوار مولانا عبداللہ اور ابو عثمان نے یہ خواہش ظاہر کی کہ قریبی خوبصورت پہاڑی علاقے کی سیر کرنی چاہئے۔ شام تک واپسی ہو جائے گی۔ فقیر نے کہا بہت اچھا۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام کو پانی والی اور سرسبز و شاداب جگہیں بہت پسند تھیں۔ ہم بھی سنت کی نیت کے ساتھ ان جگہوں پر بیٹھ کر اللہ کا ذکر کریں گے۔ ایک کار میں ہم پانچ آدمی انگرین سے سعی جبلان کی طرف روانہ ہوئے۔ چند کلو میٹر کے بعد فقیر نے محسوس کیا کہ مولانا عبداللہ اور ابو عثمان آپس میں اشاروں اشاروں میں کچھ باتیں کر رہے ہیں۔ فقیر نے پوچھا کیا بات ہے ؟ مولانا عبداللہ نے کہا کہ حضرت ! ابو عثمان نے گھر میں بہت سا کھانا تیار کروایا تھا، غلطی سے ساتھ لینا یاد نہیں رہا، سارا دن بھوکا رہنا پڑے گا، اس سے بہتر ہے کہ ہم واپس جا کر وہ کھانا لے آئیں۔ فقیر نے کہا مولانا ہمارا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے وہ کھانا انشاء اللہ ہم واپس جا کر کھائیں گے۔ مولانا نے پوچھا مگر جہاں جا رہے ہیں وہاں کیا بنے گا ؟ فقیر نے کہا

کار ساز ما بفکر کار ما
فکر ما در کار ما آزار ما

(ہمارا کارساز ہمارے کام کی فکر میں ہے، اور اپنے کام میں ہماری فکر تو باعث رنج ہے)

مولانا یہ شعر سن کر بہت محظوظ ہوئے مگر کہنے لگے کہ حضرت آج بہت مجاہدہ ہوگا۔ فقیر نے کہا مولانا ہم من و سلویٰ کھانے والے فقراء ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آج تک اپنی رحمت کے نظارے دکھائے ہیں اب بھی وہی رزق پہنچائے گا۔ مولانا یہ سن کر خاموش تو ہوگئے مگر ان کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمایاں تھے۔ دن کے گیارہ بجے ہم ایک پہاڑ کی خوبصورت چوٹی پر پہنچے، ہر طرف اونچے اونچے درخت، پھلوں اور پھولوں کی اتنی بہتات کہ جیسے کسی نے خود ہی درختوں سے لٹکا دیئے ہیں، منظر اتنا خوبصورت کہ جیسے کسی نے کاغذ پر ڈرائینگ بنا دی ہے، بہتی ہوئی آبشاروں اور مرغزاروں نے ماحول کے حسن کو دلہن کی طرح سجادیا تھا، معطر فضا سے دل ودماغ کو فرحت نصیب ہو رہی تھی۔ مولانا عبداللہ نے فقیر کی طرف دیکھ کر کہا حضرت! یہ جگہ کتنی خوبصورت ہے؟ فقیر نے جواب میں درج ذیل اشعار پڑھ دیئے

چاند تاروں میں تو مرغزاروں میں تو اے خدایا
کس نے تیری حقیقت کو پایا
تو نہاں تیرا جلوہ عیاں ہے تیری ہستی کا مظہر جہاں ہے
پھول میں مثل بو چھپ کے بیٹھا ہے تو اے خدایا
بحر عصیاں سے مولیٰ بچالے دل کی کشتی ہے تیرے حوالے
تو ہی غفار ہے تو ہی ستار ہے اے خدایا
کس نے تیری حقیقت کو پایا

سب ساتھیوں نے جھوم جھوم کر اشعار سنے۔ مولانا نے کہا کہ حضرت! یہاں

تھوڑی دیر آرام کرنے کے لئے خیمے بنے ہوئے ہیں ان میں سے کوئی ایک ہم کرایہ پر لے لیتے ہیں۔ فقیر نے کہا، بہت اچھا۔ جب آگے بڑھے تو دیکھا کہ ریسٹورنٹ بنا ہوا ہے، سرکاری ریسٹ ہاؤس بھی ہے، کھیلوں کے لئے ہموار کھلے گراؤنڈ بھی ہیں اور ٹورسٹ کے آرام کے لئے خیمے بھی لگے ہوئے ہیں۔ فقیر نے ایک دو خیموں کے دروازے کھول کر دیکھا تو اندر سے شراب کی بدبو کے بھبھکے اٹھ رہے تھے۔ ہر خیمے میں دو بستر لگے ہوئے تھے۔ مولانا نے بتایا کہ حضرت! ٹورسٹ لوگ یہاں عیاشی کے لئے آتے ہیں، نیچے والے ریسٹورنٹ سے انہیں نوجوان لڑکیاں مل جاتی ہیں جن کے ساتھ وہ یہاں پر وقت گزارتے ہیں۔ آپ کو سچ بتائیں تو ہماری نظر میں کوئی بھی خیمہ پاک صاف نہیں ملے گا۔ فقیر نے کہا ہرگز نہیں ہمارا پروردگار ہمارے لئے ضرور کوئی سبیل پیدا فرمائے گا۔ اتنا کہنا تھا کہ ایک آدمی قریب آیا اور پوچھنے لگا کہ، کیا آپ کو کوئی خیمہ چاہئے؟ فقیر نے کہا ہاں، مگر پاک صاف ہو۔ اس نے کہا کہ ایک خیمہ کاریگر نے ابھی چند منٹ پہلے ہی مکمل کیا ہے، آپ کو وہ مل جائے گا۔ جب وہاں جا کر دیکھا تو صاف ستھرے بستر اور بالکل نیا خیمہ موجود تھا۔ ہم لوگوں نے فوراً اس کا کرایہ ادا کیا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ جس نے ہماری مراد پوری کی۔ ہم لوگ وہاں بیٹھے ذکر قلبی سے متعلق باتیں کر رہے تھے کہ ایک آدمی بھنا ہوا گوشت ایک ٹرے میں لے کر آیا اور کہنے لگا کہ میری بیوی نے یہ آپ کے لئے بھیجا ہے۔ فقیر نے پوچھا کیا مطلب؟ کہنے لگا کہ میں اوپر ایک مکان میں رہتا ہوں میری بیوی نے ایک بکری کا گوشت بھون کر تیار کیا تھا۔ جب اس کی نظر آپ لوگوں پر پڑی تو اس نے مجھے کہا کہ یہ گوشت ان مہمانوں کو دے کر آؤ۔ میں تو قاصد ہوں، گوشت پہنچا دیا ہے، آپ ہماری میزبانی قبول فرمائیں، یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ فقیر نے مولانا عبداللہ اور ابو عثمان کے چہروں کو دیکھا جو حیرت کا مجسمہ بنے ہوئے تھے۔ فقیر نے کہا دیکھا، ہم ہیں ناں من و سلویٰ کھانے والے فقیر۔

مولانا نے کہا صدقت یا سیدی پاک ہے وہ پروردگار جو ہم جیسے فقراء کو طرح طرح کی نعمتیں کھلاتا پلاتا ہے۔ فقیر کو قرآن مجید کی آیت یاد آرہی تھی کہ **فبای الاء ربکما تکذبان** (تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے)۔

تھوڑی دیر میں کچھ اور لوگ بھی ملاقات کے لئے آگئے۔ مقامی لوگوں کی زبانی یہ معلوم ہوا کہ یہ علاقہ ماضی میں بڑے علماء و صلحاء کا مسکن رہا ہے۔ یہاں کے ملاں رفیع الدین چالیس سال تک بخارا کے مدارس میں پڑھاتے رہے۔ یہاں کے علماء کو روسی انقلاب کے وقت یا تو قید کر دیا گیا یا پھر نقل مکانی پر مجبور کر دیا گیا۔ ان کی اولادیں اب بھی قریبی بستی میں آباد تھیں۔ آزادی کے بعد وہ لوگ دین پر عمل کرنے والے بن گئے۔ ہماری ان باتوں کے دوران ایک آدمی شوربے سے بھرے پیالے لایا۔ ساتھ ہی علاقے کی لذیذ دہی بھی لایا۔ ہم لوگوں کو خوب بھوک لگی ہوئی تھی ہم نے خوب پیٹ بھر کر کھایا۔ فقیر نے مولانا عبداللہ اور ابو عثمان سے کہا کہ آپ ضیوف الرحمان ہیں خوب سیر ہو کر کھائیں اور جس کا کھائیں اسی کے گیت گائیں۔ کھانے کے بعد نماز ادا کر کے تھوڑی دیر قیلولہ کیا۔ اس کے بعد باہر کی سیر کو نکلے۔ مولانا عبداللہ نے آبشاریں دکھائیں کہ دیکھ کر مزہ ہی آگیا۔ چشمے کا پانی، گرتی ہوئی آبشار اور پانی کے ساتھ ساتھ بل کھاتی لکڑی کی سیڑھی عجیب نظارہ تھا۔ فقیر نے سیڑھی سے تھوڑا نیچے اتر کر دیکھا تو ایک بڑی چٹان نظر آئی کہ جس کے دونوں اطراف سے پانی گزر کر جا رہا تھا۔ فقیر مع احباب اس چٹان پر جا بیٹھا۔ پانی کی آواز میں اپنی دلکشی تھی۔ فقیر نے تہلیل لسانی کرنا شروع کیا تو مولانا عبداللہ اور ابو عثمان بھی ساتھ شامل ہو گئے۔ اتنا مزہ آیا اور ایسا سکون ملا کہ آج بھی وہ لمحات پوری طرح یادداشت کا حصہ بنے ہوئے ہیں۔ ایک گھنٹہ وہاں بیٹھنے کے بعد ہم اوپر آئے اور کھیل کے میدانوں کی طرف چلے۔

ایک جگہ گھاس پر فقیر نے رومال بچھایا اور بیٹھ گیا دوسرے لوگ بھی پاس پاس بیٹھ گئے۔ وعظ ونصیحت کا سلسلہ چلتا رہا۔ مقامی لوگ بھی آکر شریک محفل ہوتے رہے۔

نشہ پلا کے گرانا :

ایک آدمی نے آکر بتایا کہ تقریباً پندرہ نوجوان ریسٹورنٹ میں بیٹھے شراب پی رہے ہیں۔ انہوں نے عیاشی کے انتظامات مکمل کر لئے ہیں، تھوڑی دیر میں وہ خیموں میں داخل ہو جائیں گے۔ فقیر نے اسے کہا کہ جاؤ اور ان سب کو بلا کر میرے پاس لاؤ۔ اللہ تعالیٰ کی عجیب شان کہ جب اس آدمی نے کہا کہ ایک شیخ آپ سب کو بلا رہے ہیں تو ان سب پر اتنا رعب طاری ہوا کہ سہم گئے اور اس شخص کے ساتھ فقیر کے پاس آئے۔ گو انہوں نے شراب پی رکھی تھی تاہم ابھی نشہ رنگ نہیں لایا تھا اور گرنے والا معاملہ نظر نہیں آرہا تھا۔ فقیر پر محبت الٰہی کا اتنا غلبہ تھا کہ یوں دل چاہ رہا تھا کہ ان نوجوانوں پر توجہ ڈالو تا کہ یہ عشق مجازی کی بجائے عشق حقیقی میں وقت گزاریں۔ فقیر نے ان کے سامنے قرآن پاک کی کچھ آیات تلاوت کیں، قرآن ان نوجوانوں کے سینوں میں اتر گیا۔ فقیر نے جب انہیں کہا کہ گناہوں بھری زندگی سے توبہ کرو اور نیکی والی زندگی کو اختیار کرو۔ وہ سب نوجوان بیک زبان آمین کہنے لگے۔ مولانا عبداللہ نے کہا حضرت! عجیب بات ہے کہ یہ سب سچی توبہ کے لئے تیار ہیں۔ فقیر نے ان پندرہ شرابیوں کو بیعت کے کلمات پڑھائے اور ذکر و مراقبہ کا طریقہ بتلایا۔ ان کے لطیفہ قلب کی نشاندہی کردی اور انہیں کہا کہ وہ سیدھے واپس اپنے گھروں کو جائیں۔ انہوں نے اسی وقت اپنی گاڑیوں کی طرف رخ کیا اور وہاں سے اپنے گھروں کی طرف روانہ ہوئے۔ مولانا عبداللہ کہنے لگے حضرت یہ تو آپ کی کرامت ہے کہ اتنے لوگوں نے بیک وقت شراب سے توبہ کی اور عیاشی کی رقم ادا کرنے کے باوجود کافر ادا

حسیناؤں کے ساتھ وقت گزارنے کے بجائے واپس چلے گئے۔ فقیر نے کہا

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے
مزہ تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

راستے کی چٹانیں:

یہ خبر جب سرکاری ریسٹ ہاؤس کے انچارج تک پہنچی تو وہ فقیر سے ملنے کے لئے حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ آپ میری طرف سے ضیافت قبول فرمائیں۔ فقیر کی طبیعت شروع میں آمادہ نہ تھی لیکن جب اس نے کہا کہ حضرت ہماری زندگی یہاں گزر گئی ہر روز ہر وقت ہم نے لوگوں کو یہاں پر گناہ کرتے دیکھا تو سوچتے تھے کہ یہ زمین کا ٹکڑا سیاہ کیوں نہیں ہو جاتا؟ الحمد للہ آج آپ تشریف لائے تو آپ نے ذکر و مراقبہ کیا، مزید بر آں پندرہ نوجوانوں نے شراب پینے اور زنا کرنے سے توبہ کی تو یہ واقعہ ہمارے لئے برہان ہے۔ ہم آپ کے راستے میں لیٹ جائیں گے، آپ چاہیں تو ہمارے سینے پر پاؤں رکھ کر گزر جائیں اور چاہیں تو ہماری دعوت قبول کر کے ہمارے دلوں کو خوش فرمائیں۔ فقیر نے کہا کہ آپ کو بات کرنے کا خوب ڈھنگ آتا ہے۔ اس نے کہا جی ہاں، جیسے آپ کو دل موہ لینے کا ڈھنگ آتا ہے۔ حاضرین محفل کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ جب ریسٹ ہاؤس پہنچے تو ایسے شان و شوکت سے کھانا سجایا گیا تھا کہ جیسے کسی مملکت کا بادشاہ دورے پر آیا ہو۔ کھانے میں بھنا ہوا گوشت، شوربا، پلاؤ، ابلا ہوا گوشت، میوے، پھل غرض ہر چیز موجود تھی۔ مولانا عبداللہ اور ابو عثمان کھانا کھانے کے دوران سبحان اللہ، سبحان اللہ کہہ رہے تھے۔ فقیر نے کہا کہ اگر گھر کا پکا ہوا کھانا لاتے تو وہی کچھ ملتا۔ جب اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا تو دیکھو کیا کیا نعمتیں کھائیں۔ کھانے سے فراغت پر واپسی کا سفر شروع کیا۔ مقامی لوگوں نے اپنے ایڈریس دیئے اور فقیر کا

ایڈریس نوٹ کیا اور کہا کہ آپ آئندہ جب بھی آئیں گے یہاں ضرور تشریف لائیں گے۔ جب ہم نے ایک تہائی سفر طے کر لیا تو دیکھا کہ سڑک پر ٹریفک رکی ہوئی ہے۔ مولانا عبداللہ نے باہر نکل کر معلوم کیا تو پتہ چلا کہ ایک اونچی پہاڑی کا کچھ حصہ سڑک پر گر گیا ہے۔ یہ سڑک پہاڑ کو کاٹ کاٹ کر بنائی گئی تھی۔ اس کے ایک طرف ستر فٹ نیچے دریا بہتا تھا، دوسری طرف پہاڑی چٹانیں تھیں۔ مولانا عبداللہ کئی کئی ٹن وزنی چٹانوں کو دیکھ کر بہت گھبرا گئے۔ انہوں نے آکر بتایا کہ راستہ بالکل بند ہے کھلنے کے آثار بھی نظر نہیں آتے۔ یہ سن کر ہم لوگ بھی باہر آگئے۔ ریت کے ٹیلوں کی مانند اونچی اونچی بڑی بڑی چٹانوں نے سڑک کو مکمل طور پر بند کر دیا تھا۔ حتی کہ پیدل چلنے والوں کے لئے بھی گزرنے کا راستہ نہیں تھا۔ تقریباً پندرہ منٹ اسی شش و پنج میں گزر گئے۔ اتنے میں ایک پولیس والا ملا۔ فقیر نے اس سے پوچھا کہ یہ راستہ کب کھلے گا؟ اس نے کہا کہ ہم نے کرینیں اور بلڈوزر منگوائے ہیں مگر میرا اندازہ ہے کہ ہمیں راستہ صاف کرنے میں ایک ہفتے کا وقت لگے گا۔ یہ سن کر مولانا عبداللہ بہت پریشان ہوئے اور کہنے لگے کہ گاڑی کے ڈرائیور نے لازمی گھر جانا ہے، یہ ایک ہفتہ یہاں رک نہیں سکتا۔ فقیر نے پوچھا کہ کوئی دوسرا راستہ یہاں سے انگرین کی طرف جاتا ہے تو ڈرائیور نے کہا ہاں، اگر پیچھے جائیں تو ایک راستہ جاتا ہے مگر وہ 100 کلو میٹر کی بجائے اڑھائی سو کلو میٹر بنتا ہے۔ فقیر نے احباب سے کہا کہ اس ڈرائیور کو سامان سمیت اس راستے سے بھیج دیں۔ اور ہمارا اللہ مالک ہے وہ ضرور کوئی نہ کوئی سبیل پیدا فرمائے گا۔ مولانا عبداللہ تھوڑی دیر سوچتے رہے، بالآخر ڈرائیور سے کہنے لگے کہ جو کچھ حضرت فرماتے ہیں وہی کرو، اسی میں خیر ہوگی۔ جب ڈرائیور چلا گیا تو ہم کھڑے قدرت کا تماشا دیکھتے رہے کہ پہاڑی چٹانیں یوں پڑی تھیں جیسے شیشے کے ٹکڑے پڑے ہوتے ہیں۔ تقریباً 50 میٹر تک سڑک چٹانوں سے پر تھی۔ فقیر نے مولانا

عبد اللہ سے کہا کہ چلیں ہم ان چٹانوں سے گزر کر آگے نکلتے ہیں۔ مولانا نے پوچھا وہ کیسے؟ فقیر نے کہا کہ جن کے عزم بلند ہوں اور حوصلے بڑے ہوں چٹانیں ان کا راستہ نہیں روکا کرتیں وہ تو چٹانوں پر پاؤں رکھ کر گزر جاتے ہیں۔ یہ کہہ کر فقیر نے چٹانوں پر چڑھنا شروع کر دیا۔ مولانا عبد اللہ اور ابو عثمان بھی پیچھے پیچھے تھے۔ مولانا عبد اللہ اپنی داہنی طرف کے پہاڑ کو دیکھے جا رہے تھے۔ یوں لگتا تھا کہ وہ گھبرا رہے ہیں کہ کوئی اور چٹان ہمارے اوپر نہ آگرے۔ خیر جب چٹانوں سے گزر کر آگے پہنچے تو دیکھا کہ وہاں پر بھی ٹریفک رکی ہوئی ہے، لوگ پریشان کھڑے تھے۔ ہم نے جب آخری چٹان سے نیچے سڑک پر چھلانگ لگائی تو ایک آدمی بھاگا بھاگا فقیر کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ شیخ آپ نے کہاں جانا ہے؟ فقیر نے کہا انگرین۔ اس نے کہا کہ ہمارے پاس گاڑی میں جگہ ہے۔ ہم پکنک منانے کے لئے گھر سے چلے تھے۔ اب راستہ بند ہونے کی وجہ سے رکے کھڑے ہیں۔ آپ کو دیکھ کر ہماری مستورات نے تجویز پیش کی ہے کہ اگر یہ مہمان ہماری دعوت قبول کر لیں تو ہم یہیں سے نیچے اتر کر دریا کے کنارے کھانا کھا لیتے ہیں، پھر ان کو واپس بھی چھوڑ دیں گے۔ فقیر نے کہا بہت اچھا۔ اس نوجوان نے یوں اچھل کر خوشی کا اظہار کیا جیسے اسے مقصود حاصل ہو گیا۔ عورتوں نے خوشی خوشی سارا سامان نکالا، بچوں نے چھلانگیں لگائیں، ہم فقراً بھی ستر فٹ نیچے دریا کے کنارے پہنچ گئے۔ عورتوں نے کھانا گرم کرنے کے لئے لکڑیاں اکٹھی کیں۔ مردوں نے دستر خوان لگایا اور ہم نے ایک بڑی چٹان کی اوٹ میں ذکر کی محفل جمائی۔ پانی کی روانی اور پرندوں کی حق ہو کی آوازوں نے عجیب سرور پیدا کیا ہوا تھا۔ نماز مغرب پڑھنے کے بعد کھانا کھایا گیا۔ اتنا لذیذ کھانا فقیر نے زندگی میں بہت کم کھایا ہے۔ شاید کھلانے والوں کے خلوص نے اس میں لذت بھر دی تھی۔ کھانے سے فراغت پر مستورات نے وعظ و نصیحت کا مطالبہ کیا۔ الحمد للہ تھوڑی دیر نصیحت کے بعد سب

عورتیں بیعت ہوئیں۔ مردوں نے بھی بیعت کا تعلق استوار کیا۔

واپسی پر بچے اور عورتیں ایک گاڑی میں بھر گئے اور دوسری گاڑی میں ہم سب مرد بیٹھ گئے۔ یوں ایک گھنٹے میں ہم میزبان کے گھر اترے۔ میزبان کے والد اپنے علاقے کے بڑے عالم تھے۔ انہوں نے فقیر کو دیکھا تو لپٹ گئے اور بڑی دیر تک سینے سے لگائے رکھا۔ بالآخر چائے پلا کر انہوں نے فقیر کو ایک قیمتی جبہ بھی ہدیہ کے طور پر پیش کیا۔ جب ہم گھر پہنچے تو اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا، جس نے سفر کو ہمارے لئے آسان کر دیا۔ جاتے ہوئے دعا بھی یہی کی تھی **اللھم ھون علینا سفرنا ھذا** (اے اللہ ہمارے لئے اس سفر کو آسان فرمادے)۔

رات کے بارہ بج چکے تھے، جسم تھک کر چور ہو چکا تھا، نرم گرم بستر پر بیٹھتے ہی نیند آگئی۔ صبح جاگے تو فجر کی نماز ادا کی۔ کھڑکی کھول کر دیکھا تو سامنے برف پوش پہاڑ کی سفید چوٹیاں مسکرا کر دیکھ رہی تھیں اور سعی جبلان کی یاد دلا رہی تھیں۔

سمرقند کا تاریخی شہر :

یہ شہر شاہراہ ریشم پر قائم ہے، لیکن جب نئے سمندری راستوں کی وجہ سے اس شاہراہ کی افادیت ختم ہو گئی تو سمرقند بھی فراموش راستوں میں گم ہو کر رہ گیا۔ تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ 1850ء تک چار صدیوں میں صرف دو یورپی سمرقند پہنچنے میں کامیاب ہوئے تھے۔

سمرقند کے ایک طرف زرافشاں دریا ہے اور تین اطراف میں تیئن شین پہاڑوں کا سلسلہ ہے۔ پہاڑ کے درے میں سے گزر کر اس شہر میں داخل ہونے کا اپنا مزہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سمرقند اڑھائی ہزار سال سے بھی پرانا شہر ہے۔ یہ شہر اپنی تہذیب، ثقافت اور جدت کی وجہ سے ایک وقت میں مشرق کا روم کہلاتا تھا۔

شروع میں اس کا نام "مارا کنڈ" تھا۔ 322 قبل مسیح میں سکندر اعظم نے اس کو فتح کیا۔ 712 عیسوی میں یہاں عرب فاتح آئے لیکن 1221ء میں چنگیز خان نے اس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔

1414 صدی عیسوی میں اس شہر کی قسمت دوبارہ جاگی جب امیر تیمور نے اسے اپنی سلطنت کا دارالخلافہ بنایا۔ اس میں اتنی خوبصورت عمارات بنائیں اسے وہ حسن و جمال اور شان و شوکت بخشی جس کے آثار صدیاں گزر جانے کے باوجود آج بھی موجود ہیں۔

19 مئی 1992 کو مولانا عبداللہ اور دادا خان نوری کے ہمراہ سمرقند روانگی ہوئی راستے میں ایک جگہ کھانا کھایا اور ظہر کے وقت جامع مسجد ذوالمراد میں پہنچے۔ نماز کے بعد یہاں کے امام خطیب مفتی غلام مصطفیٰ گل سے ملاقات ہوئی۔ مولانا عبداللہ نے فقیر کا تعارف بھی کروایا اور نمگان عند جان وغیرہ کے حالات بھی سنائے جس سے مفتی صاحب کے دل میں فقیر کے بارے میں محبت و عقیدت میں اضافہ ہوا۔ مفتی صاحب نے فرمایا کہ آپ یہاں کتنے دن قیام فرمائیں گے۔ ہم نے کہا کہ تین چار دن۔ فرمانے لگے کہ بہت اچھا، آپ میرے مہمان ہیں، روزانہ آپ کے ساتھ محفل رہے گی۔ فقیر نے پوچھا کہ ہمیں آپ یہاں پر روسی انقلاب کے آنے کے متعلق بھی بتائیں اور پھر دوران انقلاب مسلمانوں پر کیا بیتی اس کی تفصیل بھی بتائیں۔ مفتی صاحب نے چائے کا کپ نوش فرماتے ہوئے کہا کہ شیخ اس کی تفصیل تو ایک نشست میں پوری نہیں ہو سکتی۔ فقیر نے کہا کہ شروع تو کر دیں پھر جب بھی مکمل ہوئی اللہ تعالیٰ کو جیسے منظور۔ مفتی صاحب نے کہا

کہاں سے ابتدا کیجئے بڑی مشکل ہے درویشو
کہانی عمر بھر کی اور جلسہ رات بھر کا ہے

سرخ آندھی کیسے آئی :

مفتی صاحب نے بتایا کہ

"سمرقند و بخارا شروع ہی سے علمی مراکز رہے ہیں۔ یہاں پر ہر طرف دینی ماحول تھا، لوگ علماء کی قدر کرتے تھے۔ روس کے یہودیوں نے چاہا کہ اسلام کے ان مراکز کو تباہ کیا جائے تو اس کے لئے انہوں نے بڑی گہری سازش تیار کی۔ اپنے چند خاندانوں کو تجارت کے بہانے بخارا منتقل کیا۔ یہ لوگ محنت کر کے اپنی تجارت کو چمکانے میں خوب کامیاب ہوئے۔ انہوں نے اپنے بچوں کو بخارا کے بڑے مدرسے میں داخل کروایا۔ بچے چونکہ بہت ذہین تھے اور خاندان میں سے چن کر انہیں اس کام کے لئے مختص کیا گیا تھا تو وہ اپنی پڑھائی میں بہت تیز تھے۔ اپنے ہم جماعت لڑکوں کو پیچھے چھوڑنے والے تھے۔ اساتذہ بھی ان کی عقلمندی کے مداح تھے۔ لہٰذا وہ ہمیشہ امتحانات میں پہلی پوزیشن حاصل کرتے اور انہیں ہمیشہ دوسروں پر سبقت حاصل ہوتی۔ مدرسہ میں یہ بچے دین کا علم حاصل کرتے اور جب گھر آتے تو ماں باپ ان کے ذہن سے ہر چیز صاف کر دیتے اور بتاتے کہ ہم تو یہودی ہیں مگر تمہیں ایک خاص مقصد کے لئے دین اسلام کا علم سکھا رہے ہیں۔ یہ بچے دین کا علم تو حاصل کرتے رہے مگر اس کے نور سے محروم رہے۔ چونکہ ان کے دلوں میں شک بھر دیا گیا تھا۔ جب کئی سالوں کے بعد تعلیم مکمل ہوئی تو ان بچوں کی ذہانت کی وجہ سے انہیں مدرسے کا استاد بنا دیا گیا۔ یہ طلبا میں بہت مقبول ہوئے اور اپنی عقلمندی کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں اپنی جگہ بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ خاموش سازش پروان چڑھتی رہی حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آیا کہ یہ بخارا کے مفتی بن گئے۔ یہاں پر مفتی کی بات پر سب لوگ عمل کرتے تھے۔ انہوں نے کچھ عرصہ تو اتنا اچھا کام کیا کہ لوگ عقیدت مند بن

گئے۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ انہوں نے ایسے فتوے دینے شروع کر دیئے جو آپس میں علمی اختلاف کا سبب بنے۔ شروع شروع میں تو علماء نے چشم پوشی کی لیکن جب دیکھا کہ پانی سر سے گزر رہا ہے تو انہوں نے ان کے خلاف علمی جنگ شروع کر دی۔ علماء کی جماعت جو سینکڑوں سال سے متحد تھی اب اس میں دو دھڑے بن گئے۔ ہر وقت مناظرہ اور بحث و مباحثہ کی کیفیت رہتی۔ عوام الناس اس سے بڑے تنگ ہوتے حتیٰ کہ ان کے دلوں سے علماء کا احترام جاتا رہا۔ انہوں نے علماء سے ہٹ کٹ کر اپنی زندگی گزارنی شروع کر دی۔ معاشرے میں اتحاد و یگانگت کی وجہ سے جو برکات تھیں وہ اٹھ گئیں۔ سازش کا پہلا مرحلہ مکمل ہو گیا۔

ایسے حالات میں زار روس نے مسلمان ممالک پر قبضہ جمانے کی پالیسی پر عملدرآمد شروع کیا یہ سازش کا دوسرا مرحلہ تھا۔ اس کا طریقہ کار یہ اپنایا گیا کہ تمام مسلمان ممالک سے دوستی کی گئی۔ چند سال بڑے اچھے تعلقات رکھنے کے بعد مسلمان ممالک کو تجویز پیش کی گئی کہ ہم آپ کے ملک میں سائنسی ترقی لانا چاہتے ہیں، آپ کے ملک میں ریلوے لائنیں بچھائیں گے، صنعتیں لگائیں گے، مال و دولت کی فراوانی ہو گی۔ مسلمان ممالک کے حکام کو یہ پیشکش بہت اچھی لگی۔ مسلمان علماء نے منع بھی کیا مگر کسی نے ایک نہ سنی۔ علماء کا احترام پہلے ہی دلوں سے نکل چکا تھا۔ نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے۔ جب زار روس نے دیکھا کہ تمام مسلمان ممالک کے اندر کے حالات مجھے اچھی طرح معلوم ہو گئے ہیں تو اس نے ہر ہر ملک کو یہ کہنا شروع کیا کہ دیکھو تمہارا ملک تو سونے کی چڑیا ہے معدنیات ہیں، تیل ہے، سونا موجود ہے۔ اگر آپ دوسرے ممالک سے جدا ہو جائیں تو آپ کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہو جائے گی۔ اگر اسی حالت میں یہ وسائل ظاہر کر دیئے گئے تو دوسرے ممالک بھی آپ سے حصہ مانگیں گے۔

یہ سازش اتنی کامیاب ہوئی کہ مسلمان ممالک خود ہی ایک دوسرے سے جدا ہونے لگے۔ جب اختلاف بڑھتے گئے اور چند سال میں سب ممالک ایک دوسرے سے جدا ہو گئے تو زار روس نے ان میں سے سب سے کمزور کے ساتھ جان بوجھ کر ایک جھگڑا کھڑا کر لیا۔ دوسرے ممالک کو یہ یقین دہانی کروائی کہ تمہارا اور ہمارا تعلق تو نہ ٹوٹنے والا ہے مگر فلاں ملک کو ذرا اہم مزہ چکھانا چاہتے ہیں۔ لہٰذا ایک ملک پر قبضہ کر لیا، دوسروں سے دوستی کی پینگیں بڑھتی رہیں۔ مسلمان ممالک کے حکمران اس دھوکے کو نہ سمجھ سکے اور وقت کے ساتھ ساتھ ایک ایک ملک پر قبضہ کرتے کرتے وہ وقت بھی آیا جب اس نے تمام ممالک کو اپنی تحویل میں لے لیا"۔

یہ واقعات سنا کر مفتی صاحب ایک فوٹو نکال کر لائے جس میں بخارا کے مدرسے کے تمام طلباء و علماء کا فوٹو تھا۔ چھوٹے بچے سے لے کر مہتمم صاحب سب کے سب مسنون لباس میں اور عمامہ باندھے کھڑے تھے۔ فقیر نے پوچھا یہ کیا؟ مفتی صاحب نے بتایا کہ جب کمیونسٹوں نے بخارا پر قبضہ کیا تو انہوں نے سب علماء طلباء کو ایک جگہ کھڑا کر کے ان کی تصویر بنائی تاکہ اس کا ریکارڈ رکھا جا سکے۔

علماء پر سختیوں کی انتہا :

مفتی صاحب نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے بتایا" تیسرا مرحلہ یہ تھا کہ انقلاب آنے کے بعد کمیونسٹوں نے سب سے پہلا نشانہ علماء کو بنایا۔ ان کو چن چن کر قتل کر دیا گیا، پھانسی پہ لٹکا دیا گیا۔ علماء کا اتنا قتل عام ہوا کہ ان کی لاشوں کا انبار لگا کر کرینوں کے ذریعے اس پر مٹی ڈال دی گئی۔ وہ اجتماعی قبریں آج بھی کئی جگہوں پر موجود ہیں۔ بعض علماء کو جہاز میں لے جا کر سائبیریا کے برفانی سمندر میں چھوڑ دیا گیا۔ ان میں سے اکثر سردی کی وجہ سے ٹھٹھر کر مر گئے۔ چند ایک جو بچ نکلنے میں کامیاب

ہوئے انہوں نے بتایا کہ وہ سردی سے بچنے کے لئے ہر وقت حرکت کرتے رہتے۔ جب بھوک ستاتی تو برف توڑ کر نیچے پانی میں ہاتھ ڈال کر مچھلی پکڑتے اور زندہ مچھلی کو کھا لیتے۔ دن رات کسی بھی وقت وہ سو نہیں سکتے تھے۔ ذرا نیند غالب آتی اور بدن پر سکون ہونے لگتا تو اعضاء سردی کی وجہ سے شل ہونے لگتے۔ چاروناچار پھر اپنے جسم کو حرکت دیتے رہتے۔ جدھر اندازہ ہوتا کہ ادھر جانا چاہئے اس طرف کو چلتے رہتے۔ یوں دن رات گزرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ بالآخر سائبیریا کی برف سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔

بعض اوقات علماء کو اکٹھا کر کے دو ٹرینوں میں بٹھایا اور دونوں کو مختلف اسٹیشنوں سے چلایا اور پھر ویرانے میں تیز رفتار ٹرینوں کو ٹکرا دیا۔ اکثر مر جاتے اور کچھ لوگ معذور ہو جاتے۔ پھر بہتان بھی علماء پر لگایا جاتا کہ انہوں نے تخریب کاری کی ہے، ان پر سختی اور زیادہ کی جاتی۔ غرض کیمونسٹوں نے علماء کا نام ونشان مٹانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

سمرقند کے قریب ایک عالم اب بھی زندہ ہیں جو روسیوں کے مظالم کی داستانیں سناتے ہیں تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ایک برتن میں ان کا ہاتھ منہ دھلایا جاتا پھر ان کے سامنے پانی پھینک دیا جاتا اور اسی برتن میں کھانا ڈال کر کھانے کے لئے دیا جاتا۔ تاکہ ان کی طبیعت میں کراہت ہو اور کھانا بھی نہ کھائیں۔ رہنے کے لئے چھوٹی سی جگہ دی جاتی تاکہ نہ بیٹھ سکیں نہ لیٹ سکیں، نہ پاؤں پھیلا سکیں، سخت سردی کے موسم میں ٹھنڈا پانی ان کے جسم پر ڈالا جاتا۔ کبھی ساری ساری رات ٹھنڈے پانی میں بٹھا دیا جاتا تاکہ سو نہ سکیں۔ ظالموں نے اس قدر ظلم کئے کہ علماء نے ان سے درخواست کی کہ ہمیں پھانسی دے دو۔ یہ بات سن کر ظالم مسکرائے اور ماسکو ...ں کو خوشخبری سنائی کہ ہم نے ان علماء کو اتنا تنگ کیا کہ موت انہیں اچھی لگنے

لگی ہے۔ آفرین ہے ان علماء کرام پر جنہوں نے یہ ساری سختیاں برداشت کیں مگر کفر کو قبول نہ کیا۔

چند عجیب باتیں بھی سنیں کہ سمرقند کے قریب ایک غار ملا ہے جس میں ایک نیک آدمی اس حالت میں شہید پایا گیا کہ وہ التحیات پڑھ رہا تھا۔ گولی اس کے سینے میں لگی اور پشت سے نکل گئی۔ اسی حال میں جان نکل گئی۔ اس کی ریش کے بال گر گئے مگر بقیہ جسم کئی سو سال کے بعد بھی سلامت ملا۔

ایک پہاڑ پر ایک غار میں کچھ پاکدامن وپاکباز عورتوں کے لاشے ملے۔ دروازے پر ایک صاحب پہرہ دینے کی حالت میں قتل کر دیئے گئے تھے۔ آج بھی کوئی آدمی اس غار میں جانے کے لئے اوپر چڑھے تو اسے چھوٹے چھوٹے پتھر اس طرح سے آلگتے ہیں، جیسے کسی نے نشانہ مارا ہو۔ جتنا اوپر چڑھتے جائیں پتھروں کی بارش تیز ہوتی جاتی ہے۔ اسی لئے اب کوئی آدمی اس پہاڑ پر چڑھنے کی کوشش ہی نہیں کرتا۔

سرخ انقلاب میں ہزاروں علماء کو صرف اس لئے شہید کیا گیا کہ یہ خدا کے ماننے والے ہیں۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

(خاک و خون میں تڑپنے کی کیسی اچھی رسم کی بنیاد ڈالی۔ ان عاشقان پاک فطرت پر اللہ تعالیٰ کی ہزاروں رحمتیں ہوں)

دین مٹاؤ تحریک :

علماء کے وجود کو اپنے زعم میں ختم کرنے کے بعد چوتھا مرحلہ یہ تھا کہ اسلام کو لوگوں کی زندگیوں سے ختم کر دیا جائے۔ اس کے لئے انہوں نے نہ صرف قرآن اور

اس کی تعلیم پر پابندی لگائی بلکہ قانون بنایا کہ عربی اردو رسم الخط میں لکھی ہوئی کوئی عبارت یا کتاب کا صفحہ کسی گھر سے نکل آیا تو اس گھر کے سب لوگوں کو پھانسی کی سزا دے دی جائے گی۔ لوگ اپنی جان کے خوف سے دینی تعلیم سے بالکل محروم ہو گئے۔ ازبک اور تاجک زبان کے حروف ابجد عربی سے ملتے تھے انہوں نے ان کو بھی بدل ڈالا اور روسی زبان کو مسلط کر دیا تاکہ ان کی آنے والی نسلیں دینی علم سے محروم ہو جائیں۔

عورتوں کو سر پر کپڑا لینے سے روکا جاتا۔ سکول کالج جانے والی بچیاں اگر سر پر کوئی کپڑا لیتیں تو پولیس والے ان کو بازار میں کھڑا کرتے اور سر سے کپڑا اتار لیتے پھر اگر ان کے بال لمبے دیکھتے تو قینچی سے بال کاٹ دیتے۔ لوگوں کو یہ تعلیم دی جاتی کہ مذہب افیون کے نشہ کی مانند ہے۔ خدا نے انسان کو پیدا نہیں کیا بلکہ انسان نے خدا کے تصور کو پیدا کیا ہے۔ ساتھ یہ بھی تعلیم دیتے کہ انسان کی کچھ ضروریات ہیں جن کو پورا کرنے میں اسے شرم محسوس نہیں کرنا چاہیے۔ مثلاً جہاں بھوک لگے وہاں کھانے میں کیا شرم، جہاں پیاس لگے وہاں پینے میں کیا شرم، جہاں نیند آئے وہاں سونے میں کیا شرم اور جہاں شہوت محسوس ہو وہاں کسی قریبی لڑکی سے جماع کرنے میں کیا شرم۔

موسیقی کو اس طرح عام کیا گیا کہ ہر گھر کے اندر ریڈیو کا ایک رسیور لگوانا اور اسے ہر وقت آن رکھنا ضروری تھا۔ حتیٰ کہ چند ایک مساجد میں جو دکھانے کے لئے باقی رکھی گئی تھیں ان کے محراب میں بھی یہ سپیکر لگوایا گیا۔ اس سپیکر میں ہر وقت دہریت کی تعلیم دی جاتی یا پھر موسیقی سنائی جاتی۔ ہر مرد و عورت کو نہ چاہتے ہوئے بھی موسیقی سننا پڑتی لہٰذا ان میں عیاشی کا رجحان بڑھتا۔

شراب کو اتنا عام کیا گیا کہ سیون اپ کی بوتل چار روبل کی اور شراب کی بوتل دو روبل کی ملتی۔ عام لوگ مجبوری کی وجہ سے سیون اپ کی بجائے شراب پیتے۔ شراب

اس لئے عام کی گئی تاکہ شرم وحیا معاشرے سے ختم ہو جائے، لوگوں کے ذہن سے دین کا نام و نشان ختم ہو جائے۔

سؤر کے گوشت کو عام کر دیا گیا تاکہ حرام گوشت کھانے سے بے حیائی پیدا ہو۔ چنانچہ بھنا ہوا گوشت اتنا سستا کہ لوگ کباب (شش لک) کھانے کے عادی بن گئے۔ عام آدمی جو پکا ہوا سالن نہیں خرید سکتا تھا وہ یخنی کباب وغیرہ لے کر روٹی سے کھالیتا اور یوں اس کے جسم میں حرام سرایت کرتا۔

نام و نشان نہ رہے:

جب کیمونسٹوں نے لوگوں کی زندگیوں سے دین کو مٹادیا تو انہیں خطرہ تھا کہ کچھ لوگ چوری چھپے دین پر عمل نہ کرتے ہوں۔ اس کے لئے انہوں نے انقلاب کے تیس سال بعد ایک مرتبہ اعلان کیا کہ ہم عبادت کرنے والوں پر نرمی کرتے ہیں ہر بندہ اپنی مرضی کے مطابق عبادت کرے۔ مسلمان اس اعلان پر بہت خوش ہوئے۔ آہستہ آہستہ لوگوں نے گھروں میں نماز پڑھنی شروع کر دی۔

خفیہ ایجنسیاں ان کی رپورٹ بناتی رہیں۔ تین سال تک فہرستیں بنتی رہیں۔ پھر اچانک ایک دن ان تمام لوگوں کو گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا جو دین کا نام لیتے تھے۔ اس آپریشن کے بعد کیمونسٹ لوگ بہت خوش ہوئے کہ اب ہم نے دین کا نام و نشان بھی مٹادیا ہے۔

پتہ ہی کاٹ دیا:

کیمونسٹ حکمرانوں نے اپنے نظام کو ٹھونسنے کے لئے عوام الناس کا بیرونی دنیا سے رابطہ بالکل کاٹ دیا۔ اول تو باہر کا سفر کرنے کے لئے پاسپورٹ ہی نہیں ملتا تھا، اگر کوئی لے لیتا تو اس کے پیچھے خفیہ ایجنسیاں لگ جاتیں۔ ہر آدمی پر خوف مسلط رہتا،

میاں بیوی ایک دوسرے کی مخبری کرتے، حتیٰ کہ سگے بھائی بہنوں کو ایک دوسرے پر اعتماد نہ رہا۔ یوں ایک گھر میں رہنے والوں کا بھی ایک دوسرے سے پتہ کاٹ دیا گیا۔

ان تمام اذیتناک باتوں کو سننے کے بعد فقیر نے مفتی صاحب سے سوال کیا کہ آپ یہ بتائیں کہ پھر ستر سال کے بعد بھی دین کے آثار کیسے بچے؟ مفتی صاحب نے ٹھنڈی سانس لے کر بتایا۔

دیوانوں کی روئیداد :

کیمونسٹ لوگوں کی حکومت عوام کے جسموں پر تھی، عوام کے دلوں پر نہیں تھی۔ جو لوگ دل میں ایمان کا نور رکھتے تھے انہوں نے اپنے ایمان کو مخفی رکھا اور **قلبہ مطمئن با لایمان** (اس کا دل ایمان پر مطمئن رہا) والا درجہ پایا۔ روسیوں نے ان کا سراغ لگانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی بعض پکڑے گئے اور بعض تک ان کی رسائی نہ ہو سکی، مثلاً میرے والد صاحب بہت بڑے عالم تھے، انقلاب آتے ہی انہوں نے اپنی وضع قطع ایسی بنالی جیسے انہیں الف، بے بھی نہیں آتی۔ وہ سارا دن ٹریکٹر پر سوار ہو کر سرکاری زمین میں ہل چلاتے رہتے، 16 سے اٹھارہ گھنٹے تک کام کرتے، حتیٰ کہ سب لوگ انہیں ٹریکٹر کا عاشق سمجھتے اور ان پڑھ دیہاتی سمجھتے۔ مگر ان کا حال یہ تھا کہ رات بارہ بجے جب کھیت سے فارغ ہو کر گھر آتے تو مجھے اس وقت بخاری شریف کا درس دیا کرتے تھے۔

میں چھوٹا بچہ تھا اس وقت میرے والد صاحب گھر میں میری والدہ سے فرماتے کہ چائے بناؤ پھر مجھے دستر خوان پر بٹھاتے اور اتنی دیر میں کمرے میں چھپ کر نماز پڑھ لیتے۔ کبھی کبھی باہر پولیس والے آتے اور مجھے مٹھائی دیتے اور پوچھتے کہ تیرا باپ گھر میں نماز پڑھتا ہے؟ میں کہتا کہ نہیں۔ اس لئے کہ میں تو چائے کے دستر خوان سے

اٹھ کر جاتا تھا۔ بعض بچوں سے پولیس والے پوچھتے کہ بتاؤ تمہارے والدین نے تمہیں کوئی عربی کا فقرہ یاد کروایا ہے یا نہیں؟ اگر وہ ہاں کر دیتا تو اس کے باپ کو پھانسی دے دیتے۔ اگر کسی بچے کو بسم اللہ کا لفظ یاد ہوتا تو اس کے والد کو جیل بھیج دیا جاتا۔ جو بچے اسکول جاتے ان کے استادوں کی ذمہ داری ہوتی کہ اگر کسی بچے کو عربی الفاظ آتے ہوں تو KGB کو رپورٹ کریں۔

علماء اس قدر زیر زمین رہ کر کام کرتے کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ مختلف مکانات میں اور حجروں میں خفیہ تعلیم دینے کا سلسلہ چلتا رہتا۔

ہم بعض اوقات ایک بڑا ہال بناتے اور اس میں ضروریات کی ہر چیز مہیا کرتے۔ پھر اس کے گرد دوسرے کمرے بناتے اور اس ہال کمرے کو اتنا ساؤنڈ پروف بناتے کہ آواز باہر نہ جا سکتی۔ ایک کمرے سے اس ہال کمرے کا دروازہ ہوتا۔ استاد اپنے بچوں کو لے کر ہال میں داخل ہو جاتا تو ہم اس کے دروازے کو لکڑی اور کیلوں کے ذریعے پکا بند کر دیتے آگے الماریاں رکھ دیتے۔ پھر اس کمرے میں شراب کی بوتلیں اور چند ننگی تصویریں رکھ دیتے۔ پولیس والے جب گھر کی تلاشی لیتے تو شراب والے کمرے کو دیکھ کر سمجھتے کہ یہ کیمونسٹ لوگ ہیں ان کا دین سے کیا واسطہ۔ وہ خوش ہو کر چلے جاتے۔ انہیں کیا پتہ کہ جہاں وہ کھڑے ہوتے تھے وہاں سے چند میٹر پرے بچے اپنی معصوم زبانوں سے اللہ کا قرآن پڑھ رہے ہوتے تھے۔ ہم استاد اور بچوں کو بعض اوقات چھ مہینوں کے بعد باہر نکالتے۔ بعض بچے اندر جاتے وقت قرآن کا لفظ نہیں جانتے تھے لیکن جب باہر نکلتے تو قرآن پڑھنا سیکھ چکے ہوتے تھے۔ مسلمان عورتوں کی بڑی قربانی ہوتی کہ وہ اپنے بیٹے کو جب ہال میں بھیج دیتیں تو خود گھر کے صحن میں ہوتیں۔ مگر 6 مہینہ تک اپنے بچے کی شکل نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ ہمارے لوگ فرزانے ہوتے تو دین سے خالی ہو جاتے مگر یہ لوگ تو دیوانے تھے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کا دین

سلامت رکھا۔

لوٹ آئے جتنے فرزانے گئے
تابہ منزل صرف دیوانے گئے

مفتی صاحب کی طویل گفتگو سن کر اتنا مزہ آرہا تھا کہ جی چاہتا تھا کہ وہ اور بھی باتیں بتائیں مگر وہ بول بول کر تھک چکے تھے۔ فرمانے لگے کہ باقی تفصیلات آئندہ ملاقات پر مؤخر کرتا ہوں۔

صنف نازک کی استقامت :

اگلے دن فقیر نے ظہر کی نماز مسجد میں ادا کی تو کچھ نوجوان ملنے کے لئے آئے اور اصرار کرنے لگے کہ آپ ہمارے گھر چلیں۔ فقیر نے ابتدا میں معذرت کی لیکن جب انہوں نے مجبور کیا تو پھر مفتی صاحب سے حقیقت حال عرض کردی۔ مفتی صاحب نے فرمایا کہ حضرت، ان نوجوانوں کو انکار نہ کریں ان کی والدہ کی بہت قربانیاں ہیں۔ وہ بیمار ہے آپ سے ملنا چاہتی ہے میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ چنانچہ فقیر مفتی صاحب کے ہمراہ گاڑی میں بیٹھ گیا تو مفتی صاحب نے فرمایا، حضرت! جب سرخ انقلاب آیا اس وقت ان کی والدہ بیس سال کی نوجوان لڑکی تھی۔ وہ دوسری لڑکیوں کو بلاخوف و خطر کلمے کی تلقین کرتی، انہیں اسلام کی دعوت دیتی۔ ہم اسے منع کرتے کہ تمہاری جان کا خطرہ ہے مگر وہ کہتی کہ موت تو جس گھڑی آنی ہے وہ آکر رہے گی، میں تو دین کی تبلیغ سے باز نہیں آؤں گی۔ ستر سال اس کا یہی معمول رہا۔ اب اس وقت اس کی عمر نوے سال ہے وہ بیمار ہو کر چارپائی سے لگ گئی ہے۔ جب اس نے سنا کہ پاکستان سے ایک شیخ آئے ہیں تو اس کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ میں بھی ان کی زیارت کروں۔ جب ہم ان کے گھر داخل ہوئے تو صحن بہت کشادہ تھا۔ دور سے دیکھا تو

چارپائی پر ایک بوڑھی عورت تکیے کی ٹیک لگا کر بیٹھی ہے۔ فقیر اس چارپائی سے کوئی تین چار میٹر کے فاصلے پر کھڑا ہو گیا، سلام کیا اور اس خاتون کی خدمت میں گزارش کی کہ ہمارے حق میں دعا فرمایئے۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔

''خدایا ایمان سلامت رکھنا''

فقیر کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔

سبحان اللہ، جو عورت 20 سال کی عمر سے کلمے کی اشاعت کی خاطر قربانی دیتی رہی حتیٰ کہ اس کی عمر 90 سال ہو گئی اس وقت بھی وہ دعا مانگتے ہوئے کہنے لگی کہ خدایا ایمان سلامت رکھنا، تو اس سے معلوم ہوا کہ اس کے دل میں ایمان کی کتنی عظمت موجود ہے۔

شکستہ دل سے جو آہ نکلے تو فرش کیا عرش کانپ اٹھے گا
در قفس جو کہ دانہ ہو گا تو ایک دن ٹوٹ کر رہے گا
کسی کے روکے سے حق کا پیغام کب رکا ہے جو اب رکے گا
چراغ ایماں تو آندھیوں میں جلا گیا ہے جلا کرے گا

ریگستان کے مدارس:۔

سمرقند کے عین وسط میں ایک تاریخی جگہ ''ریگستان چوک'' کے نام سے معروف ہے۔ اس میں مدارس کی تین عالیشان، بلند و بالا اور حسین و جمیل عمارتیں ہیں جنہیں دیکھ کر انسان پر رعب طاری ہو جاتا ہے۔

یہ مرکزی چوک تیمور کے دور میں وسط ایشیا کا سب سے بڑا بازار تھا۔ جہاں تجارتی قافلے آتے تھے۔ اس کے چاروں طرف کاریگروں اور ہنرمندوں کی دکانیں تھیں۔ 15ویں صدی میں امیر تیمور کے بیٹے مرزا الغ بیگ نے اس میں سب سے پہلا

مدرسہ قائم کیا۔ وہ اس مدرسے میں خود استاد کے طور پر کام کرتا تھا اور اپنے زمانے کا مانا ہوا ریاضی دان، فلسفی اور ماہر علم نجوم تھا۔ اس سے ایک صدی بعد سمرقند کے حاکم بالانگ دوش بہادر نے اس کے بالمقابل اسی طرح کا ایک اور مدرسہ تعمیر کرایا۔ طلباء کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر یہ ایک اچھا قدم تھا مگر ایک بات سمجھ سے باہر ہے کہ اس اونچے منقش دروازوں، محرابوں اور ستونوں والے مدرسہ کے دروازے پر شیر بنے ہوئے ہیں، جو ہرنوں کا تعاقب کر رہے ہیں۔ اس لئے اس کا نام "شیر در مدرسہ" پڑ گیا۔ مذہبی ادارے کے دروازے پر یہ نقش و نگار سمجھ سے بالا ہیں۔

ریگستان چوک کے تیسری طرف "طلاکاری مدرسہ" ہے یہ 17 ویں صدی میں تعمیر ہوا تھا۔ اس مدرسہ کے درمیان میں نیلے گنبد والی ایک خوبصورت مسجد ہے جس کے محراب میں 200 کلو سونے سے پچ کاری کی گئی تھی۔ اسی وجہ سے اس کا نام طلہ کاری مدرسہ پڑ گیا۔ اس مسجد کے مینار کی بناوٹ ایسی تھی کہ وہ الگ الگ جھکے ہوئے نظر آتے تھے اور صدیوں سے اسی طرح کھڑے تھے۔ 1932 میں انہیں سیدھا کر دیا گیا۔ روسی اور ازبک ماہرین کو اس کارنامے پر بڑا فخر ہے۔

مفتی اعظم سمرقند غلام مصطفیٰ گل کے ہمراہ ہم لوگ ان مدارس کو دیکھنے کے لئے گئے۔ دیکھتے ہی سلف صالحین کے دور کا ایک خیالی نقشہ ذہن میں گھوم گیا۔ انہی مدارس میں کسی دور میں حضرت دارمیؒ اور صاحب ہدایہؒ جیسے جبال علم، تشنگان علم کی پیاس بجھایا کرتے تھے، ان جگہوں کو سنسان دیکھ کر بڑا دکھ ہوا۔ روسی گورنمنٹ نے ان مدارس کو نائٹ کلب کے طور پر استعمال کیا۔ جن عمارتوں میں قرآن و حدیث کی صدائیں بلند ہوتی تھیں وہاں گانے جانے کی سر تال پر لوگ ناچتے تھے۔

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

آج کل ان تینوں مدارس کے درمیان کی جگہ کو مخصوص سرکاری عوامی

تقریبات منانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ طلا کاری مدرسہ کو حکومت نے عجائب گھر میں تبدیل کر دیا ہے۔ اس کی مسجد میں فقط محراب و منبر کے قریب کی جگہ کو چھوڑ کر باقی تمام جگہ کو فن پاروں کی نمائش کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ فقیر نے منبر و محراب کی خوبصورتی کو دیکھا تو بہت خوش ہوا چنانچہ منبر پر بیٹھ کر حصول برکت کے لئے چند نصیحتیں کیں جو حاضرین نے بہت توجہ سے سنیں۔

مسجد ذوالمراد کے متولی فیض اللہ صاحب اور مولانا عبداللہ نے کہا کہ حضرت! پچھلی نصف صدی میں یہاں پر ایسا خطبہ کسی نے نہیں دیا ہوگا۔ اس کے بعد ہم نے کپڑا بچھا کر دو رکعت نماز ادا کی اور ان مدارس کی بحالی کے لئے خوب دعائیں کیں۔ ان عمارات کی بلندی کو دیکھ کر فقیر یہی سوچتا رہا کہ ہمارے اکابر کی شخصیات کتنی بلند و بالا تھیں۔

کھنڈر بتا رہے ہیں عمارت عظیم تھی

مفتی اعظم سمرقند کی بیعت :

واپسی پر مسجد ذوالمراد میں رات کا قیام کیا۔ مفتی صاحب نے فرمایا کہ حضرت! گزشتہ رات میں بولتا رہا آج آپ کی باری ہے آپ کچھ نصیحتیں فرمائیے۔ فقیر نے سوچا کہ موچی تو جہاں جائے اس نے جوتے گانٹھنے ہوتے ہیں۔ لہٰذا مجھے اب یہاں پر اپنے سلسلے کا تعارف کروانا چاہیئے۔ فقیر اپنی ٹوٹی پھوٹی عربی زبان میں سلسلہ عالیہ کی باتیں کرتا رہا، باطنی توجہات والا گر بھی استعمال کرتا رہا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ محفل کے اختتام پر مفتی صاحب نے کہا حضرت! مجھے بھی اپنے مریدوں میں شامل فرمالیں۔ میرے دل میں آپ سے ایسی محبت پیدا ہو چکی ہے جو بیان سے باہر ہے۔ فقیر نے انہیں بیعت کے کلمات پڑھا کر لطیفہ قلب کی نشاندہی کی۔

بڑی مشکل کے بعد آخر وہ شاہیں زیر دام آیا

اس کے بعد مفتی صاحب نے اپنے اہل خانہ اور بچوں کو بھی بیعت کروایا۔ بیعت کے بعد مفتی صاحب فرمانے لگے کہ میں دنیادار علماء اور بدعتی پیروں کا بہت مخالف ہوں۔ اس لئے میں نے دو دن آپ کی نشست و برخاست کو دیکھا، حتیٰ کہ میرے دل نے تصدیق کر دی کہ مجھے باطنی فائدہ یہیں سے ہو گا۔

مولانا عبداللہ صاحب مفتی صاحب کی بیعت سے بڑے خوش ہوئے۔ فرمارہے تھے کہ مفتی صاحب سمرقند صوبہ کی ڈیڑھ سو جامع مساجد کے ائمہ کے نگران ہیں۔ جمعہ کی نماز میں ان کے پیچھے پانچ چھ ہزار لوگ جمعہ پڑھتے ہیں۔ عید کے دن تقریباً ایک لاکھ آدمی ریگستان کے مدارس کے سامنے ان کی امامت میں نماز ادا کرتے ہیں۔ ان کی زبان میں تاثیر ہے، عقائد باطلہ کے خلاف تلوار ہیں۔ ان کا بڑا بیٹا تاشقند کے مدرسے میں تعلیم پارہا ہے، بیٹیاں گھر میں قرآن پاک حفظ کر رہی ہیں۔ بیوی ابتدائی صرف و نحو جانتی ہے۔ گھر کا ماحول دینی ہے۔ فقیر نے کہا کہ آپ نے مفتی صاحب کے بڑے فضائل بیان کئے۔ کہنے لگے یا سیدی، یہ شخص دس ہزار آدمیوں پر بھاری ہے۔

مفتی صاحب نے اپنے مدرسہ کی کتاب دکھائی جس میں ترکی، مصر اور سعودی عرب وغیرہ سے آئے ہوئے علماء نے اپنے تاثرات لکھے تھے۔ مفتی صاحب فرمانے لگے کہ حضرت جتنے بھی لوگ آئے سب نے کتاب میں تاثرات لکھے مگر آپ آئے ہیں تو آپ نے میرے دل کی کتاب پر اللہ لکھ دیا ہے۔ فقیر نے کہا، مفتی صاحب! **وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب۔**

لالے کی حنابندی :

مفتی اعظم صاحب کے بیعت ہونے کی خبر علماء اور طلباء میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ جب مفتی صاحب رخصت لے کر گھر چلے گئے تو متولی مسجد، مؤذن مسجد وغیرھم بھی بیعت ہو گئے۔ سمرقند کے حجروں میں تعلیم پانے والے نوجوان طلباء جوق درجوق آکر بیعت ہونے لگے۔ عشاء کے بعد جس جگہ بیٹھے تھے وہیں بیٹھے بیٹھے فجر کی اذان ہو گئی۔ شاید ایک درجن سے زیادہ مرتبہ بیعت کا خطبہ پڑھ کر لوگوں کو داخل سلسلہ کیا گیا۔

ایک نوجوان عالم دین بیعت ہونے کے لئے آئے تو انہوں نے پہلے کچھ علمی سوالات پوچھے، مولانا عبداللہ اس کی ذہانت اور حسن سوال پر بہت زیادہ خوش ہوئے۔ تقریباً ایک گھنٹہ کی گفتگو کے بعد وہ بھی بیعت ہو گئے۔ مسجد کے مؤذن نے کہا۔ کہ اس نوجوان عالم کی بیعت ہونے کے بعد سمرقند شہر کا کوئی نوجوان بیعت ہوئے بغیر نہ رہے گا۔ بعض طلباء کے چہرے پر علم و عمل کا ایسا نور دیکھا کہ فقیر خود بھی حیران ہوا۔ دل نے کہا

نہیں مشاطگی کی کچھ ضرورت حسن معنی کو
کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالے کی حنا بندی

صبح فجر کی نماز کے بعد مسجد اسحٰق ولی کے خطیب مولانا نصر اللہ اور ایک معلم مولانا احمد خان بھی آکر بیعت ہوئے۔ دن کے نو بجے مولانا عبداللہ کہنے لگے یا سیدی! آپ کچھ دیر کے لئے آرام فرمالیں، آپ کے جسم کو آرام کی بھی ضرورت ہے۔ مولانا کی بات سن کر فقیر نے محفل برخواست کی۔

مخطوطہ کتب کی لائبریری:

مولانا احمد خان نے بیعت کرنے کے بعد بتایا کہ وہ ایک لائبریری میں کام کرتے

ہیں۔ جہاں نایاب مخطوطہ و مطبوعہ کتب کو جمع کیا گیا ہے۔ فقیر نے پوچھا کہ کیا ہم بھی وہ کتابیں دیکھ سکتے ہیں۔ مولانا کہنے لگے کہ حضرت بہت مشکل ہے، اگر میں کسی سے اجازت مانگنے کی کوشش کروں گا تو ہو سکتا ہے کہ مجھے نوکری سے چھٹی کروا دی جائے کہ اس شخص کے غیر ملکی لوگوں سے روابط ہیں۔ فقیر نے کہا کہ اچھا آپ ہمیں ایڈریس وغیرہ بتا دیں، فقیر خود کسی کے ہمراہ وہاں پہنچ جائے گا۔ پھر اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو ہم بھی وہ نایاب چیزیں دیکھ لیں گے اور اگر اجازت نہ ملی تو یہی سمجھیں گے کہ اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں تھا۔ اس بات سے مولانا مطمئن ہو گئے۔

اگلے دن ہم فیض اللہ صاحب اور مولانا عبداللہ صاحب کے ہمراہ اس لائبریری میں پہنچے مین گیٹ پر سیکیورٹی والے نے بڑے آرام سے ہمیں داخل ہونے دیا۔ جب لائبریری ہال میں پہنچے تو ایک لائبریرین عورت نے فقیر کو دیکھا تو اپنی کرسی چھوڑ کر قریب آ گئی۔ پوچھنے لگی کہ آپ کیسے آئے ہیں؟ فقیر نے کہا کہ لائبریری دیکھنے کے لئے۔ اس نے کہا بہت اچھا، آپ بڑے شوق سے اس لائبریری کو دیکھئے، میں اس کی تاریخ آپ کو بتا دیتی ہوں کہ جب روسی انقلاب آیا تو کیمونسٹوں نے مسلمانوں کے گھروں سے برآمد ہونے والی دینی کتب کو جلانا شروع کر دیا، کروڑوں کتابیں جلائی گئیں۔ بعض مسلمانوں نے ان کتابوں کو محفوظ کرنے کے بڑے عجیب و غریب طریقے اپنائے۔ بعض نے وہ کتابیں کسی جگہ زمین میں دفن کر دیں، بعض نے دفن کر کے اس پر قبریں بنا دیں تاکہ نشانی رہے، بعض نے کتابیں دفن کر کے اس پر دیواریں چن دیں۔ اب چونکہ ستر سال گزر چکے ہیں۔ وہ کتابیں دفن کرنے والے خود تو چلے گئے۔ اب ان کی اولادوں میں سے بعض کو نشانیاں یاد ہیں اور بعض کو بھول گئی ہیں۔ آزادی ملنے کے بعد حکومت نے لوگوں کو کہا ہے کہ جو کوئی لائبریری کے لئے نایاب کتاب لائے گا ہم اس کو معقول معاوضہ دیں گے تو لوگ اپنی اپنی یادداشت کے مطابق

کتابیں نکال کر لا رہے ہیں۔ ہمیں جب بھی کوئی قابلِ قدر کتاب ملتی ہے ہم اسے خرید کر محفوظ کر لیتے ہیں۔ ہمارے پاس اس لائبریری میں تین ہزار نایاب کتب جمع ہو چکی ہیں۔ اس کے بعد اس نے مولانا احمد خان کو ایک کمرے میں سے بلوایا اور کہا کہ یہ ہمارے غیر ملکی مہمان ہیں آپ ان کو لائبریری کی کتابیں دکھادیں، یہ کہہ کر وہ چلی گئی۔ مولانا احمد خان فقیر کو دیکھ کر مسکرائے۔ فقیر نے عرض کیا مولانا آپ نے نسبت کی برکتیں دیکھیں کہ جو کام آپ کو ناممکن نظر آرہا تھا اللہ تعالیٰ نے اسے کیسے آسان کر دیا؟ مولانا مسکرائے اور پھر انہوں نے ہمیں کتابوں کے بارے میں بہت اچھی معلومات دیں۔ سب سے پہلی کتاب طب کی دنیا میں مستند حیثیت رکھنے والی ''القانون'' دیکھی۔ اس کے بعد تفسیر حسینی دیکھی جو اپنے علوم و معارف کی وجہ سے بہت معروف ہے۔

لوہے کی چادروں پر لکھا ہوا قرآن مجید :

مولانا احمد خان ہمیں ایک کمرے میں لے گئے جہاں لوہے کی چادروں کا ڈھیر لگا ہوا تھا اور ان کے اوپر کپڑا ڈال دیا گیا تھا۔ مولانا احمد خان نے جب کپڑا ہٹایا تو ہم نے دیکھا کہ ان لوہے کی چادروں پر قرآن مجید کو کھود کر لکھا گیا ہے۔ مولانا نے بتایا کہ یہ پورے قرآن مجید کا سیٹ ہے۔ فقیر نے پوچھا کہ لوہے کی چادروں پر قرآن مجید لکھنے کا کیا مقصد؟ مولانا نے کہا کہ اس وقت کے مسلمان حکام نے سوچا کہ ایک، ایسا نسخہ قرآن مجید کا بنا دینا چاہئے تاکہ اگر کبھی ضرورت پڑے تو وہ معیار اور سند کے طور پر کام آئے۔ بلکہ جس طرح برطانیہ وغیرہ میں وقت کا معیار مقرر ہے جسے ہم گرین وچ ٹائم کہتے ہیں۔ ساری دنیا کی گھڑیوں کا وقت ان کے حساب سے رکھا جاتا ہے۔

یہ لوہے کی چادروں پر لکھا ہوا قرآن چونکہ سالہا سال تک محفوظ رہے گا اس لئے

یہ ایک مستند نسخہ ہے۔اگر کبھی کوئی شخص قرآن مجید میں تحریف کرنے کی کوشش بھی کرے تو اس نسخہ سے مقابلہ کر کے اس کی غلطی کو ختم کر دیا جائے گا۔لوہے کی چادر اتنی بھاری تھی کہ چار آدمی مل کر اسے اٹھا سکتے تھے اور لوہا بھی ایسا تھا کہ اسے زنگ نہیں لگ سکتا تھا۔

پتوں پہ لکھا ہوا قرآن مجید :

ابھی ہم یہ باتیں کر رہے تھے کہ لائبریری کی ڈائریکٹر خاتون آگئی۔اس نے فقیر کو دیکھا تو فرشی سلام کیا اور پوچھا کہ کیا آپ نے سب کتب دیکھ لیں ؟ فقیر نے کہا، جی ہاں۔وہ کہنے لگی کہ ایک خاص چیز میں نے اپنے پاس رکھی ہے آیئے وہ میں آپ کو دکھاتی ہوں۔وہ ہمیں اپنے کمرے میں لے گئی اور ایک بڑا ابکس کھولا۔اس کے اندر سے ایک دوسرا ابکس نکلا، جب وہ کھولا تو اس کے اندر سے ایک بریف کیس نکلا۔جس کے اندر کی ہر چیز کو کیمیکل وغیرہ لگا کر محفوظ کر دیا گیا تھا۔جب اس نے بریف کیس کھولا تو اس کے اندر قرآن مجید کے چھوٹے چھوٹے نسخے پڑے ہوئے تھے۔لکھائی اتنی باریک تھی کہ پڑھی جانی مشکل تھی۔لیکن جب اس خاتون نے ہمیں لفظوں کو بڑا دکھانے والا عدسہ لا کر دیا تو ہم نے دیکھا کہ ہر صفحے پر ایک رکوع لکھا ہوا تھا اور لکھائی اتنی خوبصورت تھی کہ دیکھ کر حیران رہ جائیں۔چند ایسے نسخے دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔

جب ڈائریکٹر خاتون نے دیکھا کہ ہم نے بڑے شوق سے قرآن مجید کے چھوٹے چھوٹے نسخوں کو دیکھا ہے تو وہ کہنے لگی اب میں آپ کو اصل چیز دکھاتی ہوں وہ ہے پتوں پہ لکھا ہوا قرآن مجید کا نسخہ جو کاغذ کی ایجاد سے پہلے کا لکھا ہوا ہے۔مگر اس میں لطف اور مزے کی بات یہ ہے کہ پتوں کو اس طرح محفوظ کر دیا گیا ہے کہ وہ نہ تو پھٹتے

ہیں نہ ہی ٹوٹتے ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے ایک مجلد نسخہ نکالا۔ جب فقیر نے اپنے ہاتھ میں لے کر اسے دیکھا تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ کسی درخت کا پتہ ہے۔ اس پتے میں رگیں پھیلی نظر آرہی تھیں، بناوٹ پتوں کی تھی مگر اس پر ہاتھ سے قرآن مجید لکھا گیا تھا۔ قرون اولیٰ کی ایک چیز کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ ایک خوشی تو یہ کہ سلف صالحین نے حفاظت دین کے لئے کیا کیا کارہائے نمایاں سرانجام دیئے، دوسرا اس لئے بھی خوشی تھی کہ ہم نے نبی علیہ السلام کے زمانے کے قریب کی ایک چیز کو اپنی گنہگار آنکھوں سے دیکھا۔ فقیر نے قرآن مجید کے اس نسخے کو چوما اور اپنی آنکھوں سے لگایا۔ مولانا احمد خان کہنے لگے کہ حضرت آپ کی برکت سے مجھے بھی یہ نسخہ دیکھنے کی سعادت ملی۔ ورنہ تو ہم بھی محروم رہتے۔ ہم نے لائبریرین اور لائبریری کی ڈائریکٹر خاتون کا شکریہ ادا کیا اور ان کو دعائیں دے کر رخصت ہوئے۔

فن کتابت :

لائبریری سے واپس آتے ہوئے مولانا عبداللہ نے کہا حضرت ہمارے اسلاف نے کیسے کیسے کام کر دکھائے۔ کاتب حضرات نے کیا کیا کمال دکھائے۔ فقیر نے انہیں کاتب لوگوں سے متعلق چند واقعات سنائے۔

۞-ابن خلدون نے لکھا ہے کہ فن خطابت انسانی خواص میں سے ہے۔ اس سے انسان جانوروں سے ممتاز ہوتا ہے۔ عربی میں یہ فن قوم تبع کی طرف سے آیا جو یمن کی نہایت ترقی یافتہ قوم تھی۔ اس زمانے میں اس کا نام دکا حمیری تھا۔ وہاں سے یہ اہل حیرہ تک پہنچا اور حیرہ سے اہل طائف اور قریش میں یہ فن آگیا۔ حیرہ سے یہ فن مصر میں پہنچا۔ پھر اہل اندلس نے اس میں کمال پیدا کر لیا اور ان کا خط عرب اور افریقہ میں احسن الخطوط مانا گیا۔ فن خطاطی میں مسلمانوں نے بڑا عروج

حاصل کیا اور اس کی کئی اقسام وضع کیں مثلاً خط کوفی، خط نسخ، خط ریحانی، خط دیوانی، خط شکستہ، خط فارسی، خط نستعلیق، خط طغریٰ، خط گلزار، خط غبار اور خط رقعی وغیرہ۔

- زود نویسی بھی ایک فن بن گئی اور باریک نویسی بھی ایک فن کا درجہ پا گئی۔ اسماعیل بن عبداللہ ناسخ کے نام پر خط ناسخ مشہور ہوا۔ یہ خط غبار میں بھی ماہر تھے۔ ان کو باریک نویسی میں کمال حاصل تھا۔ سورۃ اخلاص ایک چاول پر لکھ دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آیت الکرسی ایک چاول پر لکھ دی، 788 ہجری میں انتقال ہوا۔

- حسن بن شہاب عسکری زود نویس کاتب تھے۔ وہ تین راتوں میں دیوان متبنی کو لکھ لیا کرتے تھے۔ 428 ہجری میں انتقال ہوا۔

- شیخ علی متقی ہندی برہان پوری نے علامہ سیوطی کی جمع الجوامع کو ابواب فقہیہ پر مرتب کیا۔ ان کے استاد شیخ ابوالحسن بکری نے کہا "دنیائے علم پر علامہ سیوطی کا احسان ہے اور علی متقی کا علامہ سیوطی پر احسان ہے"۔ شیخ علی متقی نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا ایک کاغذ کا صفحہ علامہ عبدالوہاب شعرانی کو ہدیہ پیش کیا۔ اس صفحے پر پورا قرآن مجید لکھا ہوا تھا۔ ہر سطر چوتھائی پارہ کی تھی۔ آپ 975 ہجری میں وفات پا گئے۔

- علامہ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ خراسانی کاغذ کے ایک صفحے پر 640 سطریں لکھا کرتے تھے۔

- اورنگ زیب عالمگیرؒ اپنے وقت کے بادشاہ تھے مگر اپنے ہاتھوں سے قرآن مجید لکھتے اور اس طرح سے جو آمدنی ہوتی اس سے گذر اوقات کرتے۔

۞-سلف صالحین اپنی لڑکیوں کو دینی تعلیم سے آراستہ کرتے۔ پھر ہر لڑکی اپنے ہاتھ سے انتہائی خوبصورت لکھائی میں قرآن مجید لکھتی۔ اس کو سنہری جلد میں مجلد کر دیا جاتا۔ جب لڑکی کی شادی ہوتی تو اس کو جہیز میں یہی قرآن مجید دے دیا جاتا۔

شاہ زندہ کی زیارت:

لائبریری سے فراغت پر ہم لوگ سیدھے شاہ زندہ کے قبرستان میں پہنچے۔ یہ جگہ ایک پہاڑی پر واقع ہے۔ باہر لکڑی کا منقش گیٹ ہے جس پر لکھا ہوا ہے

عجلوا بالصلوۃ قبل الفوت

عجلوا بالتوبہ قبل الموت

(نماز جلدی ادا کرلو قضاء ہونے سے پہلے، توبہ میں جلدی کرو موت سے پہلے)

دروازے کے باہر ایک مسجد بنی ہوئی ہے جس کو روسیوں نے شراب خانہ بنایا ہوا تھا۔ اب اس کی صفائی کر کے اس میں نماز کا اجرا کر دیا گیا ہے۔ بڑے دروازے سے قبرستان میں داخل ہوں تو بہت چوڑی سیڑھیاں اوپر جاتی ہیں، چوڑائی تقریباً بیس فٹ ہے۔ ازبک لوگوں میں مشہور ہے کہ جو شخص چڑھتے ہوئے سیڑھیاں گنے اور اترتے ہوئے گنے اور سیڑھیاں برابر نہ ہوں تو وہ شخص گنہگار ہوتا ہے۔ اسے چاہئے کہ وہ اوپر نیچے آتا جاتا رہے حتی کہ دونوں طرف کی گنتی برابر ہو جائے۔ ان سیڑھیوں کے دونوں طرف میں قبے بنے ہوئے ہیں جن میں وقت کے مشاہیر مدفون ہیں۔ بعض میں امیر تیمور کی بیٹیاں، یعنی اپنے وقت کی شہزادیاں مدفون ہیں۔ امیر تیمور کی ہمشیرہ کا مقبرہ بھی ہے۔ ایک مربع میٹر میں دو ہزار ٹائلز لگائے گئے ہیں۔ ان ٹائلز کا رنگ نیلا، ہرا اور سرخ ہے اور ابھی تک صحیح سلامت ہے۔ اس کے ساتھ ہی تیمور کی بھانجی کا نہایت خوبصورت مقبرہ ہے۔ ازبک لوگوں میں مشہور ہے کہ اس کی وفات 16 سال

کی عمر میں ہوئی اور اس جیسی حسین و جمیل لڑکی پھر پیدا نہیں ہوئی۔ یہ سن کر فقیر کے دل میں خیال آیا

"عبرت حاصل کرنے کی جگہ ہے۔ دیکھو کہ ہوا کیسے کیسے حسینوں کی قبر سے مٹی اڑا رہی ہے"

شنید ہے کہ امیر تیمور اس بات میں نہایت سختی کرتا تھا کہ اکابرین کی قبور کو باوضو بنایا جائے۔ امیر تیمور خود بھی باوضو ان قبور کی زیارت کیا کرتا تھا۔ مختلف قبروں پر کندہ کئے ہوئے نام اب بھی موجود تھے۔ بعض پتھروں پر ایک ہزار سال پہلے کی تاریخیں کندہ تھیں۔ عموماً سفید رنگ کے پتھر میں بہت خوبصورت لکھائی کی گئی تھی۔

کافی ساری سیڑھیاں چڑھنے کے بعد دائیں طرف لکڑی کا ایک بہت بڑا دیو ہیکل منقش دروازہ نظر آیا۔ ایک دروازے پر لکھا تھا۔ **ابواب الجنّة للفقرآء** (جنت کے دروازے فقرا کے لئے ہیں) دوسرے پر لکھا ہوا تھا **ابواب الرحمة للرحمآء** (رحمت کے دروازے مہربانی کرنے والوں کے لئے ہیں)

اس بات پر حیرانی ہوئی کہ ہزار سال گزرنے کے باوجود بھی یہ دروازہ ٹھیک تھا۔ اندر داخل ہوئے تو ایک مسجد بنی ہوئی تھی۔ جو حضرت قثم ابن عباسؓ کی یاد میں بنائی گئی تھی۔

روایت ہے کہ حضرت قثم ابن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے بھائی اور نبی علیہ السلام کے چچازاد بھائی تھے۔ وہ 45 ہجری میں یہاں پر اسلام کا پیغام لے کر آئے۔ ہزاروں لوگوں نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ ایک مرتبہ عید کی نماز پڑھتے ہوئے کفار نے موقع پا کر ان کو شہید کر دیا۔ اس لئے ان کو "شاہ زندہ" کہتے ہیں۔ حضرت قثم ابن عباسؓ کے متعلق روایت ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے دفن میں

شریک تھے اور سب سے آخر میں قبر مبارک سے نکلنے والے بھی یہی تھے۔ دروازے پر ایک بڑے پتھر میں آپ کا نام کندہ تھا اور ساتھ ہی یہ حدیث پاک بھی لکھی ہوئی تھی۔

عن رسول الله ﷺ اشبه الناس بی خلقا و خلقا

(قثم بن عباسؓ حضور ﷺ کے سب سے زیادہ مشابہ تھے اخلاق میں اور شکل وصورت میں)

مزار شریف کے باہر کئی چلہ خانے بنے ہوئے تھے۔ یہاں سے گزر کر قبر خاص کے قریب نیچے تو انوارات کا عالم کچھ اور ہی تھا۔ قبر پر لکھا گیا تھا

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل الله امواتا

(آپ ہرگز مردہ شمار نہ کریں ان لوگوں کو جو قتل کر دیئے گئے اللہ کے راستے میں)

قبر مبارک کے نیچے تہہ خانے میں چلہ خانہ بنا ہوا تھا۔ متولی نے خصوصی رعایت کرتے ہوئے اسے کھولا۔ عجیب بل کھاتا ہوا راستہ، پہلے ایک کمرہ پھر دوسرا کمرہ پھر تنگ سی جگہ قبر مبارک کے بالکل محاذ میں۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں ہمارے اکابرین بایزید بسطامیؒ اور ابو الحسن خرقانیؒ جیسے حضرات بھی بیٹھ کر مراقبہ کرتے تھے۔ فقیر بھی وہاں مراقب ہوا اور لطائف میں ایسی ہلچل محسوس ہوئی کہ زندگی بھر یاد رہے گی۔ قریب ہی بنی ہوئی مسجد میں دو رکعت نفل پڑھ کر احباب کے لئے دعائیں مانگیں۔ یہاں سے فراغت پر وقت کے مشہور محدث حضرت دارمیؒ کی قبر پر ایصال ثواب کیا اور دعا مانگی، پھر واپس آگئے۔

مسجد بی بی خانم :

ریگستان چوک کے قریب ہی یہ خوبصورت مسجد بنائی گئی ہے۔ اس کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ یہ مسجد خود امیر تیمور نے تعمیر کروائی۔

دوسری روایت یہ ہے کہ یہ مسجد امیر تیمور کی چینی نژاد بیگم بی بی خانم نے تعمیر کروائی، جب کہ امیر تیمور ہندوستان فتح کرنے گیا ہوا تھا۔ یہ مسجد امیر تیمور کے لئے بی بی خانم کا تحفہ تھی۔ بعض لوگوں نے زیب داستان کے لئے مسجد کے معمار اور بی بی خانم کے عشق کی داستان بھی بنا رکھی ہے، چونکہ ہندوستان سے واپسی پر امیر تیمور نے اپنی سلطنت کی تمام خواتین کو پردے کا حکم دیا تھا۔ مسجد اس قدر **خوبصورت** ہے کہ سجی ہوئی دلہن معلوم ہوتی ہے۔ اس مسجد کو دیکھنے کے بعد ہم لوگ **گور امیر** دیکھنے کے لئے گئے۔

گور امیر:

سمر قند کے ایک سرے پر گور امیر ہے جہاں امیر تیمور اور ان کے خاندان کے افراد مدفون ہیں۔ فیروزی رنگ کے گنبد والا یہ مقبرہ امیر تیمور نے اپنے پوتے محمد سلطان کی وفات پر تعمیر کروایا تھا مگر چند سال کے بعد اسے خود بھی 1405ء میں یہیں دفن ہونا پڑا۔

مٹے ناميوں کے نشاں کیسے کیسے
زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

یہ بات قابل ذکر ہے کہ امیر تیمور کے پیرومرشد میر سعید پیر بھی اس مقبرے میں دفن ہیں۔ جہاں میر سعید کے پاؤں ہیں وہاں امیر تیمور کا سر ہے۔ سنا ہے کہ اہل اللہ کے ساتھ اسی محبت و عقیدت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا کا عظیم فاتح بنایا۔ حتیٰ کہ اس کے مقبرہ کے دروازے پر "امیر عالم" کا خطاب لکھا گیا ہے۔ یہ بھی عین ممکن ہے کہ یہی عقیدت اس کے لئے آخرت کی مغفرت کا سبب بن جائے۔

امیر تیمور کے چار بیٹے تھے، ان میں سے دو اس کے آبائی شہر، شہر سبز میں مدفون

ہیں۔ البتہ شاہ رخ اور میران شاہ اس کے پہلو میں مدفون ہیں۔

اس کے پوتے الغ بیگ کی قبر بھی اسی گنبد کے نیچے ہے۔ الغ بیگ کے سائنسی نظریات نے اس زمانے میں تہلکہ مچادیا تھا۔ ان نظریات کی مخالفت میں خود اس کا اپنا بیٹا عبداللطیف پیش پیش تھا، اسی نے اپنے باپ کو موت کی سزا سنائی۔ خود بھی اسی گنبد کے نیچے مدفون ہے۔ گور امیر کے اس چھوٹے سے گنبد کے نیچے وسیع و عریض سلطنت کا حکمران اپنی تین نسلوں سمیت چند مربع گز کی جگہ میں مدفون تھا۔ دنیا کی بے ثباتی کا احساس یہاں اس شدت سے ہوا کہ دل دہل گیا۔

دنیا کے اے مسافر منزل تری لحد ہے

امیر تیمور کی قبر پر گہرے سبز رنگ کا پتھر لگا ہوا تھا جو آج کل نایاب ہے پورے وسط ایشیاء بلکہ چین میں بھی نہیں ملتا۔ یہ بات پراسرار ہے کہ یہ پتھر کہاں سے آیا؟ مگر اوپر کی خوبصورتی سے کیا ہوتا ہے مزہ تو جب ہے کہ قبر کو جنت کا باغ بنادیا جائے، چاہے اوپر سے کچی ہو۔

امام اہلسنت ابو منصور ماتریدیؒ :

گور امیر سے فراغت پر ہم لوگ پرانے سمرقند کی تنگ گلیوں میں آپہنچے۔ جہاں گاڑی کے لئے مڑنا بھی اک مسئلہ تھا۔ یہاں پرانے طرز کے پتھروں سے بنے ہوئے مکان تھے۔ اس پورے علاقے میں انوار کی بارش عام آدمی بھی محسوس کر سکتا تھا۔ ہمارے اسلاف نے ان جگہوں میں جنم لیا اور پرورش پائی اور پھر اپنی تقویٰ بھری زندگیاں گزار کر اپنے رب کے حضور پہنچے، آج جنت میں خیمے لگا چکے ہیں۔

یہاں ہم ایک ایسے گھر میں پہنچے جس میں امام ابو منصور ماتریدیؒ کا مزار تھا۔ کیمونسٹ حضرات تو عموماً ایسی جگہوں کے نام و نشان مٹادیتے تھے مگر مسلمانوں نے

وہاں اپنے گھر بنا کر ان قبور کو کسی کمرے کا حصہ بنالیا۔ اب آزادی کے بعد انہوں نے اپنے گھر دوسری جگہ بنالئے تاکہ عامۃ المسلمین بھی ان جگہوں تک آسانی سے پہنچ سکیں۔

محد ثین کا قبرستان :

یہاں سے قریب ہی ایک جگہ پر قبرستان ہے جسے محد ثین کا قبرستان کہتے ہیں۔ جہاں پر دفن ہونے والے محد ثین و مفسرین کے لئے دو شرائط رکھی گئی تھیں۔ پہلی شرط یہ کہ وہ اپنے وقت کا مسلمہ محدث و مفسر ہو اور دوسرا یہ کہ اس کا نام محمد ہو۔ انتظامیہ کے لوگ ان شرائط کی اتنی پابندی کرتے تھے کہ صاحب ہدایہ قاضی برہان الدین المرغینانیؒ جیسی عبقری شخصیت کو لوگوں نے یہاں دفن کرنا چاہا مگر انکار کر دیا گیا کہ ان کا نام محمد نہیں ہے۔ اس قبرستان میں محمد نامی محد ثین و مفسرین کی چار سو قبور تھیں۔

دفن ہوگا نہ کہیں ایسا خزانہ ہرگز

فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ :

سمرقند سے اٹھنے والی ایک ایسی شخصیت جنہوں نے تنبیہ الغافلین کتاب لکھ کر غافل دلوں کو جگادیا۔ جن کا تقویٰ لوگوں میں بہت معروف تھا۔

ایک مرتبہ سفر پر روانہ ہوئے تو ان کے سامان سے زیادہ ان کے پاس مٹی کے ڈھیلے تھے۔ کسی نے پوچھا کہ آپ اتنا بوجھ کیوں اٹھائے پھرتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ مجھے اپنی طہارت کے لئے استعمال کرنے ہوتے ہیں اور میں نہیں چاہتا کہ کسی کے کھیت سے بغیر اجازت کے مٹی کا ڈھیلا بھی اٹھاؤں۔

ان کی قبر مبارک کے بارے میں فقیر نے احباب سے بہت پوچھ گچھ کی مگر اکثر

علماء کا خیال تھا کہ روسی کیمونسٹوں نے جن آبادیوں پر بلڈوزر چلوائے اور ان پر سڑکیں اور جدید عمارتیں ہوائیں۔ وہیں پر یہ گمنام ہو کر اپنی برزخی زندگی کے مزے لوٹ رہے ہیں۔ تاہم فقیر نے سب احباب سے کہا کہ قرآن مجید میں سے کچھ آیات تلاوت کر کے ان کی روح کو ایصال ثواب کر دیا جائے۔

حضرت خواجہ سعید بن عثمانؓ بن عفانؓ :

آپ نواسہ رسول اور سیدہ رقیہؓ کے فرزند ارجمند تھے۔ آپ ابتداء میں بخارا میں تشریف لائے پھر کچھ عرصہ کے بعد سمرقند ہجرت کر گئے۔ یہاں بہت لوگوں نے آپ سے دین اسلام کی روشنی پائی۔ سمرقند کے مضافات میں آپ کا قیام رہا۔ ایک مرتبہ آپ کے گھر سے تقریباً سو گز کے فاصلے پر کفار نے موقع پا کر آپ کو شہید کر دیا۔ آپ کی قبر مبارک آپ کے گھر ہی میں بنائی گئی۔ قریب ہی ایک عالیشان مسجد بنائی گئی جس کے اردگرد اونچی دیوار والی فصیلیں بنائی گئیں۔ یہاں بھی فاتحہ پڑھنے کے بعد کچھ دیر کے لئے مراقبہ کیا گیا۔

حضرت خواجہ عبید اللہ احرار ولیؒ :

آپ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے کبار مشائخ میں سے تھے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا مال و دولت اتنا عطا کیا تھا کہ آپ کے اونٹ گھوڑے سونے چاندی کی کیلوں سے باندھے جاتے تھے۔ مولانا جامی جب بیعت کے ارادے سے حاضر ہوئے تو یہ محفل کی شان و شوکت اور طمطراق دیکھ کر تھوڑی دیر کے لئے ان کے دل میں تردد پیدا ہوا۔ آپؒ نے فرمایا، سونے چاندی کی میخیں زمین میں گاڑنے کے لئے ہوتی ہیں، دلوں میں گاڑنے کے لئے نہیں ہوتیں۔

آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں پیری مریدی کرتا تو دنیا سے کسی پیر کو کوئی مرید

نہ ملتا، مگر مجھے تو بلند مقصد یعنی سنت کے احیاء کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ وقت کے سلاطین بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

آپؒ کا مزار ایک اونچے چبوترہ پر بنا ہوا تھا۔ قریب میں ایک شاہی مسجد بنی ہوئی تھی، سامنے بڑا حوض تھا جس کے ارد گرد اونچے اونچے درخت تھے۔ مدارس ریگستان کی مانند ایک مدرسہ بھی یہاں بنا ہوا تھا۔ جو مفتی اعظم سمرقند کی زیر نگرانی چل رہا تھا۔

اس مزار مبارک کے قریب ایک صاحب امام رجب علی مقیم تھے۔ جن کے عقائد اہلسنت سے بہت ہٹ کر تھے۔ جب انہوں نے فقیر کو دیکھا تو لوگوں سے تعارف معلوم کیا۔ انہیں فقیر کے بارے میں تردد ہو رہا تھا کہ اتنی چھوٹی عمر کے جوان سے مفتی اعظم سمرقند نے بیعت کیوں کی؟ وہ فقیر سے مل کر کہنے لگے کہ میں آپ سے چند سوالات پوچھنا چاہتا ہوں۔ فقیر نے عرض کیا کہ اگر معلوم ہوں گے تو عرض کر دوں گا۔ انہوں نے سب سے پہلے یہ سوال پوچھا کہ آپ اپنا شجرۂ نبی علیہ السلام سے لے کر اپنے تک بتائیں۔ فقیر نے فوراً سنا دیا، پھر انہوں نے پوچھا کہ ذکر قلبی کیا چیز ہے؟ فقیر نے عرض کر دیا، پھر مکتوبات امام ربانی کے متعلق کچھ باتیں پوچھتے رہے بالآخر جب سب باتوں کے جواب مل گئے تو انہوں نے اندر کی بات کھول دی کہ آپ اتنی کم عمری میں شیخ کیسے بنے؟ فقیر نے اپنے عصا کو زور سے زمین پر مارا اور کہا مولانا! یہ فقیر خود نہیں بنا، کسی نے بنایا ہے۔ یہ سن کر رجب علی پر ہیبت طاری ہو گئی۔ اس کا اکھڑ پن نرمی اور عاجزی میں بدل گیا۔

اگر بڑھیا کے در پر آئے سلطاں
تو اے واعظ نہ ہو ہرگز پریشاں

امام بخاریؒ کی آخری آرامگاہ :

علم حدیث کی دنیا کے امیر المومنین امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ 194 ہجری بروز جمعہ بخارا میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں کسی بیماری کی وجہ سے بینائی جاتی رہی مگر والدہ کی بے لوث اور پر خلوص دعاؤں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ظاہری و باطنی بینائی عطا فرمادی۔ ان کے والد بھی طبقہ رابعہ کے مشہور محدث تھے اور عبداللہ بن مبارکؒ کے خصوصی شاگرد تھے۔ امام بخاریؒ فرمایا کرتے تھے کہ میرے والد اسماعیل نے حماد بن زید کو دیکھا کہ انہوں نے عبداللہ بن مبارکؒ سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔

آپ کے والد کا انتقال اس وقت ہوا جب آپؒ بچپن کی عمر میں تھے۔ آپؒ کی تربیت آپؒ کی عبادت گزار اور نیکو کار والدہ نے کی۔ 16 سال کی عمر میں والدہ کے ساتھ حج پر گئے اور دو سال مکہ مکرمہ میں رہ کر حدیث کا علم حاصل کیا۔ اٹھارہ برس کی عمر میں مدینہ منورہ آئے اور روضہ انور کے قریب بیٹھ کر چاندنی راتوں میں اپنی دو مشہور کتابیں ''قضایا الصحابہ والتابعین'' اور التاریخ الکبیر تصنیف کیں۔

آپؒ نے ایک ہزار اسی اساتذہ و مشائخ سے حدیث لکھی مگر آپ کو اسحٰق بن راہویہ اور علی بن المدینی سے زیادہ فیض پہنچا۔ آپ اپنی قوت حافظہ کی وجہ سے اپنی مثال آپ تھے۔ بغداد کے علماء نے سو احادیث میں الٹ پھیر کر کے آپ کو آزمانا چاہا مگر آپؒ کے علم و فضل کا لوہا ماننا پڑا۔ امام صاحبؒ نے اپنے والد کے ترکہ میں بہت سا مال پایا تھا مگر اسے فی سبیل اللہ خرچ کر دیتے اور خود قلت طعام پر عمل کرتے۔ ساہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے کہ بعض اوقات وہ پورا دن تین باداموں پر گزار دیتے۔ ایک مرتبہ بیمار ہوئے تو طبیب نے قارورہ دیکھ کر کہا کہ یہ شخص سالن استعمال نہیں کرتا۔ جب پوچھا گیا تو بتایا کہ میں نے سالن بیس سال پہلے استعمال کیا تھا۔

ایک مرتبہ آپ نے نماز کا سلام پھیر کر اپنے شاگرد سے کہا کہ میری پیٹھ پر دیکھو۔ اس نے قمیص اٹھا کر دیکھا تو ایک بھڑ نے سترہ ڈنک لگائے تھے، جسم کا حصہ

سوچ گیا تھا۔ کسی نے پوچھا آپ نے نماز کیوں نہ توڑی ؟ فرمایا ایسی سورۃ پڑھ رہا تھا، جی چاہا کہ اسے پورا کرلوں۔ آپ کے علم و فضل کے بارے میں امام مسلمؒ نے کہا اشهد انه لیس فی الدنیا مثلك (میں گواہی دیتا ہوں کہ تیری مثل دنیا میں کہیں نہیں)۔

آپ کی زندگی میں آزمائشیں بھی بڑی آئیں جب نیشاپور گئے تو شہر کے لوگوں نے شہر سے باہر نکل کر استقبال کیا۔ امام مسلمؒ نے لکھا ہے کہ کسی حاکم کا بھی ایسا استقبال نہ ہوا۔ لیکن کچھ عرصے بعد جب آپ کا درس سننے کے لئے حاضرین سے مسجد بھر جاتی اور لوگ قریب کے مکانوں کی چھتوں پر بیٹھ کر حدیث سنتے تو بعض حاسدین نے مسئلہ خلق قرآن کے بارے میں امام ذہلی اور آپؒ کے درمیان غلط فہمی پیدا کردی، پھر اس مسئلے کو بہت اچھالا گیا۔ اہل نیشاپور چونکہ امام احمد بن حنبلؒ کے پیروکار تھے اس لئے وہ آپؒ سے بدگمان ہوگئے۔ جب آپؒ اس شہر سے واپس ہوئے تو ایک آدمی بھی ساتھ آنے والا نہیں تھا۔ نہ ایسا آتا دیکھا، نہ ایسا جاتا دیکھا۔

بخارا کا حاکم خالد بھی اس لئے آپؒ کا مخالف ہوگیا کہ آپؒ نے اس کے گھر جاکر اس کے بچوں کو پڑھانے سے انکار کردیا تھا۔ آپؒ کو زبردستی بخارا سے نکلنے پر مجبور کردیا گیا۔ آپؒ سمرقند جانا چاہتے تھے کہ وہاں کے علماء نے بھی آپ کو سمرقند داخل ہونے سے منع کردیا۔ چاروناچار آپ سمرقند کے قریب اپنی خالہ کے ہاں قیام پذیر ہوئے اور باسٹھ سال کی عمر میں 256 ہجری میں انتقال فرمایا۔

آپؒ کی وفات کے بعد آپؒ کی قبر مبارک سے کئی دن تک خوشبو آتی رہی۔ لوگ اس پر حیران ہوتے ہیں مگر فقیر کو کوئی حیرانی نہیں۔ راز یہ تھا کہ

جمال ہمنشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

{میرے ساتھی کے حسن نے مجھ میں اثر کر دیا ہے ورنہ میں تو وہی مٹی ہوں جو کہ تھی}

آپؒ سے نوے ہزار شاگردوں نے براہ راست صحیح بخاری پڑھی۔ آپؒ کی کتاب کا پورا نام **الجامع الصحیح المسند من حدیث رسول اللہ ﷺ و سننه و ایامه** ہے۔ آپؒ کو ہر مسلک کے علماء نے اپنی صف میں شامل کرنے کی کوشش کی ہے مگر سچ یہی ہے کہ آپ مجتہد مطلق تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ جو شخص صحیح بخاری کی عظمت کا قائل نہ ہو وہ بدعتی ہے اور مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلتا ہے۔ علماء کا قول ہے:

فقه البخاری فی تراجمه (امام بخاریؒ کی فقہ اس کے تراجم میں ہے)

امام بخاریؒ نے نہ تو امام ابو حنیفہؒ سے کوئی روایت لی نہ امام جعفر صادقؒ سے، نہ ہی امام شافعیؒ سے، البتہ امام مالکؒ سے پانچ روایات اور امام احمدؒ سے فقط دو روایتیں نقل کی ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ سمجھتے تھے کہ ائمہ مجتہدین کی احادیث کو روایت کرنے والے لاکھوں ہیں۔ میں ان ثقہ راویوں سے روایت کروں جن کی روایات ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔ تدمع میں ایک سو سے زائد شروح و حواشی اور متعلقات بخاری کا تذکرہ ہے سب سے زیادہ شہرت فتح الباری نے پائی۔

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے تھے کہ بخاری شریف کے پڑھنے سے قحط سالی دور ہوتی ہے اور قحط کے زمانے میں اس کے ختم کی برکت سے بارش کا نزول ہوتا ہے۔ ایک محدث نے اس کو ایک سو بیس مرتبہ مختلف مقاصد کے لئے پڑھا اور ہر مرتبہ کامیابی ہوئی۔ اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ صحیح بخاری کا پڑھنا امراض و مصائب، دشمنوں کے خوف و غلبہ کی گرانی کے وقت تریاق ہے۔

فقیر نے 28 مئی 1992ء مفتی اعظم سمرقند اور دوسرے احباب کے ہمراہ خرتنگ کا سفر کیا، جو سمرقند سے 22 میل دور امام بخاریؒ کی آخری آرامگاہ کا علاقہ ہے۔ وسیع و عریض سڑک کے دونوں طرف پھلوں کے باغات تھے۔ امام بخاریؒ کا مزار قصبہ خرتنگ کے شروع ہی میں واقع تھا۔ جب ہم لوگ وہاں پہنچے تو پہلے مزار پر جاکر ایصال ثواب کیا۔ حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد جعفر صاحب سے فقیر نے عرض کیا کہ ہمیں یہاں پر بخاری شریف میں سے کچھ احادیث سنائیں۔ مولانا نے جب احادیث سنانی شروع کیں تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ امام بخاری خود سامنے بیٹھے احادیث سنا رہے ہیں۔ اکثر حاضرین پر گریہ طاری تھی۔ انوار و برکات کا نزول اس قدر تھا کہ الفاظ میں سمیٹنا مشکل ہے۔ وہ لمحے زندگی کی حسین یاد بن گئے۔

ایصال ثواب سے فراغت پر مسجد میں پہنچے تو مدرسہ امام بخاری کے طلباء نے استقبال کیا۔ نماز کے بعد امام صاحب نے فقیر کو بیان کے لئے حکم دیا۔ فقیر نے علم کے عنوان پر ٹوٹی پھوٹی عربی زبان میں تقریر کی، مولانا عبداللہ صاحب نے ترجمانی کی۔ امام عثمان خان بہت زیادہ متاثر ہوئے اور فرمایا کہ آپ تین دن ہمارے پاس مہمان ٹھہریں، فقیر نے قبول کر لیا۔ امام عثمان خان نے خصوصی مہمان خانہ کھلوایا جو حکومت نے اس لئے بنوایا تھا کہ مختلف ممالک کے آنے والے سربراہ حضرات کے ٹھہرنے میں آسانی ہو۔ جماعت کے دوست مسجد میں ٹھہرے جب کہ فقیر کو مہمان خانے میں ٹھہرایا گیا۔ امام عثمان خان نے تین دن مہمان نوازی کی حد کر دی۔ فقیر اکثر اوقات امام بخاریؒ کے مزار پر مراقب رہتا۔ جب فارغ ہوتا تو بیعت ہونے والے لوگوں کا مجمع لگا ہوتا۔ الحمد للہ تین دن میں امام عثمان خان اور نائب خطیب سمیت مدرسہ کے سب علماء و طلباء بیعت ہوئے۔ سینکڑوں زائرین اور خادم خانقاہ خدائے بردہ بھی بیعت ہوئے۔

امام بخاریؒ کے مزار کے قریب ہی قرآن مجید کی ایک لائبریری بنی ہوئی تھی۔ جس میں مختلف ممالک کے پرنٹ شدہ قرآن مجید موجود تھے۔ ایک نسخہ جنرل ضیاء الحق شہید کی فرمائش پر وہاں رکھا گیا تھا۔ امام عثمان خان نے کہا کہ حضرت آپ بھی ایک نسخہ پاکستان سے منگوادیں تو ہم یہاں رکھیں گے۔ تاکہ آپ کی یاد آتی رہے۔ فقیر نے جناب یعقوب تابانی کی وساطت سے ایک نسخہ خوبصورت لکھائی والا منگوایا اور ان کو بھجوایا۔

دوسرے اور تیسرے دن قریبی پہاڑی علاقوں سے علماء اور صلحاء وفود کی شکل میں آکر سلسلہ عالیہ میں بیعت ہوتے رہے۔ مولانا عبداللہ حیران تھے کہ ان لوگوں کو کون اطلاع دیتا ہے۔ جو اس طرح دیوانہ وار چلے آتے ہیں۔ امام عثمان خان نے ایک مرتبہ کہا کہ حضرت اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ یہاں پر **ثم یوضع له القبول فی الارض** (پھر زمین میں ان کے لئے قبولیت رکھ دی) والا معاملہ کیا ہے۔

ایک یادگار مراقبہ :

قیام کے تیسرے دن فقیر تہجد کی نماز پڑھنے کے بعد امام بخاریؒ کے مزار پر حاضر ہوا۔ دل میں یہ خیال تھا کہ آج بخارا کے لئے سفر کا ارادہ ہے باقی سب دوستوں سے مل لیا۔ امام صاحب کی خدمت میں بیٹھ کر مراقبہ کریں تاکہ ان کے مرقد پر جو انوار برس رہے ہیں، اس میں سے ہمیں بھی حصہ مل جائے۔ جب مراقب ہوئے تو حالت ایسی ہوئی کہ اپنے آپ پر کنٹرول نہ رہا۔ ایک گھنٹے کا وقت کس کیفیت میں گزرا وہ تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ اتنا ضرور ہے کہ اس مراقبے کے بعد حدیث رسول ﷺ کے ساتھ دل میں محبت بہت زیادہ بڑھ گئی۔ یوں محسوس ہوا کہ امام بخاریؒ کے قلب سے ایک نور نکل کر فقیر کے قلب میں داخل ہوا۔ پورے سفر کے دوران اس کی برکات

محسوس ہوتی رہیں۔

بخارا ایک تاریخی شہر :

تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ بخارا محض چند صدیاں پرانا شہر نہیں یہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے بھی تین سو تیس سال پرانا ہے۔ جب اسکندر اعظم یہاں سے گزرا یہ اس وقت بھی تجارت و ثقافت کا اہم مرکز تھا۔ ابتداء میں یہاں بدھ مت سے تعلق رکھنے والے لوگ آباد تھے۔ انہوں نے اپنی عبادت گاہ کا نام ویہارہ رکھا جو وقت کے ساتھ ساتھ بے خارہ اور پھر بخارا بن گیا۔ اسی نام سے یہ شہر مشہور ہوا۔ آٹھویں صدی تک یہ شہر زرتشت مذہب والوں کا اہم مرکز تھا۔ جب 711ء میں محمد بن قاسم بحیرہ عرب پار کر کے سندھ میں داخل ہوئے عین اسی وقت ایک عرب جرنیل قتیبہ ابن مسلم، آمو دریا پار کر کے وسط ایشیا میں داخل ہوئے۔ دو برس کے اندر بخارا و سمر قند کو فتح کرتے ہوئے مشرق میں سنکیانگ اور کاشغر تک پہنچ گئے۔ یہ اس علاقے کی فوجی فتح تھی، ورنہ دین اسلام تو یہاں بہت پہلے حضرت قثم ابن عباسؓ اور حضرت سعید بن عثمان بن عفانؓ کے ذریعے سے آچکا تھا۔

زرافشاں دریا پار کر کے جب مضافات میں ہم پہنچے تو دو بڑے بڑے میناروں کے درمیان میں ایک بڑا دروازہ نظر آیا۔ بخارا کے چار دروازوں میں سے بچا ہوا یہ آخری دروازہ تھا۔ ساتھ ہی مسمار شدہ دیوار کا تھوڑا سا حصہ بھی نظر آتا تھا۔

نویں صدی ہجری میں بخارا سامانی سلطنت کا دارالحکومت تھا، جس کی سرحدیں افغانستان میں ہرات تک اور ایران میں اصفہان تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اس وقت بخارا کی آبادی تین لاکھ تھی اور اس شہر میں اڑھائی سو دینی مدرسے تھے۔ جہاں یمن اور اندلس جیسے دور دراز مقامات سے بھی طالب علم اپنی علمی پیاس بجھانے آتے تھے۔

بخارا اس وقت فقط دینی مرکز ہی نہیں تھا بلکہ سائنس اور دوسرے علوم کا مرکز بھی تھا۔ سامانی حکمران کے کتب خانے میں 45 ہزار کتابیں تھیں۔ اس زمانے میں بخارا بغداد کے ہم پلہ مانا جاتا تھا۔

اسی کتب خانے سے حسین ابن عبداللہ ابن سینا نے فیض پایا۔ ابن سینا نے سب سے پہلے ارسطو کا ترجمہ عربی میں کیا۔ پھر ایک کتاب القانون لکھی۔ جو آج تک علم طب کی انسائیکلوپیڈیا مانی جاتی ہے۔

مدرسہ میر عرب:

ہم لوگ جب بخارا پہنچے تو ہمارا کسی سے تعارف نہیں تھا۔ بس اتنا پتہ تھا کہ یہاں پر ایک مدرسہ میر عرب ہے جس کے ساتھ مسجد امام بخاری ہے۔ جہاں امام بخاریؒ کسی دور میں حدیث پاک کا درس دیتے تھے۔ میر عرب مدرسہ کا نام شروع میں امیر عرب کے نام پر تھا، مگر تین سو سال میں یہ میر عرب کے نام سے مشہور ہو گیا۔ میر عرب مدرسہ کے بلند وبالا دروازے پر یہ حدیث پاک لکھی ہوئی ہے

من کان فی طلب العلم کانت الجنت فی طلبه

(جو شخص علم کی تلاش میں ہوتا ہے، جنت اس کی تلاش میں ہوتی ہے)

اس مدرسہ میں تقریباً دو سو طلباء کے ٹھہرنے کا انتظام تھا۔ یہ دو منزلہ خوبصورت مدرسہ روسی انقلاب کے ہاتھوں سے بچا رہا۔ اب یہ ازبکستان کے بڑے مدارس میں سے ایک مدرسہ ہے۔ جب ہم لوگ مدرسہ میں پہنچے تو جمعہ کا دن ہونے کی وجہ سے وہاں چھٹی تھی۔ طلباء گھروں کو جا چکے تھے، البتہ کچھ اساتذہ موجود تھے۔ ان سے تعارف ہوا تو انہوں نے پہلے تو چائے سے ضیافت فرمائی پھر ان میں سے ایک نے کہا کہ آج جمعہ کا خطبہ امام بخاری مسجد میں آپ ہی دیں۔

مسجد امام بخاری کا یادگار خطبہ :

نماز کا وقت قریب ہو چکا تھا۔ ہم لوگ مدرسہ کے سامنے بنی ہوئی بالائے حوض مسجد میں آگئے۔ اس مسجد میں کم وبیش 50 ہزار آدمی نماز پڑھ سکتے تھے۔ اس کی تعمیر اس انداز سے کی گئی تھی کہ بغیر سپیکر کے تقریر کی جائے تو بھی آواز دیواروں سے ٹکراتی بل کھاتی حاضرین کے کانوں تک پہنچ جاتی تھی۔ تھوڑی دیر کے لئے امام خطیب مولانا جان محمد کے کمرے میں بیٹھے۔ امام صاحب پاکستان کے حالات کے متعلق سوال کرتے رہے پھر انہوں نے مولانا عبداللطیف صاحب سے تعارف کروایا کہ یہ عالم اس وقت وفاق المدارس ازبکستان کے صدر ہیں اور بچوں کا امتحان لینے کے لئے آئے ہوئے ہیں۔ ہمارا ارادہ تھا کہ مولانا جمعہ کا خطبہ دیں لیکن جب مولانا نے آپ کا چہرہ دیکھا تو کہنے لگے کہ آج کا خطبہ یہ شیخ دیں گے، میں ان کی ترجمانی کروں گا۔

جب خطبہ کے لئے مسجد میں آئے تو مسجد نمازیوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ فقیر نے قرآن مجید کی عظمت کے عنوان پر جب آیات پڑھیں اور قرآن مجید کو اپنے سر پر رکھا کہ یہ بار امانت ہے تو حاضرین پہ سکتہ کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ مولانا عبداللطیف صاحب فقیر کے چہرے کو اتنے غور سے دیکھ رہے تھے کہ جیسے انہیں تلاش بسیار کے بعد کوئی ہستی ملی ہو۔ بیان اس قدر پر تاثیر تھا کہ سامعین پر گریہ طاری تھا۔ مولانا عبداللطیف صاحب بڑے جوش و خروش سے ترجمہ کر رہے تھے، رو بھی رہے تھے اور رلا بھی رہے تھے۔ قرآن مجید سینوں میں اپنا راستہ خود بنا رہا تھا۔ فقیر نے عربی کا خطبہ پڑھا تو سونے پہ سہاگے والا کام ہو گیا۔ نماز جمعہ کے بعد ایک عربی نوجوان نے فقیر کو گلے سے لگا کر کہا "آپ نے ہمیں امام بخاریؒ کا زمانہ یاد کروا دیا"۔ **ایک ازبک نوجوان** روتے ہوئے آگے بڑھا اور اس نے فقیر کو اس زور سے سینے سے

لگایا کہ تھوڑی دیر کے لئے سانس لینا مشکل ہو گیا۔ پھر کہنے لگا کہ "آپ نے اہل بخارا کے دل جیت لئے"۔ فقیر ہجوم کی کثرت کی وجہ سے پسینے میں شرابور تھا۔ مولانا جان محمد نے چند نوجوانوں کو اشارہ کیا تو انہوں نے فقیر کو اپنے حصار میں لے کر لوگوں سے کہا کہ فقط مصافحہ کریں۔ الحمد للہ سب حاضرین سے مصافحہ کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ ناظم مدرسہ میر عرب نے کہا کہ حضرت! دوپہر کا کھانا تیار ہے، آپ جلدی تشریف لے چلیں۔

جب ناظم صاحب کے گھر پہنچے تو انہوں نے اندازاً پچاس آدمیوں کے کھانے کا بندوبست کیا ہوا تھا۔ ترکی کے ایک عالم جو کوٹ پتلون پہنے ہوئے تھے اور چہرے پر سنت سے بھی محروم تھے وہ فقیر کے قریب بیٹھ گئے۔ ناظم صاحب نے فقیر کا تعارف حاضرین محفل سے کروایا۔ مدرسہ میر عرب کے ناظم امور اقتصادیات اور ناظم تعلیمات بھی آئے ہوئے تھے۔ ترکی عالم نے فقیر سے پوچھا کہ آپ کا تعارف کیا ہے؟ اس سے پہلے فقیر جواب دیتا مولانا عبداللطیف صاحب بول اٹھے۔ ھو رئیس النقشبندیین فی العالم (یہ پوری دنیا کے نقشبندیوں کے سردار ہیں) ترکی عالم اس جواب کو سن کر ششدر رہ گئے اور پھر کہنے لگے فی باکستان او فی العالم (پاکستان میں یا پوری دنیا میں) مولانا نے کہا کہ فی العالم لا ریب فیہ (پوری دنیا میں، اس میں کوئی شک نہیں ہے)۔

فقیر اپنے دل میں اپنے آپ کو ملامت کر رہا تھا کہ تیری حالت اتنی خراب مگر تیرے پروردگار کا تجھ پر اتنا کرم، اب تو چاہئے کہ تو اپنے رب کے نام پر قربان ہو جا، دل سے جواب آیا:

یاد میں تیری سب کو بھلا دوں کوئی نہ مجھ کو یاد رہے

تجھ پر سب گھر بار لٹادوں خانہء دل آباد رہے
سب خوشیوں کو آگ لگادوں غم سے ترے دل شاد رہے
سب کو نظر سے اپنی گرادوں تجھ سے فقط فریاد رہے
اب تو رہے بس تادم آخر ورد زباں اے میرے الہ
لا الہ الا اللہ ، لا الہ الا اللہ

بکری کا گوشت اتنی مہارت سے بھونا گیا تھا کہ سب حاضرین اس کی خوشبو سے بے قابو ہوئے جا رہے تھے۔ اہل خانہ نے کہا کہ کھانا تناول فرمائیں۔ سب حضرات نے مزے لے لے کر کھانا کھایا۔

شیخ بخارا تیشہ بابا سے ملاقات :

دعوت سے فراغت پر مسجد کلاں میں مولانا جان محمد صاحب کے پاس واپس آئے۔ مولانا نے بتایا کہ میرے پیرو مرشد اس وقت بخارا کے تمام علماء و صلحاء کے پیر ہیں، اس لئے ان کو شیخ بخارا کہا جاتا ہے۔ ان کا نام تو حضرت کابل خان ہے مگر وہ تیشہ بابا کے نام سے معروف ہیں، میں نے انہیں فون کر دیا ہے، وہ ابھی تشریف لانے والے ہیں۔ پچھلے بیس سال سے بخارا کی روحانی دنیا میں ان کا راج ہے اور وہ اس وقت نقشبندیہ سلسلہ کے "شاہ دوراں" ہیں۔ یہ باتیں سن کر فقیر کے دل میں اور زیادہ اشتیاق بڑھ گیا۔ ابھی بیٹھے ہی تھے کہ حضرت تیشہ بابا تشریف لائے۔ فقیر کو بڑی گرمجوشی سے ملے۔ تعارف کے بعد فرمانے لگے کہ میں نے رات خواب میں دیکھا کہ ایک نور میرے گھر میں داخل ہو رہا ہے، میں حیران تھا کہ اس کی تعبیر کیا ہو گی۔ اب آپ سے ملاقات کے بعد دل میں خیال آیا ہے کہ وہ نور آپ ہیں۔ آپ مہربانی فرمائیں اور میرے گھر تشریف لے چلیں، میں اپنے سلسلہ عالیہ کے تمام بزرگوں کے

مزارات کو جانتا ہوں، آپ کو ساتھ لے کر جاؤں گا۔ فقیر تو پہلے ہی بیتاب تھا کہ اکابر کے مزارات پر حاضری کیسے دے؟ یہ سن کر طبیعت بہت خوش ہوئی۔ فقیر نے کہا جیسے حکم ہو فقیر حاضر ہے۔

مسجد کلاں سے روانہ ہو کر حضرت تیشہ بابا کے گھر پہنچے۔ وہاں کچھ ذاکرین حضرات پہلے سے تشریف لائے ہوئے تھے۔ شروع میں چائے کا دور چلا۔ اس سے فراغت پر نماز عصر ادا کی گئی۔ نماز عصر کے بعد کچھ علماء تشریف لے آئے۔ انہوں نے فقیر سے سلسلہ ء عالیہ کے متعلق باتیں پوچھنی شروع کر دیں۔ فقیر ان کی خدمت میں جواب عرض کرتا رہا۔ حضرت تیشہ بابا خاموشی سے سارا منظر دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے رہے۔

اسی اثناء میں الحاج مختار امام خطیب مسجد شاہ نقشبند تشریف لائے۔ ان سے جب تعارف ہوا تو انہوں نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات سے متعلقہ سوالات پوچھنے شروع کر دیئے۔ بات چلتے چلتے سلوک نقشبندیہ سے سلوک مجددیہ تک پہنچی۔ فقیر نے جب سلسلہ ء کلام ختم کیا تو حاجی مختار نے کہا حضرت! ہم جن گتھیوں کو سلجھاتے ہوئے عمر گزار رہے تھے آپ نے تھوڑی دیر میں ان کو ایسا کھول دیا ہے کہ کوئی اشکال بھی باقی نہ رہا۔ یہ محفل مغرب سے عشاء اور عشاء کے بعد آدھی رات تک چلتی رہی۔ جب تھکاوٹ کی وجہ سے سب کو نیند آنے لگی تو حضرت تیشہ بابا نے محفل برخواست کرنے کی دعا کروا دی۔

رات کو سونے کے لئے حضرت تیشہ بابا فقیر کو اپنے گھر کے اندر ایک کمرے میں لے گئے اور فرمایا کہ آپ یہاں سوئیں گے۔ فقیر پہلے ہی تھکا ہوا تھا گہری نیند سو گیا۔ جب آنکھ کھلی تو وضو کے لئے کمرے سے باہر نکلا۔ کیا دیکھا کہ سخت سردی کے باوجود حضرت تیشہ بابا دروازے پر چارپائی بچھا کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ فقیر نے پوچھا کہ جی آپ

کمرے میں کیوں نہیں آجاتے ؟ فرمانے لگے کہ آپ کمرے میں آرام فرمارہے تھے اور میں یہاں دربان بن کر بیٹھا تھا۔ یہ کہہ کر فقیر سے لپٹ گئے اور فرمانے لگے کہ آپ کے پاس جو کچھ ہے اس میں سے ہم فقیروں کو بھی کچھ حصہ عطا ہونا چاہئے۔ فقیر نے کہا کہ آپ تو خود اتنے بڑے شیخ ہیں۔ جب فقیر نماز تہجد سے فراغت پر مراقبہ کے لئے بیٹھنے لگا تو حضرت تیشہ بابا فقیر کے سامنے دوزانو بیٹھ گئے۔ فقیر سے فرمانے لگے کہ میرے لطائف تازہ کردیں، میں نے مراقبہ ء معیت تک کے اسباق اپنے شیخ سے کئے تھے۔ اب آپ میرے شیخ ہیں، مجددی اسباق آپ طے کروا دیجئے۔ یہ کہہ کر حضرت تیشہ بابا نے رونا شروع کر دیا۔ آنسوؤں کی ایسی مالا ٹوٹی کہ ختم ہونے پہ آتی ہی نہیں تھی۔ فقیر خود بھی آبدیدہ ہوا۔ بہت دیر تک ہم دونوں روتے رہے، بالآخر فقیر نے انہیں بیعت کے کلمات پڑھا کر اسباق شروع کروا دیئے۔

مسجد ابو حفص کبیرؒ :

صبح ناشتے کے بعد ہم لوگ مسجد ابو حفص کبیر میں آگئے۔ ابو حفص کبیرؒ، امام محمدؒ کے ہونہار شاگردوں میں سے تھے۔ یہ مسجد ان کی یاد میں بنائی گئی تھی۔ اس مسجد کے قریب ہی ایک ٹیلے پر آرام فرمارہے ہیں۔ ان کے ساتھ ہی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی اولاد میں سے بارہ مشائخ بھی مدفون ہیں۔ فقیر نے حاضری دے کر سب حضرات کے لئے ایصال ثواب کیا۔ امام مسجد نے پینے کے لئے چائے اور کھانے کے لئے شہتوت پیش کئے۔ کچھ دیر میں ملاقات کرنے والے حضرات نے آنا شروع کر دیا۔ اب حضرت تیشہ بابا دامت برکاتہم خود ہی فقیر کا تعارف کروا دیتے اور یوں فقیر کے لئے آسانی ہوگئی۔ مولانا عبداللہ کی خوشی کی انتہاء نہیں تھی۔ جب تیشہ بابا نے انہیں بتایا کہ میں نے بھی اس شیخ سے تجدید بیعت کرلی ہے تو مولانا عبداللہ پر گریہ طاری

ہو گیا اور وہ بہت دیر تک روتے رہے۔ بخارا کے لوگوں کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ خاموش بیٹھے بیٹھے فقیر کے چہرے کو دیکھتے رہتے۔ اتنے پیار اور ادب کی نگاہوں سے شاید کم ہی لوگوں نے فقیر کو دیکھا ہوگا۔

حضرت تیشہ بابا نے فقیر کو بتایا کہ دو گاڑیاں ہمیں مزارات مشائخ پر لے جانے کے لئے آچکی ہیں، لہٰذا چلنا چاہئے، زیارات کے لئے کافی وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔

حضرت سید امیر کلالؒ :

دو گاڑیوں میں بخارا سے روانہ ہوئے اور سب سے پہلے سید امیر کلالؒ کے مزار پُر انوار پر حاضر ہوئے۔ مزار ایک عام قبرستان میں واقع ہے، کیمونسٹوں نے اس قبرستان میں کھیتی باڑی شروع کر دی تھی۔ فقیر جب حاضر ہوا تو دیکھا کہ چند قبور جو بڑے بڑے چبوتروں پر بنی ہوئی تھیں فقط وہ سلامت رہیں، باقی جگہ پر فصل کاشت کی ہوئی تھی۔ قبر کے قریب کھڑے ہونے کے لئے فقط تھوڑی سی جگہ تھی۔ ایصال ثواب کے بعد مراقبہ کیا گیا۔

حضرت کعب احبارؓ :

آپ کا مزار مبارک ایک ٹیلے پر واقع ہے۔ قبر مبارک کئی میٹر لمبی بنائی گئی ہے۔ مرورِ زمانہ کی وجہ سے ارد گرد کی ہر چیز اجڑی اجڑی دکھائی دے رہی تھی۔

کیمونسٹوں نے اس ٹیلے پر جانے والی سیڑھیوں کو بھی توڑ دیا تھا۔ مزار کے متصل بنی ہوئی مسجد میں دو رکعت نفل پڑھ کر احباب کے لئے خصوصی دعائیں کی گئیں۔ نیچے اترے تو حضرت تیشہ بابا نے بتایا کہ یہاں پر ایک کنواں ہے جس کا پانی بہت خوش ذائقہ اور بہت ٹھنڈا ہوتا ہے، ہمارے اکابرین جب بھی یہاں آتے تھے تو اس کنویں سے پانی پیتے تھے۔ ہمیں بھی اشتیاق ہوا۔ چنانچہ جب پانی پیا تو واقعی لطف ہی آگیا، لگتا

تھا جام شیریں پی لیا ہے۔

قصر عارفاں کی پر شکوہ عمارت :

بخارا سے تقریباً 20 کلو میٹر دور قصر عارفاں کی پر شکوہ عمارت دور سے ہنستی مسکراتی دکھائی دیتی ہے۔ مشہور ہے کہ اس کا نام شروع میں قصر ہندواں تھا۔ ایک مرتبہ حضرت خواجہ بابا سماسیؒ اور حضرت سید امیر کلالؒ یہاں پر تشریف لائے۔ میزبان اپنے ننھے منے بیٹے کو اٹھا کر لایا تاکہ یہ حضرات اس کی نیک بختی کی دعا کریں۔ حضرت خواجہ بابا سماسیؒ نے دیکھا تو سید امیر کلالؒ سے فرمایا کہ میں اس بچے میں سعادت کے آثار دیکھ رہا ہوں، اگر میں زندہ رہا تو اس کی تربیت میں کروں گا اور اگر میری زندگی نے وفا نہ کی تو اس کی تربیت آپ کرنا۔ یہ بچہ بڑا ہو کر ہمارے سلسلے کا شیخ بنے گا اور مجھے امید ہے کہ اس کی وجہ سے قصر ہندواں کو قصر عارفاں کہا جائے گا۔ حضرت خواجہ بابا سماسیؒ کا کشف صحیح ثابت ہوا اور آج اس جگہ کو قصر عارفاں کہا جاتا ہے۔

جب ہم قصر عارفاں پہنچے تو مسجد میں نماز ہو رہی تھی۔ نماز کے بعد امام خطیب حاجی مختار سے ملاقات ہوئی، حاجی مختار اپنے حجرے میں لے گئے اور پر تکلف ضیافت کی۔ پھر پوچھا کہ آپ کا پروگرام کیا ہے۔ فقیر نے کہا کہ ایک ہفتہ بخارا اور گردونواح کے لئے مخصوص کیا ہے۔ حاجی مختار ہنس کر کہنے لگے کہ اگر ایک مہینہ بھی ہوتا تو کم تھا۔ پھر انہوں نے پرانے وقتوں کی باتیں سنانی شروع کردیں۔ کیمونسٹ لوگ اپنے دور میں کسی آدمی کو اس مزار پر آنے نہیں دیتے تھے۔ مسجد کو گودام کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ ایک پولیس والا ہر وقت پہرہ دیتا۔ اگر کسی کو اس طرف آتے دیکھتا تو پکڑ کر جیل میں بھیج دیتا۔

کافی دیر تک یہ باتیں سننے کے بعد فقیر نے عرض کیا کہ اجازت ہو تو مزار شریف پہ حاضری دی جائے۔ حاجی مختار نے فرمایا کہ ہم مسجد و خانقاہ کی مرمت کروا رہے ہیں، جب کام مکمل ہو گیا تو ہم آپ کو دعوت دیں گے کہ اپنے مریدین کو لے کر آئیں اور خانقاہ کو سنبھالیں۔

فقیر اپنے احباب کے ہمراہ مزار شریف پر حاضر ہوا تو دیکھا کہ ایک بڑا چبوترہ سا بنا ہوا ہے۔ الحمد للہ جی بھر کر مراقبہ کیا، اپنے پہلے سبق سے لے کر دائرہ لاتعین تک کے اسباق کو شاہ نقشبند کے سامنے اس طرح دہرایا جس طرح کسی بڑے معلم کے سامنے ایک چھوٹا نادان بچہ الف با سنا کر خوش ہو جاتا ہے۔

خدایا یہ تیرے پر اسرار بندے :

دعا سے فراغت پر ایک شخص مولانا عبداللہ سے سرگوشیاں کرنے لگا۔ مولانا نے فقیر سے کہا کہ حضرت! ماوراء النہر کے صوفیا کی ایک جماعت مسجد میں بیٹھی ہے، آپؐ سے ملاقات کی منتظر ہے۔ فقیر نے پوچھا کہ ان حضرات کو فقیر کے متعلق کس نے بتایا؟ مولانا عبداللہ نے کہا، خدا جانے۔ فقیر نے کہا، چلو ان کو یہیں بلا لیں۔ تقریباً 21 صوفیاء پر مشتمل پر انوار چہرے سر سے پاؤں تک سنت سے آراستہ، پیشانیوں پر سجود کے نشان، چہروں پر تواضع کے آثار، رخساروں پر ذکر کی تازگی، اکثر کی عمریں چالیس اور ساٹھ کے درمیان، یہ حضرات اتنے وقار سے چلتے ہوئے آئے کہ دل متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ جب ان صاحب دل حضرات نے فقیر کو دیکھا تو فرط محبت میں سینے سے لپٹنے کی بجائے چپک گئے۔ جی بھر بھر کے ملے، حتیٰ کہ فقیر تھک گیا۔ بیٹھنے کے بعد ان کے امیر نے بتایا کہ ہم لوگ کچھ عرصہ پہلے ایک شیخ سے منسلک تھے۔ ان کی وفات کے بعد حیران و سرگرداں پھرتے تھے کہ اب ہمیں رہبر و رہنما کیسے

ملے ؟ مدتوں استخارے کئے، دعائیں مانگیں، بالآخر ہم نے پروگرام بنایا کہ شاہ نقشبندؒ کے مزار پر حاضری دے کر اپنی حاجت کے بارے میں دعا مانگتے ہیں۔ یہاں پہنچ کر جب آپ کو چند احباب سمیت مراقبے میں بیٹھے ہوئے دیکھا تو دل نے کہا کہ دل کی کشتی اسی شیخ کے حوالے کر دینی چاہیے۔ اب ہم سب بیعت کے لئے حاضر ہیں، ہم بہت دور سے آئے ہیں، بہت دیر سے آئے ہیں، ہمیں قبول فرمالیجئے۔ فقیر ان کے اصرار کو رد نہ کر سکا اور سوچا کہ ممکن ہے ان حضرات میں سے کوئی نہ کوئی فقیر کے لئے قیامت کے دن کی بخشش کا ذریعہ بن جائے۔ لہٰذا ان سب حضرات کو بیعت کے کلمات پڑھائے۔ ایک طرف شاہ نقشبند کا مزار پر انوار دوسری طرف حاضرین محفل کے چمکتے ہوئے نورانی چہرے، عجیب نظارہ تھا، بیعت کے بعد مراقبہ کرواتے ہوئے توجہ دینے کا مزہ ہی آگیا۔ جس طرح خوبصورت برتن میں دودھ ڈالتے ہوئے خوشی ہوتی ہے اسی طرح ان حضرات کو توجہ دیتے ہوئے خوشی محسوس ہو رہی تھی۔ مراقبہ سے فراغت پر ان حضرات نے اپنے ایڈریس مولانا عبداللہ کو دیئے اور اشکبار آنکھوں سے رخصت ہوئے۔

جب یہ جماعت فارغ ہوئی تو زائرین بڑی تعداد میں جمع ہو چکے تھے۔ انہوں نے بھی بیعت ہونے کا مطالبہ کیا مسجد کے مؤذن عبدالواحد صاحب بھی بیعت کے متمنی تھے، چنانچہ دوسری مرتبہ پھر سب حضرات کو بیعت کے کلمات پڑھائے۔ جب فقیر ان حضرات کو سلسلہء عالیہ کے معمولات کے بارے میں بتا رہا تھا تو چند لڑکیوں کا گروہ کہیں سے آنکلا۔ انہوں نے اشارے سے مولانا عبداللہ کو بلایا اور کافی دیر ان سے سوالات پوچھتی رہیں۔ جب فقیر بیعت کے عمل سے فارغ ہوا تو مولانا فقیر کے پاس آبیٹھے اور کہنے لگے عجیب، عجیب، ساتھ ہی سر بھی ہلانے لگے۔ فقیر نے پوچھا، مولانا! کیا ہوا؟ بتانے لگے کہ لڑکیوں کا گروہ ترکمانستان سے آیا ہے، پہلے تو ان سب

نے مجھے بلا کر آپ کے بارے میں عجیب و غریب تاثرات پیش کئے اور پھر بیعت کی درخواست کی۔ فقیر نے پوچھا کہ انہوں نے کیا تاثرات بیان کئے؟ مولانا نے کہا کہ ایک کہہ رہی تھی کہ یہ شخص اگر کسی مجمع میں ہو تو سب نگاہیں اس کے چہرے پر لگی رہیں گی۔ دوسری نے کہا کہ اس کے چہرے کو دیکھ کر سکون مل رہا ہے۔ ایک نے کہا کہ اس کے چہرے کو دیکھ کر بغیر بتائے پتہ چلتا ہے کہ یہ کوئی مسیحا ہے۔ ایک پیچھے کھڑی ہوئی لڑکی نے کہا کہ مجھے تو یہ شاہ نقشبندؒ کا بیٹا لگ رہا ہے۔ ان لڑکیوں کی گروپ لیڈر نے کہا کہ میری درخواست اس شیخ تک پہنچادیں کہ یہ واپس جانے کی بجائے اب یہیں قصر عارفاں میں قیام کریں تا کہ ان کو دیکھ کر ہمارے ایمان تازہ ہوتے رہیں، کیمونزم نے ہمارے دلوں کو سیاہ کر دیا ہے، ایسے لوگوں کو دیکھ کر خدا یاد آتا ہے اور دل میں گناہوں سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔

فقیر نے مولانا عبداللہ کی وساطت سے ان لڑکیوں کو بیعت کے کلمات پڑھائے، البتہ مراقبہ اور وقوف قلبی کی تفصیل مولانا عبداللہ نے روسی زبان میں ان کو بتا دی۔

عشاء کی نماز سے فراغت پر کھانا کھا کر ہم لوگ گہری نیند سو گئے۔ تہجد کے وقت چند نفلیں پڑھ کر فجر تک شاہ نقشبندؒ کے مزار پر مراقبہ کیا۔ نماز فجر کے بعد حجرے میں بیٹھے تھے کہ امام خطیب خلاف معمول جلدی تشریف لے آئے۔ فقیر کی طرف دیکھ کر کہنے لگے کہ آپ کا چہرہ اس وقت تمتما رہا ہے۔ لگتا ہے رات کو شاہ نقشبندؒ کی خاص نسبت کا آپ پر اثر ہوا ہے۔ آپ میرے قلب پر بھی توجہات ڈالیں۔ فقیر نے لطیفہ قلب پر انگلی لگا کر نشاندہی کر دی۔ پھر تو خطیب صاحب پر ایسی مستی چڑھی کہ سبحان اللہ۔ اگلے دن ہمیں غجدوان آنا تھا لہٰذا قصر عارفاں سے غمزدہ دل اور پرنم آنکھوں کے ساتھ دن کو 12 بجے روانہ ہوئے۔

خواجہ ء جہاں کے دیس میں :

حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے بڑے نمایاں بزرگوں میں سے گزرے ہیں۔ آپ حضرت امام مالکؒ کی اولاد سے تھے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اتنی قبولیت عطا فرمائی تھی کہ لوگ ''خواجہ ء جہاں'' کے لقب سے پکارتے تھے۔ آپ کو حضرت خضر علیہ السلام نے ایک سبق تلقین فرمایا تھا جو ہمارے سلسلہ کا مکھن کہلاتا ہے اور اس کا نام تہلیل خفی یعنی حبس دم کا ذکر ہے۔ آپ کے شش کلمات سلسلہ ء عالیہ نقشبندیہ کی بنیاد بنے ہیں۔ خلوت در انجمن، سفر در وطن، نظر بر قدم، ہوش در دم وغیرہ اصطلاحات آپ نے جاری کیں۔

ہم لوگ دن کے 1 بجے غجدوان پہنچے۔ شہر میں داخل ہوتے ہی فقیر نے دو تین آدمیوں سے پوچھا کہ ہمیں حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ کے مزار پر جانا ہے۔ لوگوں نے لاعلمی کا اظہار کیا، جب چوتھے آدمی سے پوچھا تو اس نے کہا کہ وہ بزرگ یہاں پر خواجہ ء جہاں کے لقب سے معروف ہیں اور فلاں جگہ ان کی مسجد ہے۔ جب مسجد پہنچے تو نماز ادا کی۔ مولانا عبداللہ حجرے میں جا کر امام خطیب کو ملے اور فقیر کا تعارف کروایا۔ امام صاحب فقیر سے ملنے مسجد میں آئے تو انہوں نے کوٹ پتلون پہنی ہوئی تھی۔ چہرہ بھی سنت سے محروم تھا۔ بڑے فخر سے کہنے لگے کہ مجھے ایک تقریب میں جانا ہے، جہاں مقامی انتظامیہ سمیت تقریباً 500 لوگ موجود ہیں، آپ میرے ساتھ چلیں۔ فقیر نے عرض کیا کہ ہم یہاں مسجد میں بیٹھیں تو زیادہ بہتر ہے۔ فرمانے لگے کہ نہیں آپ لوگ ضرور میرے ساتھ چلیں۔ وہ انتظامیہ کو جتلانا چاہتے تھے کہ دیکھو مجھے ملنے کے لئے کیسے کیسے لوگ آتے ہیں۔ خطیب صاحب کے اصرار کو دیکھتے ہوئے فقیر نے ساتھ جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ ایک بڑے ہوٹل کے سامنے کی وسیع د

عریض جگہ پر لوگ ٹولیوں کی شکل میں کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے، پینے پلانے کا سلسلہ چل رہا تھا، نیم عریاں لباس میں روسی لڑکیاں لوگوں کو جام پہ جام بھر کر دے رہی تھیں اور درمیان میں ایک مائیک کا بندوبست تھا جس پر چند لوگ موسیقی بجا کر گانا گا رہے تھے۔ فقیر نے خطیب صاحب سے کہا کہ ہم لوگوں کا اس محفل سے کیا واسطہ، ہمیں واپس جانے دیں، مگر خطیب صاحب اپنی ضد پر قائم رہے اور ہمیں مشکل امتحان میں ڈال دیا۔

ابھی کھڑے کھڑے یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ اللہ تعالیٰ کی مدد ظاہر ہوئی، گانے بجانے کی آواز بند ہو گئی اور ایک صاحب نے خطیب صاحب کو آواز دے کر کہا کہ آپ کے ساتھ آنے والے لوگ اگر کچھ کہنا چاہیں تو مائیک پر تشریف لے آئیں۔ فقیر ذہنی طور پر اس کے لئے تیار تو نہیں تھا مگر دل میں خیال آیا

میر جمع ہیں احباب درد دل کہہ لے
پھر التفات دل دوستاں رہے نہ رہے

فقیر نے مائیک پر آکر خطبہ پڑھا اور عربی زبان میں بیان شروع کیا۔ مولانا عبد اللہ ترجمانی کر رہے تھے۔ فقیر نے سامعین کو بتایا کہ آپ کے شہر میں خواجہء جہاں جیسی عظیم ہستی گزری ہے، ان کی زیارت کے لئے ہم لوگ ہزاروں میل کا سفر کر کے آئے ہیں۔ یہاں سے بات چلتے چلتے اہل اللہ تک پہنچی اور پھر محبت الٰہی کا موضوع چل نکلا۔ مضمون ایسا بن گیا کہ گویا حاضرین محفل پلک جھپکے بغیر فقیر کو دیکھتے چلے جا رہے تھے، سب ٹولیوں کے رخ فقیر کی طرف مڑ گئے تھے، راستہ چلنے والے لوگ بھی کھڑے ہونے لگ گئے، ٹریفک بند ہو گئی، خاموشی ایسی تھی کہ جیسے ہوا بھی بند ہو گئی ہو، فقیر کی آواز گونج رہی تھی، قرآن اپنا اثر دکھا رہا تھا، حاکم وقت ایسی توجہ سے بات سن رہا تھا جیسے اسے کوئی افسر کسی بات پر بریفنگ دے رہا ہو۔ فقیر نے تقریباً آدھا گھنٹہ بیان کر

کے دعا کروائی تو ہر طرف سے سلام و پیام کی آوازیں آنے لگیں۔ انتظامیہ نے اپنی روایت کے مطابق فقیر کو ایک خوبصورت پوشاک بھی پہنائی۔ خطیب صاحب کو بھی ہر طرف سے واہ واہ ملی تو ان کا رویہ فقیر کے ساتھ بھی اپنوں جیسا ہو گیا۔ فرمانے لگے کہ آپ لوگ میرے گھر پر قیام فرمائیں گے۔

خفیہ ایجنسی کی ہیبت :

رات کا قیام امام صاحب کے گھر پہ رہا۔ کھانے کے دوران ایک صاحب فقیر کو باربار غور سے دیکھے جا رہے تھے۔ جب فقیر نے اسے نگاہ بھر کر دیکھا تو وہ کہنے لگے کہ میں اس شہر کی خفیہ پولیس میں کام کرتا ہوں، آپ نے آج کے بیان میں لوگوں کو بہت متاثر کیا، میں کچھ وقت آپ کے ساتھ رہوں گا۔ کھانے کے بعد کچھ دیر سلسلہ عالیہ کے بزرگوں کے متعلق بات چیت ہوتی رہی۔ رات بارہ بجے محفل برخاست ہوئی تو ہم لوگ نیند کی آغوش میں چلے گئے۔

اگلے دن نماز جمعہ کا خطبہ فقیر نے دیا۔ خطیب صاحب نے تقریباً آدھا گھنٹہ فقیر کا تعارف کرانے میں لگایا۔ جمعہ کے بعد لوگ بیعت کے لئے اکٹھے ہو گئے۔ مجمع کے لوگ خائف سے نظر آ رہے تھے۔ جب فقیر نے مولانا عبداللہ سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے تو انہوں نے اشارہ کیا کہ خفیہ پولیس کے اس آدمی کی وجہ سے۔ جب فقیر نے دیکھا تو وہی رات والا آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ فقیر نے اس کو اشارہ کر کے اپنے قریب بٹھا لیا۔ جب اہل محفل نے دیکھا کہ وہ صاحب فقیر کے قریب آ کر بیٹھ گئے ہیں تو ان کا خوف دور ہو گیا۔

ہمیں بھی پہچانو :

جب بیان شروع ہوا تو مولانا عبداللہ نے ازبک زبان میں ترجمہ کرنا شروع کر

دیا۔ دو حضرات جن کا چہرہ مہرہ صوفیوں والا تھا لباس بھی اہل خانقاہ کا تھا۔ انہوں نے ترجمان کو اونچی اونچی آواز سے لقمے دینے شروع کئے۔ جب فقیر بیان کرتا تو وہ خاموش رہتے لیکن جب مولانا عبداللہ ترجمہ کرنے لگتے تو وہ اونچی آواز سے بول پڑتے کہ اس بات کا مطلب یہ ہے اور فلاں کا مطلب فلاں ہے۔ ہم لوگ عجیب مشکل میں گرفتار ہو گئے۔ فقیر نے بیان جاری رکھا اور دونوں حضرات نے بھی محفل جمنے نہ دی۔ فقیر کو محسوس ہوا کہ ان پر جب تک باطنی توجہ نہ ڈالی یہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئیں گے۔ چنانچہ فقیر نے بھی اپنا گُر استعمال کیا۔ وہ لوگ اہل محفل کو بتانا چاہتے تھے کہ یہ جو کچھ کہا جا رہا ہے، ہمیں پہلے سے ہی معلوم ہے۔ چند منٹ کی توجہ کے بعد ان میں سے ایک صاحب نے بلند آواز سے کہا کہ بہت دیر ہو گئی ہے، ہمیں گھر جانا ہے، آپ دعا کروا دیں۔ فقیر نے اسی وقت دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔ دعا کے بعد وہ دونوں حضرات کھڑے ہو گئے جب کہ مجمع کے سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہے۔ انہوں نے جاتے وقت قریب کے ایک دو لوگوں کو اشارے بھی کئے کہ چلیں، مگر کوئی بھی نہ اٹھا۔ جب دونوں حضرات باہر گئے تو لوگوں نے فقیر سے کہا کہ آپ اپنا مضمون جاری رکھیں۔ بس پھر تو رحمت الٰہی کی بارش ایسی برسی کہ سبحان اللہ۔

بیان کے بعد سب لوگ بیعت کے لئے تیار تھے۔ اندازاً چالیس پچاس پگڑیاں ایک دوسرے سے باندھی گئیں۔ مولانا عبداللہ نے اوراد و وظائف کے بارے میں وضاحت کر دی۔ جب لطیفہ قلب پر انگلی لگانے کا وقت آیا تو فقیر بالکل تھک گیا تھا۔ مولانا عبداللہ فقیر کے بازو کو نیچے سے سہارا دے کر کھڑے تھے کیونکہ اتنے لوگوں کو قلب کی نشاندہی کرتے کرتے بازو تھک گیا تھا۔ خانقاہ کے متولی بھی بیعت ہوئے اور انہوں نے رات اپنے گھر قیام کی دعوت دی۔

نائب حاکمہ کی آمد :

دن کے دس بجے متولی صاحب کے مکان پر غجدوان شہر کی نائب حاکمہ تشریف لائیں۔ ان کا نام نخشندہ تھا اور ان کے ہمراہ چند پولیس والے بھی تھے۔ فقیر سے پوچھنے لگیں کہ آپ کو کوئی تنگی تو نہیں ہے۔ فقیر نے کہا کہ ہماری خوشی کی انتہاء نہیں کہ ہم خواجہ ء جہاں کے شہر میں وقت گزار رہے ہیں۔ نخشندہ کہنے لگیں کہ مجھے اور میرے بچوں کو بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں، ہم آپ کی آمد کے منتظر رہا کریں گے، آپ نے تو ہمارے شہر کے لوگوں کے دل جیت لئے ہیں اور میں ایجنسی کی رپورٹ میں رات کے بیان کی تفصیل پڑھ چکی ہوں۔ فقیر نے ان کو دعائیں دے کر رخصت کیا۔ حاضرین محفل حیران تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انتظامیہ کے دلوں کو بھی فقیر کے لئے موم کر دیا۔ خانقاہ کے متولی صاحب نے کہا کہ مجھے آپ وڈیو بنانے کی اجازت دے دیں۔ فقیر نے انکار کر دیا، پھر انہوں نے کہا کہ آج دوپہر کا کھانا ایک نہایت سرسبز و شاداب جگہ پر کھائیں گے جہاں نیچے نہر بہتی ہے اور درختوں کی شاخیں اوپر پھیلی ہوئی ہیں، وہیں نہر کے کنارے قیلولہ کریں گے۔ فقیر نے کہا بہت اچھا۔ چنانچہ دوپہر کے کھانے سے پہلے نہر میں کپڑوں سمیت غسل کیا۔ تیرتے وقت اپنے کالج کا زمانہ یاد آگیا، پھر کھانا کھا کر قیلولہ کیا۔ بعد ازاں عصر کی نماز کے لئے مسجد میں آگئے۔

حضرت گل بابا سے ملاقات :

نماز عصر کے بعد تقریباً پندرہ آدمیوں کی ایک جماعت بلخ سے ملنے کے لئے آئی۔ حضرت گل بابا ان کی ترجمانی کر رہے تھے۔ سب حضرات کو بیعت کے بعد وظائف بتا دیئے گئے۔ حضرت گل بابا نے مشارابات تک کے اسباق کسی شیخ سے پہلے طے کئے ہوئے تھے اب وہ بھی تکمیل کے لئے بیعت ہوئے۔ ان کا پرانوار چہرہ دیکھ کر فقیر

کو خوشی ہو رہی تھی۔ فقیر نے مولانا عبداللہ سے کہا کہ اس شخص نے یہ نورانی چہرہ کیسے بنایا ہو گا؟ بیعت ہونے کے بعد حضرت گل بابا نے کہا کہ جتنا وقت آپ یہاں پر ہیں، میں آپ کی صحبت میں رہنا چاہتا ہوں۔ فقیر نے جواب دیا کہ ہمیں تو رات کے وقت بخارا پہنچنا ہے، تھوڑی دیر میں ہم جانے کے لئے تیار ہیں۔ حضرت گل بابا کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور انہوں نے بڑی حسرت سے یہ شعر پڑھا

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
بوئے گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شد

(افسوس پلک جھپکنے میں دوست کے ساتھ مل بیٹھنے کا وقت ختم ہو گیا۔ ابھی تک ہم نے سیر ہو کر پھولوں کا چہرہ بھی نہیں دیکھا تھا کہ بہار کا موسم ختم ہو گیا)

شکار کرنے کو آئے:

جب ہم غجدوان کی جامع مسجد سے نکلنے کے لئے تیار تھے تو پولیس کے ایک بڑے افسر ملنے کے لئے تشریف لائے۔ سب لوگوں کے سامنے بتانے لگے کہ کل آپ کے بیان میں ہم اس لئے آئے تھے کہ اگر آپ کوئی سیاسی بات کریں گے تو ہم آپ کو گرفتار کریں گے، اتنے زیادہ لوگ آپ سے بیعت ہوئے کہ انتظامیہ گھبرا گئی۔ متولی صاحب نے یہ سن کر کہا کہ آج مجھے بازار میں کوئی ایسا شخص نظر نہیں آرہا تھا جو ان بزرگوں سے بیعت نہ ہوا ہو۔ ان پر اللہ تعالیٰ کا بڑا ترس ہے۔ پولیس افسر نے کہا کہ ہم پیچھے رہ گئے ہیں، ہمیں بھی اپنا شاگرد بنا لیں۔ فقیر نے پولیس والوں کے قلوب کی نشاندہی کر کے انہیں بھی ذکر و مراقبہ کی تلقین کی۔ اس کے بعد وہ پولیس افسر فرشی سلام کر کے رخصت ہوئے۔ فقیر نے متولی صاحب سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ کہنے لگے کہ یہ ہمارے شہر کے سپرینٹنڈنٹ پولیس ہیں۔ فقیر نے کہا:

شکار کرنے کو آئے شکار ہو کے چلے

وزیر کی فقیر سے ملاقات:

غجدوان سے روانہ ہو کر ہم مسجد امام بخاری پہنچے۔ عین اسی وقت ملائیشیا کے وزیر خارجہ بھی آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے فقیر کو دیکھا تو قریب آکر سلام کے بعد دعاؤں کے لئے کہا، فقیر نے سب حاضرین محفل کے لئے دعا مانگی۔ مولانا جان محمد صاحب نے رات کے کھانے میں بتایا کہ بعد میں وزیر صاحب کہنے لگے کہ اس شیخ کو دیکھ کر دل کو عجیب سا سکون ملا ہے۔ فقیر نے کہا، مولانا! اسی سکون کی پڑیا کی تلاش میں ہی امیر لوگ فقیروں کے دروازے پر آتے ہیں۔ اس کے بعد مولانا جان محمد صاحب کے ہمراہ حضرت تیشہ بابا کی خانقاہ میں پہنچے۔

وہ شاہیں زیر دام آیا:

رات کو حضرت تیشہ بابا نے پھر اپنے خاص کمرے میں فقیر کو سلایا اور خود باہر دروازے پر بیٹھ کر رات گزاری۔ فقیر کو نیند ہی نہیں آرہی تھی۔ ایک مرتبہ باہر نکل کر حضرت تیشہ بابا سے درخواست کی کہ آپ مہربانی فرما کر کسی کمرے میں آرام فرمائیں۔ حضرت تیشہ بابا زار و قطار رونے لگے کہ مجھے قسمت سے یہ سعادت ملی ہے، آپ مجھے اس سے محروم نہ فرمائیں۔

فقیر خاموشی سے واپس کمرے میں آکر لیٹ گیا۔ رات کو تہجد کے نوافل ادا کرنے کے بعد حضرت تیشہ بابا فقیر کے سامنے اس طرح دوزانو بیٹھ گئے کہ گھٹنوں سے گھٹنے مل رہے تھے۔ حدیث جبرئیل میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی نبی علیہ السلام کے سامنے اسی طرح ادب سے بیٹھے تھے۔ حضرت تیشہ بابا فرمانے لگے کہ حضرت! آپ مجھ پر توجہ فرمائیں۔ فقیر نے انہیں مراقب ہونے کے لئے کہا اور پھر

کچھ دیر اللہ اللہ کیا۔ حتی کہ حضرت تیشہ بابا مراقبے کے دوران ہی فقیر سے لپٹ گئے۔ لگتا تھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کے چشمے بہہ رہے تھے۔

نماز فجر کے بعد حضرت تیشہ بابا نے مولانا عبداللہ کو بتایا کہ مجھے ساٹھ سال سے اہل اللہ کی محافل میں بیٹھنے کی سعادت میسر رہی ہے، مگر اس شیخ کی توجہ نے وہ کام کر دکھایا جو بہت مشکل تھا۔ پھر فرمایا کہ اب تو میرا انگ انگ اور رواں رواں اللہ اللہ کر رہا ہے۔ دن میں حضرت تیشہ بابا نے حاضرین محفل کو اپنی تجدید بیعت کے بارے میں خود بتا دیا۔

دوشنبہ سے وفد کی آمد :

اگلے دن حضرت تیشہ بابا کے گھر پندرہ نوجوانوں کا ایک وفد دوشنبہ (تاجکستان) سے آیا۔ جب ان سے ملاقات ہوئی تو اٹھتی جوانیوں کی پیشانیوں پر نور نظر آیا۔

امیر جماعت نے بتایا کہ ہم لوگ اپنے ملک سے اس لئے چلے تھے کہ مختلف مشائخ کے مزارات پر حاضری دیں۔ جب شاہ نقشبندؒ کے مزار پر قصر عارفاں پہنچے تو وہاں کے مؤذن نے ہمیں بتایا کہ پاکستان سے ایک نقشبندی شیخ آئے ہوئے ہیں جن کو دیکھنے سے دل کی گرہ کھل جاتی ہے ہم اس کی باتیں سن کر تڑپ اٹھے۔ سب نے فیصلہ کیا کہ وہ جہاں بھی ہوں ان سے ملنا چاہئے۔ ہم مختلف جگہوں سے معلومات کرتے ہوئے یہاں پہنچے ہیں۔

حضرت تیشہ بابا کی خوشی قابل دید تھی۔ انہوں نے پہلے سب کو چائے پلائی۔ پھر وعظ و نصیحت کا سلسلہ چل نکلا۔ فقیر کی گفتگو کا لب لباب یہ تھا کہ نوجوانی میں عبادت بھری زندگی گزارنے کا بڑا لطف ہے؟ اسی پر مختلف احادیث سنائیں، مشائخ کے

واقعات سنائے، محفل ایسی گرم ہوئی کہ آنکھیں پر نم ہو گئیں پھر فقیر نے سب کو مراقبہ کروایا، اور فارسی کے چند اشعار پڑھے۔ وفد کے نوجوان چونکہ فارسی زبان ہی بولتے تھے اس لئے انہوں نے مرغ نیم بسمل کی طرح تڑپنا شروع کر دیا۔ فقیر کو بھی نہ معلوم کہ کب کے یاد کیے ہوئے فارسی کے اشعار یاد آنے لگے۔ ایک شعر نے تو حد ہی کر دی۔

در جوانی توبہ کردن شیوہ پیغمبری
وقت پیری گرگ ظالم می شود پرہیزگار

(جوانی کے زمانے میں توبہ کرنا پیغمبرانہ طریقہ ہے۔ بڑھاپے میں آکر تو ظالم بھیڑیا بھی پرہیزگار بن جاتا ہے)

مراقبے سے فراغت پر نوجوانوں نے کہا کہ ہماری تین درخواستیں قبول فرمائیں۔ اول تو یہ کہ ہمیں اپنے حلقہء ارادت میں داخل کر لیں، دوسرا یہ کہ ہمیں یہ اشعار کاغذ پر قلمبند کروا دیں تاکہ ان کو بار بار پڑھ کر قند مکرر کا مزہ لیتے رہیں اور تیسرے یہ کہ آپ دوشنبہ آنے کی دعوت قبول کریں۔ فقیر نے سب حضرات کو بیعت کر کے ذکر و مراقبہ کی تفصیل بتائی، اشعار بھی لکھوائے اور بتایا کہ فقیر نے دل میں ارادہ کر لیا ہے کہ دوشنبہ حاضری دوں گا تاہم وقت کا تعین کرنا مشکل ہے۔ آپ اپنا ایڈریس دے دیں اول تو آپ کو تار کے ذریعے اطلاع مل جائے گی، یہ نہ ہوا تو فقیر خود حاضر ہو جائے گا۔ مولانا عبداللہ نے بتایا کہ میں دوشنبہ جا چکا ہوں، انشاء اللہ ہم وہیں پہنچ جائیں گے۔ جب حضرت تیشہ بابا سے پوچھا گیا تو انہوں نے اپنے بڑھاپے کی وجہ سے سفر کرنے سے معذرت ظاہر کی اور فرمایا کہ اگر میری جوانی کی عمر ہوتی تو میں ہرن کی مانند چھلانگیں لگاتا، خوشیاں مناتا، اس شیخ کے ہمراہ دوشنبہ حاضر ہوتا۔ وفد کے نوجوان اگلے دن صبح سویرے رخصت ہوئے۔

حضرت خواجہ محمود انجیر فغنویؒ :

ہم لوگ ناشتے کے بعد زیارات کے لئے چل پڑے۔ سب سے پہلے فغنہ کے علاقہ میں پہنچے۔ یہ بالکل دیہات میں بخارا سے کوئی 50 میل دور ایک جگہ ہے جہاں ایک کنواں ایک گھر اور مسجد ہے۔ قریب ہی خواجہ محمودؒ کا مزار مبارک ہے۔ دور دور تک آبادی کا کوئی نام و نشان نہیں ہے۔ حضرت تیشہ بابا نے بتایا کہ اس علاقے کی انجیر بہت لذیذ ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے حضرت خواجہ صاحب کو لوگوں نے انجیر فغنہ کہنا شروع کر دیا تھا۔ بہر حال ایصال ثواب کے بعد کچھ دیر مراقبہ کیا اور اگلی منزل کے لئے روانگی ہوئی۔

حضرت خواجہ محمد عارفؒ ماہ تاباں :

جب ہم لوگ فغنہ سے رامیتن کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں ایک شہر میں سے گزرنا ہوا۔ حضرت تیشہ بابا نے بتایا کہ یہاں ایک بزرگ خواجہ محمد عارفؒ نامی گزرے ہیں، ان کے چہرے پر اس قدر جمال تھا کہ لوگ انہیں "ماہ تاباں" کہا کرتے تھے، اگر آپ چاہیں تو ہم ان کے مزار پر بھی ایصال ثواب کرتے جائیں۔ فقیر نے کہا

بآں گروہ کہ از ساغر وفا مستند

سلام ما برسانید ہر کجا ہستند

(اس گروہ کو جو کہ وفا کے ساغر سے مست ہے، جہاں کہیں بھی ہو اسے میرا اسلام محبت پہنچادو)

حضرت تیشہ بابا اس شعر کو سن کر تڑپ گئے اور فقیر کو دیکھ کر رحمت رحمت کہنے لگے۔ اس مزار کے قریب حکومت کی طرف سے ایک خوبصورت مسجد ہوائی گئی ہے کیونکہ وقف کی زمین کافی زیادہ ہے اس لئے یہ مزار اس کے کونے میں واقع ہے۔ اس

میں ساری جگہ کے گرد فصیل بنادی گئی ہے۔ یہ جگہ شہر کے اندر آچکی ہے۔ ایصال ثواب اور دعا کے بعد اگلی منزل کی طرف روانہ ہوئے۔

حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنیؒ :

حضرت خواجہ عزیزان علیؒ کا اصلی نام علی تھا عزیزان تخلص تھا کیونکہ فارسی زبان میں اشعار بھی کہا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے عزیزان علی کے نام سے شہرت پائی۔ مشہور ہے کہ حضرت خواجہؒ کے زمانے میں حاکم وقت شہریار کی خوبصورت نوجوان بیٹی بیمار ہو گئی۔ اس کے سارے جسم پر دانے نکل آئے، بہت سارے اطباء نے علاج کیا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ کسی نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ دوا تو کر دیکھی اب دعا بھی کروا دیکھیں۔ چانچہ حاکم وقت اپنی بیٹی کو لے کر حضرت خواجہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت خواجہ صاحبؒ نے پانی دم کر کے دیا اور فرمایا کہ لڑکی اس پانی سے غسل کر لے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس لڑکی کو شفاء عطا فرمائی۔ اس جگہ کا نام اس مناسبت سے ”آرام تن“ پڑ گیا جو وقت کے ساتھ ساتھ رامیتن مشہور ہو گیا۔

حضرت خواجہ صاحبؒ کا مزار پر انوار ایک ٹیلے پر واقع ہے جس کے قریب ہی ایک نالہ بہتا ہے۔ ایصال ثواب کے بعد مراقبہ کیا اور اگلی منزل کے لئے روانہ ہوئے۔

حضرت خواجہ بابا سماسیؒ :

رامیتن سے فقط چند میل کے فاصلے پر حضرت خواجہ بابا سماسیؒ کا مزار پر انوار ہے۔ چاروں طرف کھیت ہی کھیت ہیں۔ حضرت بابا سماسیؒ کا لگایا ہوا باغ اب بھی موجود ہے، اس جگہ پر پانی نہیں ملتا تھا۔ حضرت بابا صاحبؒ نے ایک دن ”اللہ“ کہہ کر زمین پر عصا مارا تو پانی نکلنے لگا۔ بعد میں لوگوں نے کنویں کی سی شکل بنادی۔ اس جگہ پر جوہڑ کی سی شکل میں کھڑا ہوا پانی آج بھی نظر آتا ہے۔ اس کے ارد گرد اونچے اونچے درخت ہیں۔

یہ جگہ اتنی پر سکون، خوبصورت اور آرام دہ ہے کہ فقیر نے پورے سفر میں ذکر کرنے کے لئے ایسی موزوں جگہ اور کہیں نہیں دیکھی۔ اکثر دوستوں کا خیال تھا کہ گل و گلزار کی وجہ سے ایسی کیفیت ہوتی ہے مگر فقیر کا خیال تھا کہ حضرت بابا سماسیؒ پر عشق الٰہی کا غلبہ ایسا تھا لہذا اس کے اثرات آج بھی اس جگہ پر ایسے ہیں کہ ہم جیسے غافل لوگ بھی وہاں جا کر ذکر کی مستی محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ایک صاحب کہنے لگے کہ یہاں پر خواہ مخواہ محبت الٰہی میں جوش محسوس ہو رہا ہے۔ فقیر اپنے خیالات کی دنیا میں تانے بانے بن رہا تھا کہ اس تنہائی میں جب حضرت سید امیر کلالؒ، بابا سماسیؒ کے پاس آتے ہوں گے تو خوب وقت گزرتا ہوگا:

قیس جنگل میں اکیلا ہے مجھے جانے دو
خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

بابا سماسیؒ نے جو مسجد ہوائی اس کے لکڑی کے بنے ہوئے دروازوں میں سے ایک دروازہ اب بھی اصلی حالت میں موجود ہے۔ ایصال ثواب اور مراقبہ سے فارغ ہوئے تو خانقاہ کے متولی نے فرمائش کی کہ میرے گھر دوپہر کا کھانا تناول فرمائیں۔

کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا:

حضرت تیشہ بابا کے مشورے سے ہم نے دعوت قبول کی، متولی صاحب نے قریب قریب کے علماء صلحاء کو بھی مدعو کر لیا، آہستہ آہستہ لوگ اکٹھے ہونے شروع ہو گئے۔ متولی صاحب نے فرمائش کی کہ کچھ بیان کر دیا جائے۔ چنانچہ فقیر نے اپنے اکابرین کے عشق الٰہی کی داستانیں سنانی شروع کیں۔ مولانا جان محمد صاحب نے اس کا ترجمہ کیا، حاضرین بہت لطف اندوز ہوئے۔ جب فقیر نے فارسی کے دو اشعار پڑھے تو مولانا جان محمد ترجمہ کرنے کے دوران بلند آواز سے رونے لگ گئے۔

قال را بگزار مرد حال شو
پیش مرد کاملے پامال شو
صد کتاب و صد ورق در نار کن
جان و دل را جانب دلدار کن

(تو اپنے قال کو مرد حال کے قدموں میں ڈال دے اور مرد کامل کے سامنے اپنے آپ کو پامال کر دے، سو کتابوں اور سو ورق کو آگ میں ڈال دے مگر جان و دل کو دلدار کے حوالے کر دے)

اس کے بعد مولانا کی طبیعت پر اتنا گریہ طاری ہوا کہ مزید بیان نہ ہو سکا۔ حاضرین محفل نے بیعت ہونے کی درخواست کی تو سب حضرات کو کلمات توبہ پڑھا کر سلسلہء عالیہ میں داخل کیا۔ جب مراقبہ اور دعا سے فارغ ہوئے تو مقامی لوگوں سے ملاقات ہوئی۔ ان میں سے ایک بزرگ حاجی بابا بھی تشریف لائے۔ جب تیشہ بابا نے انہیں دیکھا اور انہوں نے تیشہ بابا کو دیکھا تو دونوں حضرات روتے ہوئے بغلگیر ہو گئے۔ بعد میں پتہ چلا کہ دونوں حضرات بچپن کے دوست تھے اور آج 60 سال کے بعد ایک دوسرے سے ملاقات ہوئی۔ دونوں کے پرانوار چہرے دیکھ کر ہم لوگوں کو خوشی ہو رہی تھی۔ پھر بچھڑے دوستوں کے دل کا کیا حال ہو گا، یہ تو وہی بتا سکتے تھے۔ حاجی بابا نے کہا یہ سب اس نقشبندی شیخ کی برکت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ملا بھی دیا اور پیر بھائی بھی بنا دیا۔

جوانوں کی خودی صورت فولاد:

مولانا عبداللہ ایک نوجوان کو فقیر سے ملانے کے لئے لائے اور بتایا کہ یہ وہ خوش نصیب نوجوان ہے جو روسی انقلاب کے زمانے میں پانچ مرتبہ اذان دے کر کھلے عام

نمازیں پڑھتا تھا۔ یہ سن کر فقیر کو حیرت ہوئی۔ پوچھا کہ وہ کیسے ؟اس نوجوان نے اپنی پیٹھ پر سے کپڑا ہٹایا تو ایسے معلوم ہوا کہ اس کی پیٹھ کے ایک ایک انچ جگہ پر زخموں کے نشانات موجود ہیں۔ فقیر نے پوچھا کہ یہ کیا ہے ؟اس نے بتایا کہ جب میں نے پہلی مرتبہ اذان دی تو پولیس والے مجھے پکڑ کر لے گئے اور خوب مارا، میں جان بوجھ کر اس طرح بن گیا جس طرح کوئی پاگل ہوتا ہے۔ وہ جتنا زیادہ مارتے میں اتنا ہی زیادہ ہنستا، ایک وقت میں کئی کئی پولیس والے مارتے مارتے تھک جاتے مگر میں اللہ کے نام پر مار کھاتے ہوئے نہ تھکتا۔ مجھے بجلی کے جھٹکے بھی لگائے گئے میں نے برداشت کر لئے، مجھے کئی کئی گھنٹے برف پر لٹایا گیا، مجھے پوری پوری رات الٹا لٹکایا گیا، گرم چیزوں سے مجھے داغا گیا، میرے ناخن کھینچے گئے مگر میں اس طرح محسوس کرواتا جیسے کہ کوئی پاگل انسان ہوتا ہے، جان بوجھ کر پاگلوں والی حرکتیں کرتا رہتا۔ پولیس والوں نے ایک سال میری پٹائی کرنے کے بعد مجھے پاگل خانے بھجوادیا۔ وہاں بھی ایک سال میں نے اسی طرح گزارا، حتیٰ کہ ڈاکٹر نے لکھ کر دے دیا کہ یہ شخص پاگل ہے، ذہنی توازن خراب ہے، یہ کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا، اپنے آپ میں مگن رہتا ہے، لہٰذا اب اس کو دوبارہ گرفتار نہ کیا جائے۔ اس کے بعد مجھے آزاد کر دیا گیا، میں نے ایک جگہ پر چھوٹی سی مسجد نما جگہ بنائی۔ دن میں پانچ وقت اذانیں دیتا اور پانچ نمازیں کھلے عام پڑھا کرتا تھا۔ فقیر نے اس کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ اور کہا

اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی
ہو جس کے جوانوں کی خودی صورت فولاد

کیمونزم کے اس دور میں جب عام لوگ چھپے پھرتے تھے۔ اللہ کے اس شیدائی کا اس طرح اذان دینا اور نماز پڑھنا کفر کے سینے پر مونگ دلنے کے مترادف تھا۔ عام حالات میں تو انسان یہی سوچتا ہے کہ پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا اور کیمونسٹوں کا طریقہ

بھی یہی تھا۔ مگر جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔ فقیر بار بار اس نوجوان کے چہرے کو دیکھتا اور اس کی ثابت قدمی اور استقامت پر رشک کرتا۔

ازل سے رچ گئی ہے سر بلندی اپنی فطرت میں
ہمیں کٹنا تو آتا ہے مگر جھکنا نہیں آتا

یہ تو کوئی فرشتہ ہے:

جب عام لوگوں سے ملاقات ہوگئی تو کونے میں بیٹھے ہوئے ایک بزرگ اٹھے اور ملنے کے لئے آگے بڑھے۔ ان کے چہرے پر اس قدر انوار کی بارش تھی کہ فقیر بے اختیار کہہ اٹھا

ماهذا بشرا . ان هذا الا ملك كريم

(یہ بشر نہیں بلکہ یہ تو کوئی حسین فرشتہ ہے)

مولانا جان محمد نے تعارف کروایا کہ حضرت! یہ ہمارے علاقے کے وہ عالم ہیں جن کی عمر 93 سال ہے۔ اور یہ پوری زندگی بچوں کو قرآن پاک کی تعلیم دیتے رہے ہیں۔ فقیر نے پوچھا کہ ستر سالہ روسی انقلاب کے دوران بھی؟ تو انہوں نے مسکرا کر کہا جی ہاں حضرت! یہی تو خاص بات ہے۔ فقیر نے پوچھا کہ وہ کیسے؟ مولانا کہنے لگے، حضرت! آپ ان سے خود ہی پوچھ لیجئے۔ فقیر نے ان سے گذارش کی تو انہوں نے بتایا کہ میں گھر میں ایک کمرہ اس طرح بناتا کہ جس کی دوہری دیواریں ہوتیں، دونوں دیواروں کے درمیان چھ سات فٹ کا فاصلہ ہوتا اس میں رضائیاں وغیرہ بھر کر اندر کے کمرے کو ساؤنڈ پروف بنالیتا۔ میں طلباء کو کمرے میں لے کر داخل ہو جاتا اور باہر کے لوگ اس دروازے کو لکڑی سے بند کر دیتے اور اس کے آگے فرنیچر وغیرہ لگا دیتے۔ ہم پوری پوری سردیوں کا وقت اندر گزار دیتے۔ ہماری ساری ضروریات

اندر ہی پوری ہوتیں۔ مجھے بعض اوقات چار چار مہینے تک اپنے گھر کا صحن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ فقیر نے کہا کہ آپ کے جذبے نے تو کمال کر دکھایا۔ ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے فرمانے لگے کہ ، اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اب مجھے سلسلہ ء عالیہ نقشبندیہ میں آپ سے بیعت کا تعلق حاصل ہوا ہے ، انشاء اللہ قیامت کے دن آپ کے وسیلہ سے میری مغفرت ہو جائے گی۔ فقیر نے کہا کہ جی ہاں ، اگر اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن فقیر سے پوچھا کہ دنیا سے کیا لائے تو فقیر آپ کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر دے گا۔ اس بات پر سب حاضرین نے بے اختیار رونا شروع کر دیا۔ حاضرین اس طرح زار و قطار رو رہے تھے کہ باہر کے لوگ سمجھتے کہ شاید کسی کی وفات پر رو رہے ہیں ، مگر ہم لوگ تو اپنی مردہ دلی کا رونا رو رہے تھے۔ بالآخر وہاں سے روانہ ہو کر حضرت تیشہ بابا کے گھر پہنچے۔ عشاء کے بعد آرام کیا۔

دعوت ہائے شیراز :

اگلے دن صبح دس بجے حضرت تیشہ بابا کے گھر سے مسجد ابو حفص کبیر کی طرف چلے تاکہ خانقاہ میں جمع ہونے والے احباب سے ملاقات ہو جائے۔ راستے میں بخارا کے ایک صاحب حبیب اللہ جان کھڑے تھے۔ انہوں نے دیکھ کر ہاتھ کے اشارے سے گاڑی روکی۔ پہلے تیشہ بابا سے مصافحہ کیا پھر فقیر کی طرف آئے اور اصرار کرنے لگے کہ آپ باہر نکل کر مجھے اپنے سینے سے لگائیں۔ ان کے اصرار کو دیکھتے ہوئے فقیر باہر نکل کر ان سے ملا۔ اس کے گھر کی مستورات دور دروازے میں کھڑی یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے چھوٹی بچی کو بھیجا کہ اس مہمان کو ہرگز نہ جانے دیں ، جب تک یہ ہمارے گھر سے دوپہر کا کھانا نہ کھائیں ، اور ساتھ ہی انہوں نے ہمارے سامنے ایک بکری کو ذبح کر ڈالا۔ مولانا جان محمد کہنے لگے کہ حضرت ! یہ عورتیں بازی جیت گئیں۔

فقیر نے پوچھا، کیسے ؟ کہنے لگے کہ بخارا کا دستور ہے کہ جب کسی مہمان کو دیکھ کر گھر والے جانور ذبح کر دیں تو وہ اس کا گوشت کھائے بغیر وہاں سے نہیں جاسکتا۔ اب چاہے جو بھی ہو ہمیں ان کے گھر رکنا پڑے گا۔ فقیر نے تیشہ بابائی طرف دیکھا تو وہ مسکرائے کہ دیکھا عورتوں نے کیسی چال چلی ہے۔ اتنے میں عورتوں نے ایک بچے کے ہاتھ پیغام بھجوایا کہ اگر یہ مہمان گھر قیام کا ارادہ فرمائیں تو ہر دن ایک جانور ان کی ضیافت کے لئے ہم قربان کرنے کو تیار ہیں۔

چارو ناچار ہمیں حبیب اللہ جان کے گھر رکنا پڑا۔ لیکن عجیب بات تو یہ تھی کہ بس آدھے پونے گھنٹے میں بھنا ہوا اور ابلا ہوا گوشت ہمارے سامنے حاضر تھا۔ فقیر اس بات پر اور زیادہ حیران ہوا۔ صاحب خانہ سے پوچھا کہ یہ گوشت اتنا جلدی کیسے تیار ہو گیا۔ اس نے مسکرا کر کہا، آج آپ میرے ہاں قیام فرمائیں، کل ہم دوسری بکری ذبح کریں گے اور آپ کے سامنے گوشت تیار کریں گے، تاکہ آپ کو پتہ چل جائے۔ فقیر نے کہا بہت بہت شکریہ۔ ہم دعوت شیراز کھانے والے فقیروں کو کیا پتہ کہ اہل بخارا کے دل میں مہمان کا کتنا اکرام ہوتا ہے ؟ فقیر کو فرمان نبوی ﷺ یاد آرہا تھا۔

من كان يؤمن بالله و اليوم الاخر فليكرم ضيفه

(وہ شخص جو ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر پس چاہئے کہ اس کا اکرام کرے)

فرنگی دوشیزہ سکون کی تلاش میں :

ظہر کی نماز مسجد ابو حفص کبیر میں آکر پڑھی تو خطیب صاحب نے بتایا کہ کل ایک انگریز لڑکی آپ سے ملنے کے لئے یہاں آئی تھی مگر آپ یہاں موجود نہیں تھے۔ تھوڑی دیر بعد غجدوان سے فون آیا کہ ایک انگریز لڑکی حضرت سے ملنے کے لئے یہاں

بھی آئی تھی۔ اسی دوران مدرسہ میر عرب کے اساتذہ کا وفد ملنے کے لئے آیا۔ انہوں نے تفصیل بتائی کہ انگلینڈ سے انگریزوں کا ایک گروپ سمرقند و بخارا کی سیر کے لئے آیا ہوا ہے۔ ان میں سے ایک جوان لڑکی جب شاہ نقشبندؒ کے مزار پر قصر عارفاں پہنچی تو اس نے امام خطیب سے کچھ سوالات پوچھے۔ امام خطیب نے اسے آپ کے متعلق بتایا کہ پاکستان سے ایک نقشبندی شیخ چند دنوں کے لئے بخارا آئے ہوئے ہیں، آپ کے بقیہ سوالات کے جوابات وہ دیں گے۔ چنانچہ وہ لڑکی آپ کی تلاش میں غجدوان بھی گئی، ابو حفص کبیر کی مسجد میں بھی آئی، مدرسہ میر عرب بھی پہنچی اور جب ہم نے اسے بتایا کہ کل آپ کا آخری دن ہے تو بڑی افسردہ ہوئی کہ کسی طرح میری ان سے ملاقات ہو جاتی تو کتنا اچھا ہوتا! بہر حال وہ آج کا دن ٹورسٹ ہوٹل بخارا میں ٹھہرے گی، اگر اسے پتہ چل جائے کہ آپ اس جگہ پر ہیں تو وہ بھاگی آئے گی۔ اب چونکہ آپ کے جانے کا پروگرام ہے تو ہمارا مشورہ ہے کہ آپ جاتے ہوئے راستے میں کچھ دیر رک کر اس سے مل لیں، ہمیں اس میں طلب نظر آئی ہے۔

فقیر نے مسجد کے نمازیوں کی طرف سے دی گئی پلاؤ پارٹی کو مختصر کیا اور مولانا عبداللہ کے ہمراہ ٹورسٹ ہوٹل پہنچا۔ جب کاؤنٹر سے معلومات حاصل کیں تو انہوں نے کہا کہ اتنے بڑے ہوٹل میں سینکڑوں لوگ مختلف ممالک سے آئے ہوئے ہیں۔ ہمیں نام معلوم ہو تو کچھ بتا سکتے ہیں۔ فقیر نے کہا کہ انگلینڈ کا ایک گروپ آیا ہوا ہے۔ کاؤنٹر والی لڑکی نے تھوڑی دیر اپنا رجسٹر دیکھنے کے بعد بتایا کہ ہاں وہ گروپ آج یہاں سے 50 میل دور ایک جگہ دیکھنے گیا ہوا ہے، کمروں کی چابیاں ہمارے پاس ہیں۔ یہ سن کر ہمیں بہت افسوس ہوا۔ مولانا عبداللہ کہنے لگے کہ حضرت! ہمیں بسطام اور خرقان بھی جانا ہے، وہاں بھی کافی وقت لگے گا، لہٰذا سفر شروع کرنا چاہئے۔ فقیر نے سوچا کہ چلو اس لڑکی کو غائبانہ توجہ ہی دے دیتے ہیں۔ ابھی دو تین منٹ ہی گزرے

تھے کہ کاؤنٹر والی لڑکی نے اشارے سے فقیر کو بلایا۔ مولانا عبداللہ اس کے پاس گئے تو وہ کہنے لگی کہ اس گروپ کی ایک عورت کمرے میں موجود ہے ابھی اس نے فون پر مجھ سے بات کی ہے، میں اس سے پوچھوں؟ جب پتہ کیا تو وہی لڑکی نکلی جو ملنا چاہتی تھی۔ فقیر نے اس سے فون پر بات کی تو وہ پوچھنے لگی کیا آپ میرے کمرے میں تشریف لائیں گے؟ فقیر نے کہا کہ اگر آپ نیچے آجائیں تو یہاں لاؤنج میں بیٹھ کر بات کر لیں گے۔

تھوڑی دیر بعد ایک لڑکی سر پر سکارف باندھے، عربی لباس پہنے نیچے آئی اور فقیر سے پوچھنے لگی کہ کیا آپ شیخ ذوالفقار احمد نقشبندی ہیں؟ فقیر نے کہا، جی ہاں۔ کہنے لگی کہ میں تین دن سے پاگلوں کی طرح آپ کے پیچھے پیچھے پھر رہی تھی۔ فقیر نے کہا کہ عربی کا مقولہ ہے من جهد فوجد (جو شخص کوشش کرتا ہے سو وہ پالیتا ہے) یہ سن کر وہ اچھل پڑی اور کہنے لگی کہ میں بہت خوش ہوں کہ اتنے بڑے شیخ سے بات کرنے کی سعادت حاصل کر رہی ہوں۔ فقیر نے پوچھا کہ آپ کیا چاہتی ہیں؟ کہنے لگی کہ سکون چاہتی ہوں۔ فقیر نے کہا کہ سکون تو سکون والے کاموں سے ملے گا۔ کہنے لگی، آپ یورپ کے ماحول کو جانتے ہوں گے، میں نے اپنی ہر خواہش کو پورا کر کے دیکھا ہے، ہر وہ کام کیا جو نفس نے چاہا مگر نتیجہ بے سکونی کی شکل میں نکلا۔ پھر میں نے سکون کی تلاش کے لئے بہت مطالعہ کیا۔ مجھے معلوم ہوا کہ اسلام میں مشائخ صوفیاء کے دلوں میں بڑا سکون ہوتا ہے، تو میں نے ذکر کے سلاسل کے متعلق پڑھا۔ ذکر جہر کرنا تو میرے ماحول میں ممکن نہیں تھا، البتہ نقشبندیہ طریقہء ذکر مجھے اچھا لگا، وہ میں کرتی ہوں۔ فقیر نے پوچھا کہ آپ مراقبہ کرتی ہیں؟ کہنے لگی جی ہاں۔ پوچھا روزانہ کتنی دیر کرتی ہیں؟ کہنے لگی کہ کئی مرتبہ کرتی ہوں۔ اگر سب کو شامل کروں تو تقریباً تین گھنٹے بن جائیں۔ یہ سن کر فقیر حیران ہوا۔ کہنے لگی کہ میں خلوت در انجمن، نظر بر

قدم، سفر در وطن اور ہوش در دم وغیرہ کو بھی سمجھتی ہوں ، البتہ شاہ نقشبندؒ کی اصطلاحات وقوف قلبی ، وقوف عددی اور وقوف زمانی کے بارے میں مجھے مزید سمجھا دیں۔ فقیر ایک انگریز لڑکی کی زبان سے یہ الفاظ سن کر حیران تھا۔ واقعی طلب ہو تو ایسی، بہر حال فقیر نے اس کو تفصیلات بتائیں۔ تقریباً دو گھنٹے وہ اپنی زندگی کے متعلق بتاتی رہی اور فقیر کی زندگی کے متعلق سوالات پوچھتی رہی۔ پھر کہنے لگی کہ میرا بخارا آنے کا مقصد آج پورا ہو گیا، میں آپ سے مستقل رابطہ رکھنا چاہتی ہوں۔ فقیر نے اپنا ایڈریس اس کو دیا اور اس نے اپنا ایڈریس فقیر کو دیا۔ ہم لوگوں کو پہلے ہی کافی دیر ہو چکی تھی لہٰذا جلدی سے گاڑی کی طرف بھاگے۔ وہ ہمارے ساتھ گاڑی تک آئی اور فرشی سلام کر کے رخصت ہوئی۔

حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ :

حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے عظیم المرتبت بزرگوں میں سے تھے۔ ان کے متعلق حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا۔

> ”بایزیدؒ کا مقام اولیاء اللہ میں ایسا ہے جیسے کہ جبرئیل علیہ السلام کا مقام ملائکہ میں“

بخارا سے سمرقند جاتے ہوئے راستے میں ایک جگہ کارن ٹپہ کہلاتی ہے، یہاں پر ایک شہر آباد ہے۔ اس شہر کے بڑے قبرستان کے ایک ٹیلے پر حضرت خواجہ صاحبؒ کا مزار پر انوار واقع ہے۔ جب ہم لوگ وہاں حاضر ہوئے تو مسجد میں دو رکعت نفل پڑھے اور ایصال ثواب کے بعد مراقبہ کیا۔ خاموشی تھی، تنہائی تھی، فیضان کی بارش تھی۔

؎ شمع مزار ہے نہ کوئی سوگوار ہے

تم جس پہ رو رہے ہو وہ کس کا مزار ہے

مراقبہ کے بعد وہاں سے رخصت ہوئے۔ قبرستان کا دروازہ لکڑی کا بنا ہوا ہے اور اس قدر نقش و نگار بنے ہوئے ہیں کہ آدمی حیران ہی رہ جائے۔ یہاں کے قبرستانوں میں ایک عجیب بات دیکھی اور سنا ہے کہ یہ رسم کیمونسٹوں سے چلی اور مسلمانوں نے بھی اپنالی۔ ہر قبر کے سرہانے پتھر پر نام لکھا ہوتا ہے اور اس صفائی سے اس بندے کی تصویر بنی ہوتی ہے کہ جیسے کسی نے اس کا فوٹو چپکا دیا ہو۔ فقیر نے علماء کے سامنے نشاندہی بھی کی کہ عوام الناس کو اس خلاف شرع کام سے روکنا چاہئے۔ مگر ایک صاحب نے جواب دیا کہ مقامی انتظامیہ کی طرف سے ہر قبر پر یہ پتھر لگانا ضروری ہوتا ہے۔ فقیر نے سوچا کہ چونکہ کیمونسٹوں کو پتہ تھا کہ ہم لوگوں کے دین میں یہ جائز نہیں ہے اس لئے شاید وہ دین دشمنی کی وجہ سے اس کا اہتمام کرواتے ہوں۔

چائے بھی اور چاؤ بھی :

جب بسطام سے خرقان کی طرف روانہ ہوئے تو مولانا عبداللہ نے یاد کروایا کہ حضرت! ہم نے مسجد شاہِ نقشبند کے مؤذن سے وعدہ کیا تھا کہ بخارا سے سمرقند جاتے ہوئے آپ کے ہاں تھوڑی دیر رکیں گے اور چائے پی کر آگے جائیں گے۔ فقیر نہ تو چائے پینے کا عادی تھا اور نہ ہی رکنے کو جی چاہتا تھا مگر اوفوا بالعقود (وعدے کو پورا کرو) کے الفاظ نے بریک لگوادی۔ ہم ایک گاؤں ککان میں پہنچے جہاں عبدالواحد کا گھر تھا۔ ایک چاردیواری میں آٹھ دس گھر بنے ہوئے تھے۔ یہاں کا دیہاتی ماحول ہمارے ملک کے دیہاتی ماحول سے کافی ملتا جلتا ہے۔ البتہ چند باتوں میں فرق ہے؛ ایک تو وسط ایشیا کے دیہات کا ہر مرد اور ہر عورت اور ہر بچہ پڑھا لکھا ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص ٹریکٹر چلاتا پھر رہا ہو اور آپ اس سے کسی جگہ کے بارے میں پوچھیں تو وہ آدمی جیب

سے کاغذ قلم نکال کر ڈرائینگ بنا کر آپ کو ایڈریس سمجھائے گا۔ اس جگہ کا قانون ہے کہ آٹھ سال کے بچے کو پانچ سالہ کورس میں داخلہ لینا لازمی ہے۔ اگر والدین نہ کروائیں تو انہیں جیل بھیجا جاتا ہے۔ اس کے بعد لڑکوں کو دو سال فوج کی لازمی ٹرینگ دی جاتی ہے۔ البتہ اس کے آگے کی تعلیم اپنی مرضی پر منحصر ہے۔ اس وجہ سے یہاں بکریاں چرانے والا آدمی بھی پڑھا لکھا ہوتا ہے۔

دوسرا بڑا فرق یہ ہے کہ یہاں بجلی، پانی سڑکیں دیہاتوں بلکہ کھیتوں کے اندر تک موجود ہیں۔ ٹیلیفون کی سہولت عام ہے۔ جب عبدالواحد کے گھر پہنچے تو علاقے کے دو صوفی منش حضرات بھی ملنے کے لئے تشریف لائے۔ جو عمر میں بڑے تھے انہوں نے بتایا کہ وہ نقشبندیہ سلسلہ میں کسی شیخ کے خلیفہ ہیں۔ دوسرے نوجوان تھے اور انہیں خواب میں کثرت سے نبی علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوتی تھی۔ مولانا عبداللہ نے جب ان لوگوں کو بخارا اور غجدوان کے حالات سنائے اور حضرت تیشہ بابا کے بیعت ہونے کے متعلق بتایا تو ان دونوں حضرات نے بیعت کی خواہش ظاہر کی۔ فقیر نے انہیں چائے پینے کے بعد بیعت کے کلمات پڑھائے اور مراقبہ کروایا۔

اس بستی کی مسجد میں ختم خواجگان قائم کرنے کی اجازت دی۔ عبدالواحد نے رخصت ہوتے ہوئے جس محبت سے فقیر کے دھڑا دھڑ بوسے لئے اس کی وجہ سے اس کی چائے تو یاد ہو نہ ہو اس کا چاؤ ہمیں یاد آتا ہے۔

حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی ؒ:

بسطام سے خرقان جاتے ہوئے فقیر اپنے خیالات میں گمن تھا کہ اتنے میں کار کا ٹائر پنکچر ہو گیا۔ باہر نکل کر دیکھا تو دوسرا ٹائر بھی کمزور نظر آیا۔ مولانا عبداللہ سے

مشورہ ہوا کہ اس ڈرائیور کو واپس بخارا بھیج دیا جائے اور اگلا سفر اللہ توکل کسی بس یا ٹیکسی وغیرہ پر کر لیا جائے۔ چنانچہ سڑک کے کنارے کھڑے ابھی تین منٹ بھی نہیں گزرے ہوں گے کہ ایک گاڑی رکی جس میں ایک نوجوان گاڑی چلا رہا تھا اور ایک روسی میم صاحبہ پیچھے بیٹھی ہوئی تھی۔ ڈرائیور نے مولانا عبداللہ سے پوچھا کہ آپ لوگ کیوں کھڑے ہیں؟ مولانا نے بتایا کہ خرقان جانا ہے لہذا ٹیکسی کے انتظار میں کھڑے ہیں۔ اس نے کہا کہ اس مین روڈ پر آپ کو ٹیکسی کیسے ملے گی؟ میم صاحبہ کہنے لگی کہ ہم ان کو اپنے ساتھ کیوں نہیں لے جاتے؟ چنانچہ میم صاحبہ اگلی سیٹ پر آ بیٹھی اور انہوں نے ہمیں پیچھے والی سیٹ پر بیٹھنے کے لئے کہا۔ ہم لوگوں نے خدائی مدد سمجھتے ہوئے سامان گاڑی میں رکھا اور پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ جب گاڑی چلی تو تعارف ہونے پر پتہ چلا کہ گاڑی چلانے والے کسی شہر کی حکومت کے بڑے افسر ہیں، میم صاحبہ ان کی بیگم ہیں اور یہ راستے کے ایک شہر نوائی کے رہنے والے ہیں جو ازبکستان کے مشہور شاعر علی شیر نوائی کے نام پر رکھا گیا ہے۔ ہم نے سوچا چلو کچھ سفر تو آرام سے طے ہوگا، آگے اللہ مالک ہے۔ جب نوائی پہنچے تو نوجوان نے کہا کہ آپ ہمارے گھر چلیں، ہمارے والد آپ سے مل کر خوش ہوں گے۔ چنانچہ جب ان کے گھر پہنچے تو ان کے والد واقعی اہل اللہ کے قدردان اور نہایت نیک آدمی تھے۔ انہوں نے تھوڑی دیر میں چائے پلائی اور فرمایا کہ دوپہر کا کھانا ہمارے ہاں کھا کر جائیں۔ ہم نے سفر کا عذر پیش کیا تو اس نے کہا، ہم آپ کو اپنی گاڑی پر خرقان لے کر جائیں گے۔ جانے اور آنے میں دو گھنٹے لگ جائیں گے اتنے میں کھانا تیار ہوگا۔

جب نوائی سے چل کر خرقان پہنچے تو دیکھا کہ شہر کا قبرستان ایک بڑی نہر کے کنارے پر واقع ہے۔ قبرستان میں فصل کاشت کی گئی تھی۔ حضرت خرقانیؒ کا مزار

ایک باغ کے اندر بنی ہوئی مسجد کے قریب واقع تھا۔ قبر اندازاً دس میٹر لمبی تھی۔ ایصال ثواب کے بعد مراقبہ کیا، عجیب پر سکون ماحول تھا۔ فقیر سوچ رہا تھا کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں سلطان محمود غزنوی جیسے وقت کے فرمانروا اس فقیر بے نوا کی خدمت میں حاضری دیتے تھے۔ فقیر نے احباب کو حضرت خواجہؒ کے چند واقعات سنائے۔ واپسی پر نوائی میں دوپہر کا کھانا کھایا اور ٹیکسی کے ذریعے سمرقند پہنچے۔

ارگت کا سفر :

دن کے تقریباً گیارہ بجے مولانا عبداللہ، غجدوان کے حضرت گل بابا اور مسجد امام بخاری کے خدائے بردہ کے ہمراہ فقیر ارگت کے سفر پر روانہ ہوا۔ یہ سمرقند سے چالیس کلو میٹر پہاڑ کی وادی میں واقع ایک شہر ہے۔ اس شہر میں لوہے کا کام بہت زیادہ ہوتا ہے۔ یہ علاقہ اپنی سرسبزی اور شادابی میں اپنی مثال آپ ہے۔ اندازاً بارہ بجے بستی کنگلک پہنچے جو بالکل دامان کوہ میں واقع ہے۔ جس گھر میں قیام کیا اس میں شیشے کا ایک بالا خانہ بنا ہوا تھا جس سے چاروں طرف کا منظر نظر آتا تھا۔ اس میں فقیر کو ٹھہرایا گیا۔ جدھر نظر پڑتی ادھر ہی سبزہ اور پھول، قریب پہاڑیوں پر سفید سفید برف نظر آتی۔ گلاب کے پھول اتنے بڑے کہ جیسے پڑا پیالہ ہوتا ہے۔ سنا ہے کہ نبی علیہ السلام کو گلاب کے پھول کی خوشبو پسند تھی۔ اسی لئے مولانا قاسم نانوتویؒ بھی اسے پسند فرماتے تھے۔ فقیر بھی ان پھولوں کو محبت سے دیکھتا رہا۔ عجیب بات تو یہ تھی کہ یہاں کی خود رو گھاس پر بھی چھوٹے چھوٹے خوشبودار پھول لگتے تھے۔ مختلف رنگ کے پھول اتنے خوبصورت کہ دل چاہتا تھا کہ ان کو دیکھتے ہی رہیں۔ سبزے کو اس زمین کے ساتھ کوئی خاص مناسبت تھی۔ خشک میوہ پیش کیا گیا تو بادام بھی بڑے بڑے اور

لذیذ، اخروٹ بھی مزیدار، پانی نہایت ٹھنڈا کہ جی چاہے پیتے رہیں۔ یہ جنت نظیر علاقہ دنیا کا انوکھا علاقہ تھا۔

میزبان نے قریبی بستی کے علماء و صلحاء کو مدعو کر رکھا تھا۔ ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد فقیر نے بیان کیا، مولانا عبداللہ نے ترجمانی کی۔ تقریباً تین بجے میزبان نے کہا کہ گاڑی تیار ہے، آپ کو قریبی پہاڑی پر لے جانا ہے، واپسی پر عصر کی نماز جامع مسجد میں پڑھیں گے۔ یہ سفر بھی عجیب تھا، گاڑی آبشاروں کے پانی میں سے گزرتی ہوئی، بل کھاتے راستوں سے ہوتی ہوئی ایک منزل پر پہنچی، یہاں کسی بزرگ کا مزار تھا۔ اتر کر فاتحہ پڑھی، ماحول اتنا پرسکون کہ خود بخود مراقبہ کرنے کو جی چاہے۔ فقیر نے اس جگہ پر حضرت گل بابا کو مراقبہ معیت تلقین کیا۔ مشاربات کے اسباق انہوں نے پہلے کسی شیخ سے طے کئے ہوئے تھے۔ فقیر نے لطیفہ قلب سے اسباق شروع کروائے، نفی اثبات پر اچھا وقت لگوایا۔ بوڑھے آدمی تھے مگر مجاہدہ برداشت کر گئے۔ فقیر کی روک ٹوک برداشت کرتے، آداب محفل کی کوتاہی پر فوراً معذرت کرتے اور بار بار روتے کہ کاش یہ محفلیں ہمیں جوانی میں نصیب ہوتیں۔ ایک مرتبہ فقیر کسی بات پر غصے ہوا تو آگے بڑھ کر گلے لگ گئے، بار بار رخسار اور پیشانی کو چومتے، مناتے اور کہتے کہ زبان نہ سمجھنے کی وجہ سے مجھ سے غلطی سرزد ہوئی۔ ان کا خلوص دیکھ کر ان کے لئے دل سے خوب دعائیں نکلتیں۔ مولانا عبداللہ کو کم عمری کی وجہ سے لطائف میں آہستہ آہستہ چلا رہے تھے۔ مولانا میں خدمت کا جذبہ بہت تھا۔ ارکت کے اس سفر میں مولانا عبداللہ نے ازبکی ٹوپی چھوڑ کر عمامہ باندھنا شروع کیا۔ سنت کے زندہ ہونے پر بہت خوشی ہوئی۔

عصر کی نماز ارکت کی جامع مسجد میں پڑھی۔ فقیر نے بیان کیا اور مولانا نے

ترجمانی کی۔ بیان کے بعد امام مسجد نے بیعت کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا۔ بس پھر کیا تھا نمازیوں کی تو لائن ہی لگ گئی۔ عشاء تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ پھر میزبان کے گھر آ کر سوئے۔

شہر سبز کا سفر :

2 جون 1992ء کو شہر سبز کے سفر کے لئے روانہ ہوئے۔ سمرقند اور شہر سبز کے درمیان میں ایک پہاڑ ہے۔ اگر سرنگ کھودی جائے تو شاید ایک شہر سے دوسرے شہر کا فاصلہ منٹوں میں طے ہو جائے مگر پہاڑ کی وجہ سے اب یہ گھنٹوں میں طے کرنا پڑتا ہے۔ پہاڑ بھی سرسبز ہے اور شہر بھی اسم با مسمٰی ہے۔ اتنا سبزہ فقیر نے دنیا میں کسی اور شہر میں نہیں دیکھا۔ سڑکوں کے اندر سے گھاس اگتی دکھائی دیتی ہے۔ بعض جگہوں پر کنکریٹ کے فرش ہوتے ہیں ان میں سے بھی گھاس اپنا سر نکال لیتی۔ امیر تیمور اسی علاقے میں پیدا ہوا۔ پہاڑی سفر کے دوران بل کھاتے راستے، سرسبز درخت، سرسبز پہاڑ، موسم انتہائی خوشگوار، لوگ انتہائی خوبصورت، شہر کی سڑکیں کھلی کھلی، دونوں طرف باغات دیکھ کر دل کو فرحت ملتی رہی۔ دوران سفر ٹیکسی ڈرائیور سے مولانا عبد اللہ کی بات چیت ہوتی رہی۔ جب شہر میں پہنچے تو ڈرائیور نے پوچھا کہ اس شہر میں آپ کا کوئی واقف ہے؟ ہم نے کہا، نہیں۔ پوچھنے لگا کیوں آئے ہو؟ ہم نے کہا مشائخ کے مزارات پر ایصال ثواب کرنے کے لئے۔ کہنے لگا، پھر آپ پہلے میرے گھر چلیں۔ دوپہر کا کھانا کھائیں۔ بعد میں جہاں آپ کہیں گے وہیں چھوڑ آؤں گا۔

چنانچہ دوپہر کا قیام اس کے گھر پر رہا۔ عصر کی نماز قریبی مسجد میں پڑھی۔ بیان کے بعد امام سمیت کئی نمازی سلسلے میں داخل ہوئے۔ کئی لوگوں نے کھانے کی دعوت

دی۔ ہم نے بتایا کہ فلاں شخص ہمارا میزبان ہے۔ لوگ اس سے اجازت مانگنے کے لئے منت سماجت کرنے لگے۔ ڈرائیور کی بیوی نے کہا کہ ہمیں کیا پتہ کہ اتنے معزز مہمان ہیں جن کو گھر لے جانے کے لئے اتنے لوگ تڑپ رہے ہیں۔ اگلے دن ناشتے کے بعد شہر سبز کی زیارات کے لئے نکلے تو سترہ مقامی احباب بھی ساتھ تھے۔

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

قرشی میں عرشی:

3 جون کو شہر سبز سے چل کر قرشی پہنچے۔ یہاں آکر معلوم ہوا کہ شہر کی مساجد ابھی کھلی نہیں ہیں۔ لوگ گھروں میں ہی نماز پڑھ لیتے ہیں۔ ایک نوجوان نے ہمیں دیکھا تو کہا کہ میں آپ کو مسجد دکھاتا ہوں، وہ ہمیں مسجد بلال لے کر گیا۔ یہ مسجد رقبہ میں تو وسیع و عریض تھی مگر اس کی عمارت بوسیدہ ہو چکی تھی۔ یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ چالیس بچوں نے اللہ کے اس گھر کو آباد کر رکھا تھا۔ ان بچوں کا امام ایک لڑکا تھا جس کی عمر 13 سال اور اس کا نام عارف بہرام تھا۔ مغرب کے بعد بیان ہوا تو سب بچے بیعت ہو گئے۔ جب ان بچوں نے گھروں میں جاکر کارگزاری سنائی تو ان کے گھروں سے مستورات مسجد میں آگئیں کہ ہم نے بھی بیان سننا ہے۔ چنانچہ عشاء کی نماز کے بعد مستورات کے لئے بیان ہوا۔ آخر پر انہیں بیعت کے بعد مراقبہ کروایا گیا۔

رات کا قیام ایک عربی نوجوان کے گھر ہوا۔ اس گھر کی عورتیں خوشی کی وجہ سے ساری رات نہ سوئیں۔ فجر کی نماز سے پہلے پندرہ بچے فقیر کو لینے کے لئے آگئے۔ فجر کی نماز سے ظہر تک کا وقت بچوں کے ساتھ مسجد میں گزارا۔ بچوں کو اذان، اقامت،

نماز اور دعائیں وغیرہ سکھائیں۔ محفل ذکر و ختم خواجگان کا اجرا کیا گیا، عارف بہرام کو امیر بنایا گیا۔بچوں نے جب رومال کے عمامے باندھے تو اتنے خوبصورت لگ رہے تھے جیسے کہ آسمان سے اتری ہوئی جماعت ہے۔ فقیر نے کہا کہ قرشی میں عرشی آگئے۔ مولانا عبداللہ اس بات پر بہت خوش ہوئے۔

جزاک روانگی :

5 جون 1992ء جمعہ کے دن جزاک کی جامع مسجد میں پہنچے۔ مقامی مفتی صاحب نے بیان کرنا شروع کر دیا تھا۔ جب ہم لوگ مسجد میں داخل ہوئے تو نمازیوں نے ہمارے لئے راستہ بنانا شروع کر دیا حتیٰ کہ ہم لوگ اگلی صف میں پہنچ گئے۔ خطیب صاحب نے جب فقیر کو دیکھا تو اپنی بات کو وہیں پہ سمیٹ دیا اور بغیر کسی تعارف کے فقیر کا چہرہ دیکھ کر کہا کہ بقیہ بیان ہمارے مہمان شیخ کریں گے۔ فقیر نے بیان کیا اور مقررہ وقت پر ختم کر دیا۔ نمازیوں میں سے ایک صاحب نے کھڑے ہو کر کہا کہ آپ ابھی اپنا بیان اور کریں ہمیں بہت مزہ آرہا ہے۔ چنانچہ بیان لمبا کرنا پڑا۔ نماز کے بعد کافی لوگ سلسلہء عالیہ میں داخل ہوئے۔

جب کھانے کے لئے دستر خوان پر بیٹھے تو فقیر نے دیکھا کہ مدرسہ کے چھوٹے چھوٹے بچے بڑے سلیقہ سے دستر خوان لگا رہے ہیں۔ برتن وغیرہ رکھ رہے ہیں۔ ان بچوں میں تربیتی رنگ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ ایک چھوٹے سے بچے کو خطیب صاحب نے پکارا "ملاں عبدالغفور" تو وہ بھاگا ہوا آیا، فقیر کے لئے یہ بات نئی تھی۔ جب خطیب صاحب سے پوچھا کہ آپ اسے ملاں کیوں کہہ رہے ہیں ؟ تو انہوں نے بتایا کہ کیمونسٹ ظالموں نے دین کو ہر ممکن نقصان پہنچانے کی کوشش کی، حتیٰ کہ

انہوں نے ہمارے وہ القاب جو عزت و شرف کے لئے استعمال کئے جاتے تھے ان کو بہت ہی برے طریقے سے استعمال کرنا شروع کیا تاکہ لوگوں میں ان ناموں سے ہی نفرت ہو جائے، مثلاً "ملاں" کا لفظ وہ ایسے آدمی کے لئے استعمال کرتے جو مخبوط الحواس اور فاتر العقل ہوتا۔ ہم نے اس کا توڑ یہ کیا ہے کہ جو بچہ سب سے زیادہ ذہین اور قابل ہو، اول پوزیشن حاصل کرے اسے ملاں کہتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہر بچے کی تمنا ہے کہ مجھے ملاں کہا جائے۔ فقیر کا دل یہ سن کر باغ باغ ہو گیا۔

ایک مسلمان سے ملاقات:

کھانے کے بعد ایک عالم کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ چھ ہزار مسجدوں کے ائمہ و خطباء کے انچارج ہیں۔ وہ فقیر کو بڑی محبت سے ملے اور فرمانے لگے کہ آپ کے بیان نے ہمارے من کی دنیا کو روشن کر دیا ہے۔ ہمیں ایسی نصیحتیں سننے کی بڑی ضرورت ہے۔ آپ اگر وقت دیں تو جزاک کے اردگرد کی بڑی بڑی جامع مساجد میں آپ کے پروگرام کروائے جا سکتے ہیں۔ فقیر نے پوچھا کہ آپ کا اسم شریف کیا ہے؟ تو فرمانے لگے، مسلمان۔ فقیر نے کہا کہ مسلمان تو سب ہیں۔ فرمانے لگے کہ میرا نام بھی مسلمان ہے۔ فقیر نے کہا کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ آپ نام کے مسلمان ہیں، اس پر سب حاضرین کھلکھلا کر ہنس دیئے۔

فقیر نے سب حاضرین کو بتایا کہ دیکھو اس کی مثال ایسے ہے کہ جیسے سب لوگ اللہ کے بندے ہوتے ہیں مگر بعض لوگوں کا نام عبداللہ رکھ دیا جاتا ہے، اسی طرح سب انبیاء کی امتیں اسلام پر زندگی گزارنے والی تھیں مگر امت محمدیہ کے دین کا نام ہی اللہ تعالیٰ نے اسلام رکھ دیا۔ اس لئے ہم دعا کرتے ہیں

رضينا بالله ربا و بمحمد نبيا و بالاسلام دينا

(ہم راضی ہو گئے ساتھ اللہ کے بطور رب ہونے اور ساتھ محمد کہ بطور نبی ہونے کے اور ساتھ اسلام کے بطور دین ہونے کے)

رات ہم نے وہیں مدرسہ ہی میں بسر کی۔

ذرا چکھ کے دیکھو:

اگلے دن خطیب صاحب نے بتایا کہ اس شہر کی بڑی مسجدیں دو عدد ہیں۔ ایک تو جس میں کل جمعہ کا خطبہ آپ نے دیا، دوسری قریب کے ایک محلے میں واقع ہے اور وہاں آپ کا جانا ضروری ہے۔ فقیر نے پوچھا، کیوں ؟ کہنے لگے کہ وہاں کے خطیب صاحب کے سعودی عرب کے علماء سے تعلقات ہیں اس بنا پر وہ ذکر و سلوک والے سب لوگوں کو بدعتی، مشرک اور گمراہ کہتے ہیں۔ ہم نے بحیثیت دوست کے بہت سمجھایا ہے مگر ان کے کان پہ جوں تک نہیں رینگتی۔ ہمیں ڈر ہے کہ یہ چیز اگر عوام الناس میں آگئی تو ہمارے ہاں بھی آپس کے جھگڑے شروع ہو جائیں گے۔ فقیر نے کہا کہ جیسے آپ حکم دیں۔ انہوں نے فون پر ان خطیب صاحب سے رابطہ کیا اور بتایا کہ پاکستان سے ایک شیخ تشریف لائے ہیں، یہاں لوگوں کو بہت فائدہ ہوا ہے، میرا جی چاہتا ہے کہ آپ کی مسجد میں بھی ان کا بیان ہو جائے۔ خطیب صاحب نے کہا بہت اچھا۔

جب فقیر بہت سارے احباب کے ہمراہ ظہر کی نماز کے لئے وہاں پہنچا تو دیکھا کہ مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی ہے۔ امام صاحب عثمان خان سے ملاقات ہوئی۔ اس کے بڑے صاحبزادے کچھ کھچے کھچے سے نظر آرہے تھے، جیسے کسی کو شک کی نظر سے دیکھ رہے ہوں۔ نماز کے بعد عثمان خان نے اسی کو مترجم بنادیا۔ فقیر نے تزکیہ نفس اور

تصفیہ قلب کے عنوان پر بیان شروع کیا۔ جب دلیل کے طور پر قرآن مجید کی آیات یکے بعد دیگرے پڑھنی شروع کیں تو مجمع کے لوگوں نے جھومنا شروع کر دیا۔ ترجمان صاحب کی طبیعت میں بیزاری اور ناگواری واضح ہونے لگی۔ فقیر دس منٹ بیان کرے تو وہ دو منٹ میں اس کے متعلق خلاصہ بتا دیں۔ اتنے میں مولانا عبداللہ نے حالات کو بھانپ لیا۔ وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور ساتھ آکر اس نوجوان سے کہا آپ تشریف رکھیں بقیہ بیان کا ترجمہ میں کرتا ہوں۔ الحمد للہ، مولانا نے ایسی ترجمانی کی کہ دل خوش کر دیا۔ بیان اور مراقبہ کے بعد فقیر نے دعا کروا دی۔ مولانا نے آہستہ سے پوچھا کہ بیعت کا اعلان کروں۔ فقیر نے کہا، رہنے دیں، امام خطیب مخالفت کریں گے۔ ہمارے پاس کھرا سودا ہے ان کو خود ہی پتہ چل جائے گا۔ مولانا نے اپنے سفر کے تاثرات و مشاہدات بیان کرنا شروع کر دیئے۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ سمرقند و بخارا اور نمنگان اور مرغلان کے بڑے بڑے علماء و مشائخ بیعت کر چکے ہیں تو انہوں نے بھی بیعت ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ جب بیعت کے لئے کپڑا پھیلایا تو امام صاحب اور ان کے بیٹے نے بھی پکڑ لیا اور بیعت کے کلمات پڑھے۔ بیعت کے بعد امام صاحب اور ان کے بیٹے کے قلب پر انگلی رکھ کر فقیر نے اسم ذات کی ضرب لگائی اور کہا کہ یہ ایک نعمت ہے آپ اس کا مزہ چکھ کے دیکھیں۔ جس دکاندار کے پاس کھرا سودا ہوتا ہے وہ نمونے کے طور پر اپنی چیز کا مزہ چکھا دیتا ہے۔ سب دلیلوں سے بڑی دلیل یہی ہوتی ہے۔ حاضرین محفل میں سے چند حضرات اصرار کرنے لگے کہ آج آپ ہمارے مہمان بنیں۔ امام صاحب نے جب دیکھا کہ نمازیوں کے دل ہی اس نے جیت لئے تو فرمایا، نہیں یہ میرے مہمان بنیں گے۔ فقیر نے کہا، بہت اچھا۔ امام صاحب کے گھر پہنچے۔ بہت پر تکلف دعوت کا انتظام کیا گیا تھا۔ گھر میں چیزوں کی ریل پیل، شاہانہ

نقشے مال و دولت کی فراوانی کی نشاندہی کر رہے تھے۔ کھانے کے دوران امام صاحب اپنی زبان سے بول پڑے کہ سعودی عرب کا تعاون حاصل ہے۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ ہر وقت ''یا شیخ'' کا وظیفہ کرنا کیسے ہے ؟ فقیر نے انہیں اس کی تفصیل بتائی کہ بعض جاہل صوفیوں کی باتوں کو بنیاد بنا کر تمام مشائخ کی تردید کر دینا کہاں کا انصاف ہے ؟ سعودی علماء کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ بعض مشائخ کے غلبہء حال میں نکلی ہوئی باتوں کو انہوں نے بنیاد بنا کر تصوف کو خلاف اسلام کہنا شروع کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ تو ''احسان'' کا دوسرا نام ہے۔ کھوٹے کھرے کی تمیز کرنا علماء کا کام ہے۔ الحمد للہ امام عثمان خان کی ایسی ذہن سازی ہوئی کہ انہوں نے باقاعدہ مراقبہ کرنے کا طریقہ سیکھا اور وعدہ کیا کہ آئندہ ہم گمراہ صوفیوں کی مخالفت کریں گے، سب کی نہیں۔ فقیر نے کہا کہ گمراہ صوفیوں کے سب سے بڑے مخالف حضرت مجدد الف ثانیؒ تھے اور فقیر اسی کے خوان کا ریزہ چیں ہے۔ جب انہیں مکتوبات کی چند عبارتوں کے حوالے دیئے تو امام صاحب نے فرمایا، حضرت! آپ کا آنا ہمارے لئے باعث رحمت ہوا، ورنہ تو ہم خود ہی اسلاف کے طریقہ سے ہٹ جاتے۔

اگلے دن فجر کا ناشتہ ایک محلّہ کی مسجد کے امام صاحب کے گھر پر تھا۔ ان کے بیٹے کمال الدین کے ہم سبق اور نمگان کے داؤد خان کے شاگرد تھے۔ اشراق کے وقت امام عثمان خان بھی وہاں پہنچ گئے۔ فقیر نے توحید کے عنوان پر بیان کرنا شروع کیا تو امام صاحب کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ بیان کے بعد عثمان خان نے اپنا ایڈریس دیا کہ حضرت میں آپ سے رابطہ رکھنا چاہتا ہوں آپ مجھے بھی اپنے شاگردوں میں شامل فرمائیں۔ حاضرین محفل کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔

اسی محفل میں علاقہ کے بہت مشہور بزرگ حضرت مخدوم اعظمؒ کی اولاد کے دو

حضرات سعید اکبر اور سعید ابرار بیعت ہوئے۔ بڑے بھائی سعید اکبر صوفی منش اور درویش صفت ہیں۔ علاقے کے لوگوں میں ان کو بڑی قبولیت حاصل ہے۔ انہوں نے اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ فقیر نے قبول فرمائی۔

ظہر کی نماز مسجد کلاں میں پڑھی، نماز کے بعد تقویٰ کے عنوان پر بات ہوئی۔ امام خطیب، نائب امام اور بہت سارے دوسرے نمازی بیعت ہوئے۔ عشاء کا بیان ایک زیر تعمیر بڑی مسجد کے صحن میں ہوا۔ یہاں نوجوان لڑکوں کی اکثریت نظر آئی۔ یہ مدرسہ میر عرب کے ایک استاد مولانا سعید اعظم کی محنت کا نتیجہ تھا۔ بیان کا ترجمہ انہوں نے ہی کیا اور اس کے بعد بیعت ہونے کے لئے وہی سب سے پہلے آگے بڑھے، بس پھر کیا تھا سب حاضرین داخل سلسلہ ہوئے۔ الحمدللہ دو دن میں اللہ تعالیٰ نے سلسلہ عالیہ کی ترویج کا کام خوب لیا۔

اگلے دن یہاں سے روانہ ہو کر تاشقند کے ہوٹل سیاحت میں پہنچے۔ جناب یعقوب تابانی نے کہا کہ حضرت! ہم نے آپ کے سفر کے احوال زبانی سن لئے ہیں، آپ اپنا سفر نامہ تیار کریں تاکہ دوسرے لوگوں کے لئے بھی فائدہ مند ہو سکے۔ فقیر نے ہاں میں جواب دیا۔ عباس خان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ آپ کی خبریں یہاں سب کو پہنچ گئی ہیں۔ ایک اخبار والے آپ کے مشاہدات و تاثرات معلوم کرنے کے لئے بار بار رابطہ کر رہے ہیں۔ اس کی وجہ سے عام لوگوں کو بھی فائدہ ہوگا۔ آپ کل میرے ساتھ چل کر یہ کام ضرور کریں۔

ازبکستان ادبیاتی و صنعتی اخبار کو انٹرویو :

8 جون 1992ء کو عباس خان فقیر کو ایک دفتر میں لے گئے، جہاں اخبار کی مجلس

ادارت کے سب لوگ موجود تھے۔ تقریباً ایک گھنٹے تک سلسلہ ءکلام جاری رہا۔ اگلے ہفتے اخبار کے فرنٹ صفحے پر آدھے صفحے کا انٹرویو شائع کیا گیا اور بیس لاکھ کی تعداد میں نشر ہوا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ بعد کے جتنے سفر کئے لوگ اس اخبار کے انٹرویو کا تذکرہ کرتے رہے۔ دور دراز کے علاقوں کے علماء شہروں میں آکر بیعت ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی اشاعت دین کا بہانہ بنادیا۔

ریڈیو تاشقند کو انٹرویو :

16 جون 1992ء عباس خان کے ہمراہ ریڈیو تاشقند کے مرکزی دفتر میں پہنچے، اردو سیکشن کے ہاشم خان سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے فرمائش کی کہ آپ اپنی تلاوت ریکارڈ کروائیں ہم آئندہ اپنے اردو پروگرام کو شروع کرنے سے پہلے دیا کریں گے۔ چنانچہ فقیر نے چند سورتوں کی تلاوت ریکارڈ کروائی۔ ہاشم خان نے کہا کہ آپ اپنا بیان بھی ریکارڈ کروائیں۔ فقیر نے دو مقالے لکھ لئے تھے، ایک کا نام تھا ''ازبکستان کے علمی ستارے'' جس میں ازبکستان کے علماء و صلحاء کے حالات و واقعات کا دلچسپ مجموعہ تھا۔ ہاشم خان اس کو پڑھ کر اچھل پڑے اور کہنے لگے کہ آپ اتنا اچھا لکھتے ہیں، ہم آپ کو یہاں سے کہیں نہیں جانے دیں گے۔ دوسرے مقالے کا عنوان تھا ''سکون دل حاصل کیجئے'' اس میں ذکر کرنے سے سکون دلکیسے ملتا ہے؟ اس کی تفصیل بتائی گئی تھی۔

واپسی پر عباس خان کہنے لگے کہ میں آپ کو انجینئر اور پیر سمجھتا تھا مگر آج پتہ چلا کہ آپ ادیب بھی ہیں۔ فقیر نے کہا، میاں ادب سیکھنے کی خاطر تو در در کے دھکے کھاتے پھر رہے ہیں۔ مگر وہ ادب نہیں جو شعر و شاعری والا ہوتا ہے بلکہ وہ ادب جس

کو نبی علیہ السلام نے فرمایا

الدین کلہ ادب (دین سارے کا سارا ادب ہی ہے)

کسی عارف نے کہا

ادبوا النفس ایھا الاصحاب

طرق العشق کلھا آداب

باب 3

تاجکستان کا سفر

20 جون 1992ء کو مولانا عبداللہ اور ابو عثمان فقیر کے پاس سیاحت ہوٹل میں تشریف لائے۔ ابو عثمان نے پوچھا کہ حضرت آپ کو یہاں کھانے وغیرہ کی کوئی دقت تو نہیں ہے؟ فقیر نے کہا، بالکل نہیں، اللہ تعالیٰ فقیر کی اوقات سے بڑھ کر اچھا اور اعلیٰ رزق کھلا رہے ہیں۔ پوچھنے لگے کہ آپ کو کھانا کھانے کے لئے نیچے ریسٹورنٹ میں جانا پڑتا ہے؟ فقیر نے کہا، نہیں، یہاں کمرے میں پہنچ جاتا ہے۔ ابو عثمان نے حیرت سے فقیر کے چہرے کو دیکھا تو اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔ ابو عثمان نے دروازہ کھولا تو ایک روسی دوشیزہ گرم گرم کھانا لئے کھڑی تھی۔ اس نے فقیر کو سلام کر کے اجازت مانگی کہ میں دستر خوان لگادوں۔ فقیر نے کہا، ہاں۔ اس نے دستر خوان پر کھانا رکھا، پانی وغیرہ کا انتظام کیا اور پوچھا کہ میں خالی برتن لینے کس وقت آجاؤں؟ فقیر نے کہا، آدھے گھنٹے بعد۔ وہ لڑکی جب چلی گئی تو ابو عثمان کہنے لگے کہ حضرت! میں اور مولانا عبداللہ سوچ رہے تھے کہ آپ کو یہاں پر کھانے کی بڑی دقت ہوگی مگر اب تو ہم نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ آپ کو شاہوں جیسی

عزت سے نوازتے ہیں۔ فقیر نے کہا، آئیں آپ کھانا کھائیں۔

دوپہر کا کھانا کھا کر ہم لوگوں نے تھوڑی دیر قیلولہ کیا، پھر چار بجے ریل گاڑی کے اسٹیشن پر پہنچے۔ ڈاکٹر منصور ہمیں چھوڑنے کے لئے آئے تھے۔ وہاں پہنچ کر پتہ چلا کہ ٹکٹ پر ماسکو کا وقت درج تھا۔ ازبکستان کا وقت ایک گھنٹہ پیچھے ہونے کی وجہ سے ہمیں ایک گھنٹہ انتظار کرنا پڑے گا۔ ہم لوگ کار سے نکل کر قریب ہی کھڑے ہو گئے۔ تھوڑی دیر میں لوگ مصافحہ اور دعا کے لئے فقیر کے گرد جمع ہونے شروع ہو گئے۔

اچانک ایک طرف سے آواز آئی "بھائی ذوالفقار صاحب کیا حال ہیں؟" فقیر نے ادھر مڑ کر دیکھا تو انجینئرنگ یونیورسٹی کے ایک ہم جماعت کو کھڑے پایا۔ ان سے ملاقات ہوئی، بتانے لگے کہ میں آج کل چکوال کے علاقے میں انجینئر ہوں، تبلیغی جماعت کے ساتھ یہاں آیا ہوں، جماعت دوشنبہ جا رہی ہے۔ فقیر سے پوچھنے لگے، آپ یہاں کیسے؟ فقیر نے کہا کہ دوشنبے جانے کا ارادہ ہے۔ پوچھا، آپ پاکستان سے اکیلے آئے ہیں؟ فقیر نے کہا، دیکھنے میں اکیلا مگر حقیقت میں تو اللہ تعالیٰ ساتھ ہے۔ پھر مولانا عبداللہ اور ابو عثمان کو پاس کھڑے دیکھ کر پوچھنے لگے کہ یہ بھائی کون ہیں؟ فقیر نے کہا رفیق سفر ہیں۔ پوچھا کہ آپ ان کو ساتھ رکھنے کے پیسے دیتے ہیں؟ فقیر نے کہا، کیا آپ اپنے ساتھ جماعت میں چلنے والوں کو پیسے دیتے ہیں؟ کہنے لگے، نہیں ہم تو اللہ تعالیٰ کے راستے میں چل رہے ہوتے ہیں۔ فقیر نے کہا، تو کیا ہم شیطان کی راہ پر چل رہے ہیں؟ کہنے لگے کہ میرا مطلب ہے کہ ہم تو دعوت الی اللہ کے لئے جا رہے ہیں، آپ شاید روس کی سیر کر رہے ہوں۔ فقیر نے کہا، اپنی غلط فہمی دور کر لیں، ضروری نہیں ہوتا کہ آٹھ دس بندے ہوں تو جماعت کہلائے کبھی کبھی ایک بندہ بھی جماعت ہوتا ہے۔ **ان ابراھیم کان امۃ** (بے شک ابراہیم ایک امت تھے)۔ اس نے پوچھا کہ آپ یہاں کیا کرتے ہیں؟ فقیر نے کہا، اللہ اللہ کرتا بھی ہوں، کرواتا بھی

ہوں۔ تھوڑی دیر خاموش رہ کر کہنے لگے، آپ ہمارے ساتھ سفر کریں۔ فقیر نے کہا، انشاء اللہ، ایک ہی ریل گاڑی ہے، 20 گھنٹے کا سفر ہے ملاقات رہے گی۔ کہنے لگے، آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دیں۔ فقیر نے کہا، ضرور تیں پوری کرنے والا ہر وقت ساتھ ہے، نہ اسے نیند آتی ہے، نہ اونگھ آتی ہے نہ ہی تھکتا ہے۔ یہ سن کر وہ مسکرائے اور کہنے لگے آپ یونیورسٹی میں بھی ایسی ہی معنی خیز باتیں کرتے تھے۔ فقیر نے کہا تو کیا بے معنی باتیں کیا کروں؟ کہنے لگے، اچھا السلام علیکم۔

مولانا عبداللہ اور ابو عثمان اندازہ لگا چکے تھے کہ فقیر اس نوجوان سے بڑی بے تکلفی سے باتیں کر رہا تھا۔ پوچھنے لگے، حضرت! یہ کون تھے؟ فقیر نے بتایا کہ ہم جماعت تھے۔ انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور ریل گاڑی کے پلیٹ فارم پر جانے کے لئے کاؤنٹر کھل گیا۔

دو شنبہ کا سفر :

وسط ایشیا کی ریاستوں میں ریل گاڑی کا سفر بہت آرام دہ اور محفوظ سفر سمجھا جاتا ہے۔ ریل گاڑی کی سیٹیں بہت اچھی، کمرے صاف ستھرے، ہر کمرے میں چار آدمیوں کے لئے بیٹھنے اور سونے کی جگہ اور ہر چند کمروں پر ایک نگران تعینات ہوتا ہے۔ ریل گاڑی میں بہت بڑا ریسٹورنٹ کا کمرہ ہوتا ہے جہاں کھانے پینے کی سہولت موجود ہوتی ہے۔

جب ہم لوگ گاڑی میں سوار ہوئے تو تین سیٹیں تو ہماری تھیں، چوتھی سیٹ ایک نیم عریاں روسی لڑکی کی تھی۔ اس نے بہت جلد محسوس کر لیا کہ اس کا یہاں گذارا نہیں ہوگا۔ لہٰذا اس نے ساتھ والے کمرے میں جا کر ایک آدمی سے اپنی سیٹ کا تبادلہ کر لیا اور یوں ہم لوگوں کو بھی بیٹھنے اٹھنے کی سہولت ہو گئی۔

ریل گاڑی کے ڈبے اس طرح ملے ہوتے ہیں کہ گاڑی کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اندر ہی اندر جا سکتے ہیں۔ ابھی ہم آپس میں نماز کے اوقات کے متعلق باتیں کر رہے تھے کہ دو نوجوان کمرے میں داخل ہوئے۔ مولانا عبداللہ ان کو دیکھ کر اچھل پڑے اور بڑی محبت سے ان سے گلے ملے۔ پھر فقیر سے تعارف کروایا کہ یہ تاشقند میں طلہ شیخ کے مدرسہ کے طالبعلم ہیں۔ انہوں نے مزید بتایا کہ ہم کم و بیش 50 طلباء ہیں، آج ہمیں مدرسہ سے سالانہ چھٹیاں ہوئی ہیں لہذا ہم سب دوشنبہ جا رہے ہیں۔ طلباء آپ کو ملنے کے لئے آنا چاہتے ہیں۔ فقیر نے کہا بہت اچھا، ہمارا سفر خوب گذرے گا۔ مگر آپ لوگ 6 یا 7 کی تعداد میں آئیں تاکہ کمرے میں آسانی سے بیٹھ سکیں۔ اس کے بعد طلباء نے گروہ در گروہ آنا شروع کر دیا۔ فقیر نے بھی وعظ و نصیحت کا سلسلہ شروع کیا۔ تھوڑی دیر میں تبلیغی بھائی بھی آگئے، جب انہوں نے کمرہ بھرا ہوا دیکھا تو حیران ہوئے۔ فقیر نے انہیں اپنے ساتھ بٹھالیا، وہ وعظ بھی سنتے رہے اور لوگوں کے تاثرات کا جائزہ بھی لیتے رہے۔ طلباء نے بیان کے بعد کہا کہ ہم بیعت ہونا چاہتے ہیں، چنانچہ انہیں سلسلہء عالیہ میں داخل کیا گیا۔ اس کے بعد دوسرا گروپ آگیا۔ پھر تھوڑی دیر بیان کے بعد انہیں بیعت کیا۔ کافی دیر تک رات گئے یہ محفل جاری رہی تو فقیر کے ہم جماعت کہنے لگے، مجھے اندازہ نہیں تھا کہ پروانے شمع پر اس طرح ٹوٹ پڑتے ہیں۔ فقیر نے کہا کہ مقصد ہم سب کا ایک ہی ہے، بس دین کی محنت کے دو مختلف انداز ہیں اور دونوں ٹھیک ہیں۔ ہمیں ایک دوسرے سے محبت و پیار کا تعلق رکھتے ہوئے دین کا کام کرنا چاہئے۔ وہ فرمانے لگے کہ ہماری جماعت کے دوست بھی آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ فقیر نے کہا، میرے لئے بڑی سعادت ہوگی۔ چنانچہ جماعت کے دوست آئے تو ہم سب نے مل کر کھانا کھایا۔

ہم لوگ نماز کے اوقات میں باجماعت نماز پڑھتے رہے۔ سفر دیکھنے میں تو سفر...

مگر اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے وسیلہ ء ظفر بنا دیا تھا۔ 20 گھنٹے کا یہ سفر خدا خدا کر کے ختم ہوا۔ دوشنبہ کے ریلوے اسٹیشن پر اتر کر ٹیکسی لی اور شہر نو کی طرف روانہ ہوئے۔

شہر نو کے تین بھائی :

شہر نو کے تین نوجوان حبیب اللہ، محب اللہ اور مطیع اللہ بخارا میں حضرت تیشہ بابا کے گھر پر بیعت ہوئے تھے اور انہوں نے دوشنبے آنے کی دعوت دی تھی۔ فقیر نے ہاں تو کر دی تھی مگر وقت کا تعین نہ کر سکا۔ اب اسی ایفائے عہد کی بنا پر ان کے گھر جا رہے تھے۔ ارد گرد کا پہاڑی علاقہ بہت خوبصورت تھا، ہر طرف سبزہ ہی سبزہ تھا، گھر نہایت کھلے کھلے تھے۔ ہر گھر کے صحن میں چمن بنا ہوا تھا، دیواروں پر انگوروں کی بیلیں اس طرح چڑھی ہوئی تھیں جیسے کسی نے ان کو دیوار کے ساتھ چپکا دیا ہو۔ برفانی آبشاروں کا پانی چھوٹے چھوٹے نالوں کی شکل میں گھروں کے صحن سے گزر ہوتا تھا۔ یہاں کے لوگوں کی زندگی میں نسبتاً سکون تھا۔ مغربی دنیا کی طرح بھاگم بھاگ والی زندگی یہاں نہیں تھی۔

ٹیکسی جب ایک گھر کے بڑے سے دروازے پر رکی تو مولانا عبداللہ نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ حبیب اللہ نے دروازہ کھولا تو زور سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ اس کی آواز سنتے ہی باقی دونوں بھائی بھی آگئے۔ عورتیں دور کھڑی نظارہ دیکھ رہی تھیں۔ فقیر نے پوچھا کہ آپ کو تار کے ذریعے ہماری آج کی آمد کا پیغام مل گیا؟ تو انہوں نے کہا، نہیں۔ فقیر نے کہا، معاف فرمائیں ہم نے آپ کو پیشگی اطلاع کے بغیر آکر پریشان کیا۔ حبیب اللہ نے جواب دیا آپ پہلے اندر آئیں پھر بات کریں گے۔

مؤمن کی فراست :

جب مکان کے اندر گئے تو ایک کمرے میں تین بستر بچھے ہوئے تھے، دستر خوان

پر تین پلیٹیں رکھی ہوئی تھیں، کمرہ صاف ستھرا جیسے کسی مہمان کی خاطر سجایا گیا ہو۔ جیسے ہی ہم بیٹھے گرم گرم کھانا دستر خوان پر چن دیا گیا۔ فقیر نے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے ؟ حبیب اللہ نے بتایا کہ یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک بزرگ رہتے ہیں ہم کچھ دن پہلے انہیں ملنے کے لئے گئے تو انہوں نے فرمایا کہ فلاں دن تمہارے گھر میں تین مہمان آئیں گے۔ ان میں سے ایک نقشبندی شیخ ہوں گے۔ تم ان کا اکرام کرنا اور مجھے بھی اطلاع کرنا تاکہ میں بھی سلام کے لئے حاضر ہو سکوں۔ آج وہ دن تھا ہم تینوں بھائیوں نے دفتر سے چھٹی لی وگرنہ دن کے اوقات میں ہمارا گھر پر ملنا بہت مشکل ہے۔ الحمد للہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ تین بستر لگے ہوئے ہیں اور کھانے کا انتظام موجود ہے، آپ کھانا تناول فرمائیں۔ ہمارے گھر پر تو رحمت اور برکت کا نزول ہو رہا ہے۔

کھانے سے فراغت پر ہم لوگ گہری نیند سو گئے۔ اٹھنے کے بعد ظہر کی نماز ادا کی تو چائے تیار تھی۔ فقیر نے حبیب اللہ سے پوچھا کہ فقیر کو تاجکستان کے بارے میں کچھ بتائیں، چونکہ اس طرف پہلی مرتبہ آنا ہوا ہے۔

خوبصورت لوگ خوبصورت ملک :

حبیب اللہ نے بتایا کہ کیمونسٹ انقلاب سے پہلے تاجکستان کا شمالی علاقہ 1868ء سے زار روس کے تسلط میں تھا، جب کہ جنوبی علاقہ امیر بخارا کی ریاست کا حصہ تھا۔ انقلاب کے بعد کئی سال تک یہ علاقہ ازبکستان کی سوویت جمہوریہ کا حصہ رہا۔ پھر 1929ء میں سٹالن نے تاجکستان کی جمہوریہ تشکیل دی، اس کی سرحدیں اس طرح کھینچیں کہ سمرقند اور بخارا سمیت آدھا تاجک علاقہ ازبکستان میں شامل کر دیا اور باقی حصے پر نئی جمہوریہ بنا دی۔ چنانچہ ازبکستان میں 80 لاکھ تاجک ہیں جب کہ تاجکستان میں دس لاکھ ازبک رہتے ہیں۔

تاجکستان کی جمہوریہ کا رقبہ صرف ایک لاکھ 43 ہزار مربع کلو میٹر ہے، لیکن اس کی اہمیت اس بنا پر بہت زیادہ ہے کہ اس کے مغرب میں ازبکستان ہے، شمال میں کرغیز ستان ہے، مشرق میں چین اور جنوب میں افغانستان ہے۔ جہاں واخان کی باریک سی پٹی تاجکستان کو پاکستان سے جدا کرتی ہے۔

تاجکستان خوبصورت پہاڑوں کا خوبصورت ملک ہے۔ یہاں کے باشندے بھی خوبصورتی میں اپنی مثال آپ ہیں۔ ان کی زبان فارسی یعنی تاجکی ہے۔ تاجکستان کی آبادی 33 لاکھ کے قریب ہے جن میں سے 17 لاکھ تاجک ہیں باقی ازبک، روسی اور تاتار وغیرہ لوگ ہیں۔

فقیر نے پوچھا کہ دوشنبے کے بارے میں کچھ بتائیں۔ حبیب اللہ نے کہا کہ وادی حصار کے ایک دریا کا نام دوشنبہ ہے اس کے کنارے چھوٹا سا قصبہ دوشنبہ کے نام سے آباد تھا مگر جمہوریہ بننے کے بعد اس قصبے کو شہر بنا دیا گیا۔ درمیان میں اس کا نام سٹالن آباد رکھا گیا تھا مگر پھر بدل کر دوشنبے ہی رکھا گیا۔ یہاں کی ایک بڑی سڑک خیابان رودکی ہے سارا شہر اس کے اردگرد آباد ہے۔

انہی باتوں کے دوران قریبی آبادی سے ملنے والے لوگ آنا شروع ہو گئے تو ہم لوگ ان سے ملاقات میں مشغول ہو گئے۔ مغرب کی نماز کے بعد مسجد میں بیان ہوا لوگ سلسلہء عالیہ میں داخل ہوئے۔ عشاء کے بعد ہم لوگ گھر پہنچے تو مستورات نے بیان کا تقاضا کیا۔ بیان، مراقبہ اور بیعت سے رات کو بارہ بجے فارغ ہوئے اور گہری نیند سو گئے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب چرخیؒ:

سوموار کے دن محب اللہ کے ہمراہ دوشنبے گئے اور حضرت مولانا محمد یعقوب چرخیؒ

کے مزار پُر انوار پر حاضری دی۔ حضرتؒ سے افغانستان کے لوگ اس قدر زیادہ بیعت ہوئے تھے کہ انہوں نے خانقاہ کی خدمت اپنے ذمے لے لی اور ابھی تک خانقاہ کی خدمت افغانستانی باشندے کرتے ہیں۔ مولانا یعقوب چرخیؒ متبحر عالم اور سوز عشق رکھنے والے کاملین میں سے تھے۔ آپ نے قرآن مجید کی تفسیر بھی لکھنی شروع کی تھی مگر مکمل کرنے سے پہلے ہی راہی عدم ہوگئے۔ ایصال ثواب کے بعد جب ملحقہ مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ وہاں فقیر کے ہم جماعت مع دوسرے تبلیغی بھائیوں کے موجود تھے۔ سب خوشی خوشی ایک دوسرے سے ملے۔ فقیر کے ہم جماعت پوچھنے لگے کہ آپ تو تاشقند سے تین حضرات آئے تھے۔ فقیر نے کہا، جی ہاں۔ پوچھنے لگے کہ ابھی تو بیس کے قریب لوگ ہیں۔ فقیر نے کہا، جی ہاں۔ کہنے لگے کہ یہ مقامی لوگ پہلے سے واقف تھے یا ابھی واقف بنے ہیں؟ فقیر نے کہا، ابھی یہاں آنے کے بعد سلسلے میں داخل ہوئے ہیں۔ محبت کی بنا پر ساتھ ساتھ پھر رہے ہیں۔ کہنے لگے کہ ہم آٹھ آدمیوں نے کل سارا دن محنت کی تو صرف چار آدمی تیار ہوئے۔ جب کہ آپ بیس آدمیوں کو ساتھ لئے پھرتے ہیں۔ فقیر نے کہا

؎ ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

(یہ نیک بختی قوت بازو سے حاصل نہیں ہوتی جب تک بخشش کرنے والا خداوند کریم بخشش نہ کرے)

اتنے میں مسجد کے مؤذن آئے اور فقیر سے مل کر کہنے لگے کہ آپ نے جمعہ کی نماز ہماری مسجد میں پڑھانی ہے۔ یہاں بہت زیادہ مجمع ہوتا ہے۔ فقیر نے کہا، بہت اچھا، حکم کی تعمیل ہوگی۔ فقیر کے ہم جماعت نے کہا کہ جمعہ کے دن ہم لوگ دوسری جگہ چلے جائیں گے لہٰذا آپ تھوڑی دیر ہمارے دوستوں کو نصیحت فرمائیں۔ ان کے

اصرار پر فقیر نے علم و ذکر کے عنوان پر چند باتیں گوش گزار کیں۔ محب اللہ صاحب خاموش نگاہوں سے کبھی فقیر کی طرف دیکھتے اور کبھی اپنی گھڑی کی طرف دیکھتے۔ یہ واضح اشارہ تھا کہ ہمیں زیارت کے لئے اگلی جگہ جانا ہے اور وقت تیزی سے گزر رہا ہے۔ چنانچہ فقیر نے دعا کروادی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عوام الناس کی ہدایت کے لئے پوری دنیا میں تبلیغ کے نام سے ہونے والی محنت کشتی نوحؑ کی مانند ہے اور جو شخص اس محنت میں لگ جائے وہ و من دخلہ کان امنا (اور وہ شخص جو اس میں داخل ہو وہ امن والا ہو جائے گا) کا مصداق بن جاتا ہے۔

حضرت خواجہ مخدوم اعظمؒ:

دوشنبے سے روانہ ہو کر وادی حصار میں پہنچے۔ یہ چاروں طرف سے پہاڑوں کے دامن میں پھیلی ہوئی وسیع و عریض زمین کسی زمانے میں ملک حصار کہلاتی تھی۔ اس وقت کے بادشاہ نے یہاں شاہی قلعہ بھی تعمیر کروایا۔ قریب ہی ایک نہایت خوبصورت باغ بھی بنوایا۔ اگرچہ اس وقت تمام عمارتیں کھنڈرات میں تبدیل ہو چکی تھیں تاہم

کھنڈر بتا رہے ہیں عمارت عظیم تھی

انہی محلات کے قریب حضرت خواجہ مخدوم اعظمؒ کا مزار واقع ہے۔ امیر کے محلات کے قریب میں کاخ فقیری کو دیکھ کر حیرت ہوئی۔ فقیر نے اندازہ لگایا کہ شاید وقت کے شاہی خاندان کے افراد حضرت مخدوم اعظمؒ سے بیعت ہوں گے اور خاندانی شیخ کی نسبت سے انہوں نے حضرت کی وفات کے بعد ان کا مزار شاہی محلات کے ساتھ ہی بنوادیا ہوگا۔

جسے اللہ رکھے ...... :

شہر نو میں "تباش" نامی ایک بستی لوگوں کے لئے عبرت کا نشان بنی ہوئی تھی۔ اس بستی کے لوگ کیمونسٹ بن گئے تھے اور عریانی و فحاشی میں حد سے بہت آگے نکل گئے تھے۔ محب اللہ نے بتایا کہ ایک رات اس بستی کے لوگ میٹھی نیند سو رہے تھے کہ اچانک زلزلہ آیا۔ سب لوگ جاگ گئے اور گھروں کے صحن میں نکل آئے۔ کچھ دیر کے بعد زلزلہ ختم ہو گیا تو لوگ کمروں میں آکر دوبارہ سو گئے۔ اچانک دوبارہ اس طرح زلزلہ آیا کہ اس نے بستی کو تہس نہس کر دیا۔ بستی کے سب لوگ مر گئے۔ سوائے ایک دودھ پیتے بچے کے۔ سچ ہے کہ جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔ فقیر نے محب اللہ سے کہا کہ نبی علیہ السلام کی سنت مبارکہ یہی ہے کہ جس جگہ پر عذاب نازل ہوا ہو وہاں سے استغفار کرتے ہوئے تیزی سے نکل جانا چاہئے۔ چنانچہ سب احباب گاڑیوں میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔ اس جگہ پر اتنی وحشت اور ہیبت تھی کہ اس کا اثر تین دن تک ہم اپنے دلوں میں محسوس کرتے رہے۔ آج بھی جب اس تباہ شدہ بستی کا منظر آنکھوں کے سامنے گھومتا ہے تو بدن میں جھر جھری سی آجاتی ہے اور زبان پر یہ آیت جاری ہو جاتی ہے۔

فكاين من قرية اهلكنها و هي ظلمة فهي خاوية على عروشها و بئر معطلة و قصر مشيد

(کتنی بستیاں ہیں جن کو ہم نے ہلاک کیا جو ظلم کرنے والی تھیں سو وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں اور کتنے ہی کنویں ہیں جو بے کار ہیں اور کتنے ہی محل ہیں مضبوط)

عاشق خدا معمار :

23 جون کو شہر نو سے تقریباً 40 کلو میٹر دور واقع ایک قبرستان میں حاضری دی

یہاں پر سلسلہ ء عالیہ نقشبندیہ کے ایک عظیم المرتبت شیخ آرام فرما تھے۔ جن کا نام بھی عارف تھا اور وہ اسم با مسمیٰ بھی تھے۔ حکومت نے اس مزار کو آثار قدیمہ کے تحت محفوظ کیا ہوا تھا۔ اس عمارت کی خاص بات یہ تھی کہ یہ اینٹوں سے بنائی گئی تھی اور بناوٹ کی خوبصورتی میں اپنی مثال آپ تھی۔ فقیر نے جب دیواروں کو غور سے دیکھا تو پتہ چلا کہ اینٹیں اس ترتیب سے جوڑی گئی ہیں کہ چند اینٹیں مل کر اللہ تعالیٰ کا نام ''اللہ'' بن جاتی ہیں۔ سبحان اللہ، ہمارے مشائخ کتنے کامل تھے کہ ان کی خدمت میں رہنے والے معماروں کے دلوں میں بھی اللہ تعالیٰ کی محبت اتنی رچ بس گئی تھی کہ وہ دیوار بناتے ہوئے اینٹیں اس ترتیب سے جوڑتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا نام بن جاتا تھا۔

میں نے تو یونہی خاک میں پھیری تھیں انگلیاں
دیکھا جو غور سے تری تصویر بن گئی

بعض جگہوں پر اینٹوں سے دل کی تصویر بنائی گئی تھی اور اس کے اندر لفظ اللہ لکھا گیا تھا۔ عجیب مستانے لوگ تھے کہ اینٹ گارے کے کھیل میں اپنے مالک و خالق کا نام لکھتے لکھتے دیواریں تعمیر کر دیا کرتے تھے۔

مسجد خواجہ محمد عارف ریوگریؒ:

مزار پر حاضری دے کر فارغ ہوئے تو قریبی قصبہ ریوگر کی جامع مسجد میں ظہر کی نماز ادا کی۔ امام صاحب نے بیان کی فرمائش کی۔ الحمد للہ بیان کے بعد کثیر تعداد میں لوگ سلسلہ ء عالیہ میں داخل ہوئے۔ مقامی لوگوں میں ذکر کے اثرات بہت نمایاں تھے۔ یہاں ایک ایسے صاحب بھی بیعت ہوئے جو صائم الدہر تھے، فقیر نے انہیں ''صوم داؤدی'' کی ترتیب پر عمل کرنے کا مشورہ دیا۔ نوجوان لوگوں کا جوش و خروش دیدنی تھا۔ بیان کے بعد کھانا کھایا، جس کے بعد ایک مقامی بزرگ حضرت ایشاں بابا

بیعت ہوئے۔ فرمانے لگے کہ مراقبہ معیت تک کے اسباق اپنے شیخ سے کئے ہیں، اگلے اسباق کے لئے آپ کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ فقیر نے عرض کیا کہ قاصد کا کام تو ڈاک پہنچانا ہے۔ فقیر تو آپ حضرات کے جوتوں میں بیٹھنے کے قابل بھی نہیں ہے۔اس پر ایشاں بابا رونے لگ گئے تو حاضرین محفل پر بھی گریہ طاری ہو گیا۔

عاشق دا کم رونا دھونا من رون نئیں منظوری
دل رووے چاہے اکھیاں رووّن وچ عشق دے رون ضروری
کوئی تے رووّن دید دی خاطر کوئی روندے وچ حضوری
اعظم عشق وچ رونا پیندا بھاویں وصل ہووے بھاویں دوری

امیر شکور سے ملاقات:

ریوگر سے فراغت پر محب اللہ ہمیں ایک نواب کے گھر لے گئے۔ جنہوں نے رات کے کھانے کی دعوت دی تھی اور مقامی علماء صلحاء کو بھی مدعو کیا تھا۔ ہمیں اس وقت کھانے کی اتنی طلب نہیں تھی جتنی طلب اس بات کی تھی کہ آج مقامی علماء و مشائخ کی زیارت نصیب ہوگی۔ وہاں پہنچ کر تھوڑی دیر آرام کیا، پھر اٹھ کر عصر کی نماز ادا کی۔

عصر کے بعد فقیر نے اپنے مشائخ کے اقوال سنانے شروع کئے تو اتنی دیر میں ایک صاحب دف لے کر آگئے اور پڑھنے لگے۔

دل مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے امتوں کے مرض کہن کا چارہ

آواز میں حیران کن حد تک کشش تھی۔ محفل پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ فقیر کو اس وقت محسوس ہوا کہ یہ لوگ علامہ اقبال کے کلام کے شیدائی ہیں۔ جب غزل ختم ہوئی

تو امیر شکور نے فقیر کی طرف دیکھ کر پڑھا۔

؎ غزل اس نے چھیڑی مجھے ساز دینا
ذرا عمر رفتہ کو آواز دینا

فقیر نے کہا کہ امیر شکور! آپ آج تک باہر کی غزلوں پر ہی فریفتہ رہے ہیں، آئیں آج آپ کے دل کے تار چھیڑ دیں تاکہ اندر کی آواز بھی سن سکیں۔ یہ کہہ کر فقیر نے امیر شکور کے لطیفہ قلب کی نشاندہی کر دی۔ امیر شکور پر جذبہ طاری ہو گیا اور اس نے اونچی آواز میں اللہ اللہ اللہ کہنا شروع کر دیا۔ گھر سے مستورات بھی باہر نکل آئیں، بچے کھیل کود چھوڑ کر قریب آگئے، امیر شکور دیوانہ وار اللہ اللہ اللہ کہہ رہا تھا۔ جب ذرا طبیعت بحال ہوئی تو امیر شکور نے فقیر کے پاؤں پکڑ کر کہا ''آپ کا احسان ہے کہ آپ نے مجھے ایک نئی دنیا سے روشناس کروادیا''۔ قریب بیٹھے ہوئے ایک عالم نے شعر پڑھا

؎ جزاك الله کہ چشمم باز کردی
مرا با جان جاں ہمراز کردی

(اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے کہ آپ نے میری چشم بصیرت کھول کر مجھے محبوب حقیقی کا ہم راز بنادیا)

مقامی علماء امیر شکور کی حالت و کیفیت دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ رات کھانے کے بعد سب حاضرین محفل نے بیعت کی۔ الحمد للہ، بہت شکار ملا۔ حضرت مرشد عالمؒ سے کسی محفل میں جب بہت زیادہ لوگ بیعت ہوا کرتے تھے تو حضرت مرشد عالمؒ تفنن طبع کے طور پر مسکرا کر فرمایا کرتے تھے ''الحمد للہ، آج خوب شکار ملا''۔

مقامات فضلیہ میں لکھا ہے کہ حضرت قریشیؒ نے ایک مرتبہ بہت زیادہ لوگوں کو توبہ کروا کر سلسلہء عالیہ میں داخل کیا۔ رات کے وقت خواب میں شیطان کو دیکھا

کہ کمبخت اب آپ نے میری محنت پر پانی پھیر دیا۔ حضرت قریشیؒ نے خواب میں ہی اس مردود کو کہا کہ میں انشاء اللہ آئندہ اس سے بھی زیادہ لوگوں کو اللہ اللہ سکھاؤں گا اور تجھ سے ہٹا کر ان کو مولیٰ کے در پر جھکاؤں گا۔

نیم شب کی شاہی :

24جون بدھ کے دن تہجد کے نوافل ادا کرتے ہی دو بڑی کاروں پر ترمذ کی طرف روانگی ہوئی۔ راستے میں ایک جگہ ملک سنجرم کے بادشاہ کا محل دیکھا، ایصال ثواب کے وقت فقیر کو ایک واقعہ یاد آرہا تھا۔ نیمروز کے علاقہ میں ایک بزرگ یاد الٰہی میں مشغول رہتے اور اپنے متعلقین کو خوب اللہ اللہ سکھاتے۔ حتیٰ کہ ان کی خدمت میں ہر وقت دو تین سو سالکین حاضر رہتے۔ علاقے میں ان کی دھوم مچی۔ ملک سنجرم کے بادشاہ کو جب ان کے حالات وواقعات کا پتہ چلا تو اس نے از راہ عقیدت یہ فیصلہ کیا کہ نیمروز کا علاقہ اس بزرگ کو ہبہ کر دیا جائے تا کہ وہ اپنے مہمانوں کے قیام و طعام کا بندوبست آسانی سے کر سکیں۔ چنانچہ اس نے ایک رقعہ لکھ کر اپنے نمائندے کو اس بزرگ کی خدمت میں بھیجا کہ میں نے آج سے نیمروز کے علاقے کی شاہی آپ کے حوالے کر دی، اس بزرگ نے رقعہ پڑھا تو اس کی دوسری طرف دو باتیں لکھیں۔

(۱) میرے بخت کالی رات کی طرح سیاہ ہو جائیں اگر میں تیری پیشکش کو قبول کروں۔

(۲) جب سے مجھے نیم شب کی شاہی نصیب ہوئی ہے اس وقت سے نیم روز کی بادشاہی مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں رہی۔

مولانا رومؒ نے اس واقعہ کی طرف درج ذیل اشعار میں اشارہ کیا ہے

چوں چتر سنجری رخ ختم سیاہ باد

در دل اگر بود ہوس ملک سنجرم

زانکہ بہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب
من ملک نیم روز بیک جو نمی خرم

{میرا چہرہ سنجر بادشاہ کے چتر کی طرح سیاہ ہو جائے اگر میرے دل میں ملک سنجر کی ہوس پیدا ہو جائے۔ جب سے مجھے نیم شب (تہجد کے وقت) کی شاہی ملی ہے مجھے نیمروز کی بادشاہی ایک جو کی قیمت بھی معلوم نہیں ہوتی}

فقیر ملک سنجرم کے مقبرہ کو دیکھ کر عبرت حاصل کر رہا تھا کہ روئے زمین پر حکومتیں کرنے والے آج زیر زمین جکڑے پڑے ہیں۔ اتنے میں بہادر شاہ ظفر کے درج ذیل اشعار یاد آئے

نہ کسی کی آنکھ کا نور ہوں نہ کسی کے دل کا قرار ہوں
جو کسی کے کام نہ آسکے میں وہ ایک مشت غبار ہوں
میرا رنگ روپ بگڑ گیا میرا یار مجھ سے بچھڑ گیا
جو چمن خزاں سے اجڑ گیا میں اسی کی فصل بہار ہوں
کوئی مجھ پہ آنسو بہائے کیوں کوئی مجھ پہ دیپ جلائے کیوں
کوئی مجھ پہ پھول چڑھائے کیوں کہ میں بے کسی کا مزار ہوں

فقیر انہی گہری سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا کہ محب اللہ نے قریب آکر کہا، ''حضرت! ابھی بہت لمبا سفر باقی ہے، یہاں سے چلنا چاہیئے''۔

ٹینکوں کا قبرستان:

دن کے دس بجے آمو دریا کے کنارے واقع ترمذ شہر میں پہنچے۔ یہ افغانستان کا دروازہ کہلاتا ہے اور افغانستان کی جنگ میں روسی فوج کے حملے اور سپلائی لائن کا مرکز رہا ہے۔ یہاں پر سڑک کے دونوں اطراف میں ہزاروں ٹینک اور بکتر بند گاڑیوں کو

کھڑے ہوئے دیکھا۔ محب اللہ نے بتایا کہ یہ سب گاڑیاں اور ٹینک خراب ہو چکے ہیں۔ افغانستان کی جنگ میں روس کو بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا۔ فقیر ٹینکوں کے قبرستان کو دیکھ کر سوچ رہا تھا کہ

کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة ، باذن الله و الله مع الصابرين

(کتنی دفعہ ایسا ہوا کہ ایک چھوٹی جماعت اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر غالب آ گئی۔ اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)

واقعی اللہ رب العزت جب ارادہ فرما لیتے ہیں تو چڑیوں سے باز مروا دیا کرتے ہیں۔

حکیم ترمذیؒ کا مزار :

حکیم ترمذیؒ اپنے وقت کے بڑے علماء و صلحاء میں شمار ہوتے تھے۔ ان کا مزار آمو دریا کے کنارے پر واقع ہے۔ دریا کے دوسری طرف افغانستان کا مشہور شہر مزار شریف ہے۔ حکیم ترمذیؒ نے بچپن میں کئی اساتذہ سے علم حدیث حاصل کیا۔ پھر طب کی دنیا میں اپنا نام پیدا کیا۔ خانقاہ کے متولی نے فقیر کو حکیم صاحبؒ کا مطب دکھایا۔ زیر زمین بنے ہوئے تہہ خانے دکھائے جہاں حکیم صاحبؒ اپنے بعض مریضوں کو رکھتے تھے۔ یوں لگتا تھا کہ زیر زمین ہسپتال بنا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکیم صاحبؒ کو طبیب جسمانی کے ساتھ ساتھ طبیب روحانی بھی بنایا تھا۔ ہزاروں لوگ آپ کی خدمت میں آکر درد دل کی دوا لیتے رہے۔ آپؒ کو اللہ تعالیٰ نے حسن و جمال سے بھی نوازا تھا۔ آپ کی جوانی کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک جوان عورت آپ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میں آپ پر فریفتہ ہوں، ملنے کے لئے آئی ہوں، تنہائی ہے آپ میری مراد پوری

کریں۔ آپ کے دل پر خوف الہٰی اس قدر غالب آیا کہ آپ رونے لگ گئے۔ عورت یہ دیکھ کر شرمندہ ہوئی اور واپس چلی گئی۔ آپ چند دن کے بعد اس واقعہ کو بھول گئے۔

ایک مرتبہ آپ وضو کر رہے تھے، بڑھاپا آچکا تھا کہ اچانک دل میں اس عورت کا واقعہ یاد آیا تو ساتھ ہی خیال آیا کہ مجھے چاہیئے تھا کہ اس عورت کی خواہش پوری کر دیتا اور بعد میں گناہ سے توبہ کر لیتا۔ یہ خیال دل میں ایسا جما کہ نکلنے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔ آپ بارگاہ الہٰی میں سجدہ ریز ہوئے اور خوب رو رو کر دعا مانگی۔ حتیٰ کہ اسی حالت میں سو گئے۔ آپ کو خواب میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی تو آپ ﷺ نے پوچھا، حکیم ترمذی!! اتنے مغموم کیوں ہو؟ عرض کیا کہ اے میرے آقا ﷺ! جوانی میں خوف خدا غالب تھا کہ دعوت گناہ کے باوجود گناہ کی طرف میلان پیدا نہ ہوا اور اب بڑھاپے میں میری حالت اتنی بگڑ گئی ہے کہ نفس میں گناہ کی رغبت موجود ہے، دل کہہ رہا ہے کہ تو نے اس وقت گناہ کر لینا تھا، افسوس کہ میں اپنے بال سفید کر بیٹھا مگر دل کو سیاہ کر لیا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا "بات یہ ہے کہ جب تم جوان تھے تو وہ وقت میرے زمانے سے قریب تھا لہٰذا اس میں خیر زیادہ تھی، اب تم بوڑھے ہو گئے تو اس زمانے میں خیر کم ہو گئی ہے، ماحول کی نورانیت میں کمی کی وجہ سے تمہارا خیال گناہ کی طرف چلا گیا، تمہارا رونا اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہے"۔ آنکھ کھلی تو حکیم ترمذیؒ نے اپنے دل کو مطمئن پایا۔

امام ترمذیؒ کے مزار پر:

ترمذ شہر چونکہ فوجی اعتبار سے بہت اہمیت کا حامل ہے لہٰذا اس پر غیر ملکی سیاحوں کو آنے کی اجازت بہت مشکل سے ملتی ہے۔ فقیر الحمدللہ ترمذ کے گرد و نواح میں بھی نہایت آرام کے ساتھ گھومتا پھرا۔ ترمذ شہر سے روانہ ہو کر ہم لوگ شیر آباد کے

قبرستان میں پہنچے۔ یہاں پر ابو عیسیٰ بن محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ کا مزار ہے۔

نسبت نقشبندیہ کی برکات:

جب گاڑیوں سے اتر کر مزار کی طرف جانے لگے تو راستے کے ایک طرف تقریباً 40 آدمیوں کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ ان میں سے ایک صاحب ہماری طرف آگے بڑھے اور کہا کہ کھانا تیار ہے، آپ تناول فرمائیں۔ فقیر نے عرض کیا کہ ہم لوگ تو ایصال ثواب کی نیت سے حاضر ہوئے ہیں، وہاں پہلے حاضری دیں گے۔ وہ کہنے لگا، بہت اچھا۔ ہم سب نے پہلے مسجد میں دو رکعت نفل پڑھے پھر مزار شریف پر حاضر ہو کر قرآن پاک کی تلاوت کی، مراقبہ کیا، خوب دعائیں مانگیں۔ اس سارے عمل میں ہمیں اندازاً دو گھنٹے لگ گئے ہوں گے۔ یہاں سے فراغت پر جب واپس جانے لگے تو راستے میں وہی آدمی پھر بھاگا ہوا آیا اور فقیر سے کہنے لگا کہ کھانا تیار ہے، آپ تشریف لا کر کھائیں۔ فقیر نے عرض کیا کہ ہمارے پاس کھانا موجود ہے، علمائے کرام کی جماعت ساتھ ہے جہاں بھوک محسوس کریں گے کھائیں گے۔ اس نے اصرار کیا کہ نہیں آپ ضرور آئیں۔ ان کے اصرار کو دیکھ کر مولانا عبداللہ نے کہا کہ حضرت! یہ ذاکرین کی جماعت ہے، آپ ان کو انکار نہ فرمائیں۔ چنانچہ ہم سب لوگ ان کے پاس گئے۔ جب ملاقات ہوئی تو ان کے پر انوار چہرے، سنت کی اتباع اور تقویٰ کے آثار دیکھ کر طبیعت بہت خوش ہوئی۔ جب ملاقات کے بعد بیٹھے تو اس جماعت کے امیر نے کہا:

"حضرت! میں نے چند دن پہلے ایک خواب دیکھا، کسی بزرگ نے کہا کہ فلاں دن امام ترمذیؒ کے مزار پر سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے ایک شیخ آئیں گے، اگر تم فیض حاصل کرنا چاہتے ہو تو ان سے اپنا حصہ حاصل کرو۔ میں نے

یہ خواب اپنے دوستوں کو سنایا تو وہ بھی تیار ہو گئے۔ ہم لوگ سرخند دریا کے رہنے والے ہیں۔ یہاں سے دو سو میل دور کا سفر کر کے صبح یہاں پہنچے ہیں۔ دستر خوان لگا کر صبح سے انتظار کر رہے ہیں۔ اب آپ تشریف لائے ہیں تو ہم خوش ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری مراد پوری کر دی۔ آپ ہم پر احسان فرمائیں اور ہمیں بیعت کریں اس کے بعد کھانا کھائیں گے"۔

مولانا عبداللہ نے یہ سن کر کہا، حضرت! عجیب، عجیب، عجیب، فقیر نے خطبہ پڑھ کر سب حضرات کو سلسلہ ء عالیہ میں داخل کیا۔ جب ان کے لطائف تازہ کئے تو سب کے سب لطائف کو تازہ پایا۔ الحمد للہ، ایسی ذاکر و شاغل جماعت شاید ہی کبھی دیکھی ہو۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی نسبت بھی کیا عجیب نعمت ہے کاش کہ ہم اس کی برکات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھاتے۔

یہاں سے شام 6 بجے روانہ ہو کر رات گیارہ بجے شہر نو پہنچے۔ پھر یہ پتہ نہ چلا کہ ہم نے بستر پر سر پہلے رکھا تھا یا نیند پہلے آئی تھی۔

ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں :

25 جون جمعرات کے دن ایک ایسی بستی میں جانا ہوا جو پہاڑی کے دامن میں واقع تھی۔ ظہر کی نماز کے بعد بیان ہوا۔ مسجد لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ سب لوگ سلسلہ عالیہ میں داخل ہوئے۔ نائب امام ملاں احمد نہایت متقی اور پارسا انسان تھے، انہوں نے بتایا کہ اس پوری بستی میں کوئی ایک بھی آدمی بے نماز نہیں ہے۔ مزید برآں دس سال کی عمر سے زیادہ مرد اور عورتیں سب عربی زبان اس طرح بولتے ہیں جس طرح کہ یہ ان کی مادری زبان ہو۔ فقیر حیران ہوا کہ اس گئے گزرے دور میں بھی ایسے لوگ اور ایسی ہستیاں موجود ہیں۔ سبحان اللہ

زم زم بابا:

رات کو علاقے کے ایک رئیس کے گھر دعوت تھی۔ تھوڑی دیر بیان کے بعد بیعت و مراقبہ کی محفل ہوئی۔ صاحب خانہ کے والد نے حج سے متعلق دو مزیدار واقعات سنائے۔

1۔جب ہم لوگ حج کے لئے روانہ ہوئے تو ایک صاحب نے اپنے سامان میں کچھ کھانے پینے کی چیزیں رکھ لیں۔ رشیا میں چونکہ سردی بہت ہوتی ہے حتی کہ شہد بھی جم جاتا ہے تو اس نے ایک پلاسٹک کے لفافے میں شہد ڈال کر اپنے سامان میں رکھ لیا۔ جب سعودی عرب پہنچے تو وہاں تو سارا سال ہی گرمی رہتی ہے لہٰذا شہد پگھل گیا۔ جب کسٹم والوں نے سامان چیکنگ کے لئے کھولا تو ہر طرف شہد ہی شہد پھیلا ہوا تھا۔ کسٹم والوں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا ھذا مصفی عصل (یہ صاف ستھرا شہد ہے) یہ واقعہ سن کر سب حاضرین خوب ہنسے۔

2۔دوسرا واقعہ انہوں نے اپنا سنایا کہ جب ہم حج سے واپس آئے تو میں نے زم زم کے دو بڑے بڑے گیلن بھر لئے۔ جدہ ائرپورٹ پر پہنچے، جب سامان کی بکنگ کروائی تو سعودی ائر لائن والوں نے دو گیلن بھیجنے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ فقط ایک گیلن جا سکتا ہے۔ میں نے بڑی منت سماجت کی مگر کسی نے میری درخواست پر کان نہ دھرے۔ جب فلائٹ جانے کا وقت قریب ہو گیا تو میں نے پھر کہا کہ ہم لوگ رشیا سے آئے ہیں، وہاں تو زم زم کا ایک قطرہ پینے کے لئے لوگ ترستے ہیں آپ مجھے دوسرا گیلن لے جانے کی اجازت دے دیں مگر ملازمین نے اجازت نہ دی۔ جب میں نے دیکھا کہ کوئی بھی صورت ممکن نہیں تو میں نے کہا کہ مجھے آخری مرتبہ آپ بتا دیں کہ یہ زم زم ساتھ لے جانے کی اجازت ہے یا نہیں؟ انہوں نے کہا، نہیں ہے۔ تو میں

نے وہیں کھڑے کھڑے گیلن کا ڈھکنا کھولا اور سارا پانی اپنے سر پر بہادیا اور سب کے سامنے کپڑوں سمیت زم زم سے غسل کیا۔ عرب لوگ میری دیوانگی کو دیکھ کر حیران ہوئے۔ میں نے باقی سفر گیلے کپڑوں کے ساتھ کیا۔

فقیر نے یہ واقعہ سن کر انہیں کہا کہ اچھا، اب میں آپ کو زم زم بابا کہا کروں گا۔ انہوں نے اس کنیت کو اتنا پسند کیا کہ اس دن کے بعد وہ زم زم بابا کے نام سے مشہور ہو گئے۔

محفل شعر و ادب :

امیر شکور کے چند دوست اخباری نمائندے اور ادیب و شاعر تھے۔ ان کو جب پتہ چلا کہ امیر صاحب ایک فقیر کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کر چکے ہیں تو انہیں بڑی حیرت ہوئی، انہوں نے امیر شکور سے کہا کہ اپنے حضرت صاحب سے ہماری ملاقات بھی کروائیں۔ چنانچہ اگلے دن کا کھانا پھر امیر شکور کے گھر تھا۔ اس مرتبہ مرد حضرات نے گوشت بھوننے کا کام خود کیا۔ شاید یہ وہاں کی خصوصی پارٹی تھی۔ کھانے کے بعد شاعر و ادیب حضرات نے اپنا اپنا کلام پیش کیا۔ فارسی زبان میں اتنے خوبصورت اشعار سنائے کہ عاجز حیران رہ گیا۔ جب وہ حضرات فارغ ہوئے تو امیر شکور نے کہا کہ حضرت! آپ بھی کچھ سنائیں۔ فقیر نے کہا کہ فارسی کے چند اشعار جو ہم نے اپنے بڑوں سے سنے ہیں وہ عرض کر دیتا ہوں۔

میان عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

{عاشق و معشوق کے درمیان ایسی ایسی باریک باتیں ہیں جن کی خبر کراماً کاتبین کو بھی نہیں ہے}

الله الله ایں چه شیریں هست نام
شیر و شکر می شود جانم تمام

{اللہ اللہ یہ کیسا میٹھا نام ہے کہ اس کے اثر سے میری تمام جان شہد و شکر بن گئی ہے}

چشم بند و گوش بند و لب به بند
گر نیابی سر حق بر ما بخند

{اپنی آنکھیں، کان اور ہونٹ بند کرنے، اگر پھر بھی تو راز حق نہ پائے تو پھر مجھ پر ہنسنا}

یک چشم زدن غافل از آن شاه نه باشی
شاید که نگاه کند آگاه نه باشی

{ایک آنکھ جھپکنے کی دیر بھی اس بادشاہ سے غافل نہ ہو، ایسا نہ ہو کہ وہ تیری طرف متوجہ ہو اور تو بے خبر رہے}

ما هر چه خوانده ایم فراموش کرده ایم
الا حدیث یار که تکرار می کنم

{ہم نے جو کچھ پڑھا ہے وہ فراموش کر دیا ہے مگر یار کی باتوں کو بار بار پڑھ رہے ہیں}

هزار خویش که بیگانه از خدا باشد
فدائ یک تن بیگانه آشنا باشد

{ہزار رشتہ دار جو کہ خدا سے بیگانہ ہوں۔ ان سب کو اس فرد واحد پر قربان کر دو جو یار سے آشنا ہو}

چوں رسی ۔ کوئے دلبر به سپار جان مضطر

کہ مبادا بار دیگر نہ رسی بدیں تمنا

{جب تو دلبر کی گلی میں پہنچے تو اِس بے چین جان کو محبوب کے سپرد کر دے کہیں ایسا نہ ہو کہ اس تمنا میں یہ دوبارہ وہاں تک نہ پہنچ پائے}

کفر ست در طریقت ما کینہ داشتن
آئین ماست سینہ چوں آئینہ داشتن

{ہماری طریقت میں دل میں کینہ رکھنا کفر ہے، ہمارا اصول تو یہ ہے کہ دل کو شیشے کی طرح شفاف رکھیں}

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

{جس شخص کا دل عشق کی وجہ سے زندہ ہو گیا وہ کبھی نہیں مرتا، ہم عشاق کا نام جریدہ عالم پر لکھ دیا گیا ہے جو مٹ نہیں سکتا}

ہر چند پیر و خستہ و بس ناتواں شدم
ہر گہ نظر بروئے تو کردم جواں شدم

{اگر چہ میں بوڑھا اور کمزور ہو گیا ہوں لیکن جیسے ہی تیرے چہرے کی طرف نظر ڈالی تو میں جوان ہو گیا}

ندانم آں گل خنداں چہ رنگ و بو دارد
کہ مرغ ہر چمنے گفتگوئے او دارد

{مجھے معلوم نہیں کہ میرے مسکراتے ہوئے پھول (محبوب) میں کس قسم کا رنگ و بو ہے کہ ہر باغ کا پرندہ اسی کی گفتگو میں رطب اللسان ہے}

اس کے بعد فقیر نے انہیں کچھ رباعیات سنائیں

نازم چشم خود کہ جمال تو دیدہ است

افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

{مجھے اپنی آنکھ پر فخر ہے کہ اس نے تیرا حسن دیکھا ہے اور میں اپنے پاؤں پڑتا ہوں کہ وہ تیری گلی میں چلے ہیں}

ہر دم ہزار بوسہ زنم دست خویش را
کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

{ہر لمحے ہزاروں بوسے اپنے ہاتھوں کو دیتا ہوں کہ ان سے میں نے تیرا دامن پکڑ کر اپنی طرف کھینچا ہے}

بجز از وصل ہر چیزے فضول است
زصد دنیا مرا وصلے قبول است

{وصل کے سوا ہر چیز فضول ہے سو جہانوں سے بھی مجھے وصل قبول ہے }

زمن پرسی دخول جنت چیست
وصال دوست در جنت دخول است

{تو مجھ سے پوچھتا ہے کہ دخول جنت کیا ہے؟ بس وصال دوست حقیقتاً جنت میں داخلہ ہے}

حسینے کرد سوئے من نگاہے
نمی دارم دگر کارے جز آہے

{ایک حسین نے میری طرف نظر کی، اب سوائے آہ و زاری کے اور کوئی کام ہی نہیں}

گناہم چیست قلب من زلحم است
نگاہ او کند در سنگ راہے

{میرا گناہ کیا ہے۔ میرا دل تو گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، اس کی نگاہ تو پتھر میں

بھی سوراخ کر دیتی ہے}

نمی گویم کہ من از صاحبانم
بگویم ایں سگ باب فلانم
نگہ ہر شخص دارد بر سگ خویش
چرا ایں را ندانی من ندانم

{میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں محبوب کے مصاحبوں میں سے ہوں، میں تو یہ کہتا ہوں کہ میں فلاں کے دروازے کا کتا ہوں۔ ہر شخص اپنے پالتو کتے پر توجہ دیتا ہے۔ تو اس بات کو کیوں نہیں جانتا یہ مجھے پتہ نہیں ہے}

بکن از چشم ہر دم چشمہ داری
کہ کشت قلب را سیراب داری
دل تو جنت فردوس گردد
بہشتے را چرا در انتظاری

{اپنی آنکھوں سے ہر دم آنسوؤں کے چشمے جاری رکھ تاکہ تیرے دل کی کھیتی سیراب ہو۔ تیرا دل ہی جنت الفردوس بن جائے گا، تجھے بہشت کا انتظار کیوں ہے}

خدارا کارکن اے نیم مومن
کہ جنت نیست اندر میم مومن
چہ کار آید تو اے بے کار انسان
کہ از کارے بود تکریم مومن

{اے آدھے مومن! خدا کے لئے کام کر کیونکہ جنت مومن کی میم کے اندر نہیں ہے۔ اے بے کار انسان تجھ سے کیا کام ہو سکتا ہے، یہ جان لے

کہ کام کرنے سے ہی مومن کی عزت ہے}

نہ خالی یارب از جبے دلے کن
نہ تو محروم از آبے گلے کن
رساں تا شمع ہر پروانہ مسکین
نہ تو مہجور از گل بلبلے کن

{یارب! میرے دل کو اپنی محبت سے خالی نہ رکھ، تو مجھے اس آب و گل سے محروم نہ رکھ (اپنی محبت عطا فرما)۔ ہر مسکین پروانے کو شمع تک پہنچادے۔ بلبل کو پھول سے محروم و مہجور نہ کر}

دل ما دلبرا دیوانہ تست
بیا بے فکر خانہ خانہ تست
تو از شہد و شکر مارا لذیذی
دل اندر ہجر دانہ دانہء تست

{اے میرے محبوب! میرا دل تیرا دیوانہ ہے تو بے دھڑک اس گھر میں آ کہ یہ گھر تیرا ہی تو ہے۔ تو میرے لئے شہد اور شکر سے بھی زیادہ لذیذ ہے میرا دل تیری جدائی میں بکھر کر دانہ دانہ ہو چکا ہے اور یہ دانہ تیرا ہی ہے}

منم اشک فراق گلعذارے
شنیدم ایں ز شور آبشارے
ہمی لرزم زناز نازنینے
چنیں می گفت شاخ بیقرارے

{میں پھول جیسے چہرے والے محبوب کے فراق کا ایک آنسو ہوں۔ یہ بات میں نے ایک آبشار کے شور سے سنی ہے۔ میں ایک نازنین کے ناز سے

کانپ رہی ہوں، یہ بات مجھے ایکبقرار شاخ کہہ رہی تھی}

اگر چہ کہترم من مہترم من
بہ پیش چشم تو گر بہترم من
بہ مدح دوستاں انساں نہ باشم
سگم اندر نگاہت یا خرم من

{اگر چہ میں حقیر ہوں لیکن میں اعلیٰ ہوں اگر تیری آنکھ میں بہتر ہوں۔ میں دوستوں کے تعریف کرنے کی وجہ سے انسان نہیں ہو سکتا، تیری نظر میں کتا ہوں یا گدھا میں وہی کچھ ہوں}

شنیدم دوش از دیوار فریاد
خدارا میکنی اے دوست کم یاد
برائے ذکر روز چند داری
مکن درکار دیگر وقت برباد

{میں نے کل دیوار سے یہ فریاد سنی اے دوست خدا کے لئے مجھے کم یاد کر۔ اللہ تعالیٰ کی یاد کے لئے تجھے چند روزہ زندگی دی گئی ہے، یاد الٰہی کے علاوہ دوسرے کاموں میں وقت ضائع نہ کر اللہ کو یاد کر تارہ}

مکن فکر جہاں ویرانہ ایں است
بیا تعمیر دل کن خانہ ایں است
ز دل بیگانہ افلاطون اگر است
شنو ایں پند من دیوانہ ایں است

{جہان کی فکر نہ کر کہ یہ جہان تو ایک ویرانہ ہے۔ اور دل کی تعمیر کر کیونکہ

یہی گھر ہے۔ اگر افلاطون بھی دل سے بیگانہ ہے تو مجھ سے یہ نصیحت سن لے کہ وہ بھی دیوانہ ہے}

بہ شوق ماہ رویاں دل کباہم
رود عمرے دریں کار ثواہم
بہ خواب اندر نجاست جاہ و مال است
نہ عاشق بر نجاست چوں زباہم

{چاند جیسے چہرے والوں کے عشق میں میرا دل کباب ہو گیا ہے۔ میری عمر اسی ثواب کے کام میں بیت رہی ہے۔ یہ جاہ و مال نجاست ہے، میں مکھی کی طرح نجاست پر فریفتہ نہیں ہوں}

دگر سودا مکن در قلب گم شو
ولیکن غرق از سر تابہ دم شو
زگوشہ تابہ رطلب بر نخیزی
سراسر گوش تا آواز قم شو

{کوئی دوسرا خیال ہی نہ کر بس دل میں گم ہو جا۔ لیکن دل میں سر سے لے کر دم تک یعنی پوری طرح ڈوب جا۔ خلوت خانہ سے حصول مطلب تک نہ اٹھ۔ قم (اٹھ) کی آواز کیلئے سراپا گوش بن جا}

فقیر نے آخر میں علامہ اقبال کی نظم "نالہء ابلیس" کے یہ اشعار پڑھے

ابن آدم چیست یک مشت خس است
مشت خس را یک شرر از من بس است
اندریں عالم اگر جز خس نبود
ایں قدر آتش مرا دادن چہ سود

{ابن آدم کیا ہے ؟بس تنکوں کی ایک مٹھی ہے اور تنکوں کی مٹھی کیلئے میری طرف سے ایک چنگاری کافی ہے۔اس عالم میں اگر تنکوں کے سوا کچھ نہ تھا تو مجھے اتنی آگ عطا کرنے کی کیا ضرورت تھی}

اے خدا یک زندہ مرد حق پرست
لذتے شاید کہ یابم در شکست

{اے اللہ مجھے ایک زندہ مرد حق پرست عطا کیجئے ہو سکتا ہے کہ میں شکست کی لذت پا سکوں}

ان اشعار کو سناتے ہوئے مقامی احباب نے کس طرح دل کھول کر داد دی، اس سے فقیر کو کوئی غرض نہیں البتہ اتنا ضرور ہوا کہ سب لوگوں نے کہا کہ ہمیں حضرت سے بیعت ہونا ہے۔ فقیر نے سب حضرات کو سلسلہ عالیہ میں داخل کیا۔ الحمد للہ

حضرت خواجہ محمد عبد المالک صدیقیؒ فرماتے تھے کہ شیخ جب وعظ و نصیحت کرتا ہے تو اس کی مثال ڈگڈگی بجانے کی مانند ہے اور جب مراقبہ کرواتا ہے تو وہ تماشہ دکھانے کی مانند ہے۔ جس طرح مداری کے تماشے سے لوگوں کی آنکھیں خوش ہوتی ہیں۔ اسی طرح شیخ کے بیان و مراقبہ سے سالکین کے دل خوش ہوتے ہیں۔ یہ خیال آتے ہی فقیر نے سوچا کہ واہ آج تو ڈگڈگی بھی فارسی زبان میں بجانی پڑی۔ حلس

گر قبول افتد زہے عزو شرف

(اگر یہ بات قبول ہو جائے تو بڑے عزت و شرف کی بات ہے)

حضرت خواجہ علاؤالدین عطارؒ :

حضرت خواجہؒ وادی حصار کے عظیم مشائخ میں سے تھے۔ آپ حضرت نقشبندؒ کے داماد اور حضرت خواجہ یعقوب چرخیؒ کے پیر و مرشد تھے۔ وقت کے بڑے بڑے

علماء آپ کے دامن عقیدت سے وابستہ تھے۔ علامہ عبدالقاہر جرجانی بھی آپ سے بیعت تھے اور انہوں نے آپ ہی کے متعلق لکھا تھا:

واللہ، ما عرفت الحق سبحانہ وتعالیٰ۔ مالم اصل فی خدمت العطار

(خدا کی قسم اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو نہ پہچان پاتا اگر حضرت عطارؒ کی خدمت میں نہ پہنچتا)

آپ کے مزار پر ایصال ثواب کرنے کے بعد محب اللہ، فقیر کو اس جگہ پر لے گئے جہاں بیٹھ کر آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے۔

زمین پر نشاں رہے:

اس جگہ پر آپ کے بہت سے تبرکات دیکھنے کا موقع ملا۔ منجملہ ان میں سب سے عجیب چیز وہ پتھر ہے جس پر آپ نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ یہ مصلے کے سائز کا سفید رنگ کا پتھر تھا، اوپر کی سطح بہت ملائم تھی۔ اس کی خاص بات یہ تھی کہ اس پر حضرت خواجہ صاحبؒ کے پاؤں اور سجدوں کے نشانات تھے۔ یہ جگہیں دوسری سطح کی نسبت گھس کر نیچے ہو گئی تھیں۔ فقیر نے اس پر دو رکعت نفل ادا کرنے کی سعادت حاصل کی۔ حیرانی اس بات کی تھی کہ ہمارے مشائخ نے کتنی زیادہ عبادت کی کہ پتھر بھی گھس گئے۔ بقول شخصے

نشان سجود تیری جبیں پر ہوا تو کیا
کوئی ایسا سجدہ کر کہ زمیں پر نشاں رہے

آج تو ہمارے کپڑے کے مصلے بھی نہیں گھستے۔ ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ جس آدمی کو مصلے پر بیٹھنے سے وحشت ہو، چند منٹ بیٹھنا محال ہو، سمجھ لو کہ اس کے دل

میں یاد الٰہی اور محبت الٰہی کی کمی ہے۔ واقعی مصلے پر بیٹھنے کی عادت ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔

عام دستور یہی ہے کہ پہلے ذکر میں بیٹھنے کی عادت پڑتی ہے حتیٰ کہ جسم کو ذکر کے لئے نرم کر دیا جاتا ہے۔ جو سالکین راہ طریقت میں قدم بڑھاتے ہیں ان کے لئے گھنٹہ دو گھنٹہ مراقبہ کرنا معمول کی بات ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں ہے

ثم تلین جلودھم و قلوبھم الی ذکر اللہ

(پھر نرم ہوتی ہیں ان کی کھالیں اور ان کے دل اللہ کی یاد پر)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ **تلین جلود** کا مقام پہلے، پھر **تلین قلوب** کا مقام آتا ہے۔ جو سالک دن میں دس پندرہ منٹ بھی مراقبہ نہ کرے وہ جان لے کہ میرا وقت ضائع ہو رہا ہے۔ آج کل کے سالک دعویٰ تو عاشقی کا کرتے ہیں مگر ذکر و مراقبہ میں چند منٹ بھی نہیں بیٹھتے۔ بعض تو بہانہ کرتے ہیں کہ ہمیں فرصت ہی نہیں ملتی۔ اس کی مثال تو ایسی ہوئی کہ جیسے مجنوں کہے کہ مجھے لیلیٰ کی یاد کے لئے وقت ہی نہیں ملتا۔

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے

سر آسیا روانگی :

26 جون کو محب اللہ کے گھر پر سر آسیا کے ایک معروف مفتی و ملہ احمد جان صاحب مع احباب تشریف لائے اور بیعت ہوئے۔ حبیب اللہ نے بتایا کہ یہ بڑے مقبول عالم ہیں اور علاقے میں ان کے تقویٰ کا رعب ہے۔ ویسے بھی وہ چہرے مہرے سے باخدا انسان نظر آتے تھے۔ انہوں نے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے اسباق مکمل کئے ہوئے تھے مگر شیخ کی وفات کی وجہ سے کام رک گیا تھا۔ سینکڑوں آدمی ان کے حلقہ

درس میں شامل ہوتے تھے۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ فقیر چند دن کے لئے سر آسیا جانے کی دعوت قبول کرے۔ چنانچہ مولانا عبداللہ کے مشورے سے پروگرام طے پا گیا۔

سر آسیا ازبکستان میں واقع ہے اور سر خند دریا ریاست کا حصہ ہے۔ یہاں کے لوگ نہایت دیندار ہیں، علماء کے بڑے قدر دان ہیں، اکثر مشائخ کی خانقاہیں آباد ہیں۔ ان حضرات نے کیمونزم کے دوران بھی دین کو محفوظ رکھا جس کے آثار ان کے چہروں کے انوار سے ملتے ہیں۔ چند گھنٹے کے سفر کے بعد ہم لنگر بستی پہنچے۔ یہاں پر جامع مسجد دملہ احمد جان واقع تھی۔ قریب میں بچوں کی دینی تعلیم کا مدرسہ بھی تھا۔ دملہ احمد جان کے تین بیٹے عالم تھے اور مدرسے میں طلباء کو پڑھاتے تھے۔ دو بیٹیاں بھی عالمہ تھیں اور ان کی شادی علماء سے ہوئی تھی۔ اگلے دن ان کے داماد کے گھر دعوت تھی۔ ان کا گھر پہاڑی علاقے میں نہایت سر سبز اور شاداب جگہ پر تھا۔ ہر طرف پھل پھول اور سبزہ، نہایت معطر فزا، گھر نہایت خوبصورت بنا ہوا تھا اور ایک بالا خانہ اس طرح سے بنایا ہوا تھا کہ اس کے نیچے سے آبشار بہتی تھی۔ پانی کے چلنے کی آواز، ماحول کی خنکی، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا، پرندوں کی عجیب و غریب آوازیں، زندگی میں اس قدر خوبصورت ماحول نہیں دیکھا ہوگا۔ فقیر سوچ رہا تھا کہ جنت کے بالا خانے کیسے ہوں گے اور وہ بھی کونسی نعمتیں ہوں گی، جنہیں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لئے بنا رکھا ہے۔ فقیر نے دملہ احمد جان کو یہاں پر مشاربات کے اسباق مکمل کروادیئے مگر ان کو تو مراقبہ معیت کی کیفیات پہلے سے حاصل تھیں۔ دن کا زیادہ وقت مراقبہ کرتے کراتے گزرا۔ فقیر پر محبت الٰہی کا عجیب غلبہ تھا۔

مولانا احمد جان کو خلافت :

عصر کی نماز کے بعد قریبی مسجد میں فقیر نے ذکر قلبی کے عنوان پر بیان کیا اور مولانا عبداللہ نے ترجمانی کی۔ محفل کے اختتام پر فقیر نے دملہ احمد جان پر خلافت و جازت کا بوجھ ڈالا۔ پورے مجمع کی کیفیات عجیب تھیں، لوگ اسقدر آہ و بکا میں مصروف تھے کہ آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ مولانا عبداللہ بھی رو پڑے۔ فقیر پر بھی عجیب حال طاری تھا۔ زبان پر ایسے درد بھرے الفاظ آرہے تھے اور فیضان نسبت نقشبندیہ کا ایسا ورود تھا کہ فقیر جیسے اندھے کو بھی صاف نظر آرہا تھا۔

محفل کے بعد دعا کے وقت تو لوگ مرغ نیم بسمل کی طرح تڑپ رہے تھے۔ اختتام پر لوگوں نے دملہ احمد جان سے معانقہ کیا اور انہیں مبارکباد دی۔ جب مسجد سے نکلنے لگے تو دملہ احمد جان نے فقیر کے جوتے اٹھالئے۔ پہلے سینے سے لگائے پھر اپنے دونوں رخساروں پر جوتوں کے تلوے مل مل کر روتے رہے۔ لوگوں کی چیخیں نکل گئیں۔ مولانا یہ شعر بار بار پڑھ رہے تھے۔

قال را بگزار مرد حال شو
پیش مرد کامل پامال شو

{قال کو چھوڑ اور مرد حال بن کسی مرد کامل کے سامنے خاکسار بن}

صد کتاب و صد ورق در نار کن
جان و دل را جانب دلدار کن

{سو کتابیں اور سو ورق جلادے اور دل و جان سے محبوب کی طرف متوجہ ہو جا}

روبل کی بارش :

جب مسجد سے گھر پہنچے تو لوگوں کا جم غفیر ساتھ تھا۔ فقیر جیسے ہی گھر کے

دروازے پر پہنچا تو سر پر روبل کی بارش شروع ہو گئی۔ گھر کی مستورات کو پہلے سے اس خوشخبری کا پتہ چل چکا تھا۔ انہوں نے اظہار عقیدت و محبت کے طور پر فقیر کا اس طرح استقبال کیا۔ فقیر اپنے پروردگار کا شکر ادا کر رہا تھا کہ جس نے سر پر پتھر برسانے کی بجائے کاغذ کے نوٹ برسائے۔

حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ کے متعلق کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ نئے کپڑے زیب تن کئے۔ جمعہ کی نماز پڑھنے مسجد میں جا رہے تھے کہ اچانک ایک گھر کی چھت سے کسی عورت نے گلی میں راکھ پھینکی اور وہ ساری کی ساری آپ کے سر پر آ گری۔ قریب کے لوگ بہت پریشان ہو گئے مگر حضرت خواجہ صاحبؒ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے لگے۔ کسی نے پوچھا کہ اس حالت میں بھی شکر ادا کر رہے ہیں۔ فرمایا ہاں، میں تو اس قابل تھا کہ میرے سر پر انگارے برسائے جاتے، یہ تو اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ فقط راکھ تک ہی معاملہ نپٹ گیا۔

ترگرام کی مسجد :

اگلے دن صبح سے لے کر دوپہر تک علاقے کے علماء و مشائخ حضرت دملہ احمد جان کو مبارکباد دینے کے لئے آتے رہے۔ اس قدر ہجوم تھا کہ جیسے لوگ عید کی نماز پڑھ کر گھروں میں آ رہے ہیں۔ ہر چہرے پر فرحت و انبساط کے آثار نمایاں تھے۔ نسبت کے حصول پر جس قدر خوشی سرخند دریا کے لوگوں نے منائی اس کی مثال ہی نہیں ملتی۔

سچ ہے کہ پھول کی قدر گدھ کو کیا معلوم جو کہ مردے کھانے والی ہے۔ پھول کی قدر تو بلبل کو معلوم ہے جو کہ صاف دماغ والی ہے۔ ظہر کی نماز ترگرام مسجد میں ادا کرنے کے لئے کاروں کا ایک قافلہ رواں دواں ہوا۔ فقیر نے کہا، مولانا عبداللہ! یوں

لگتا ہے کہ کوئی بارات جارہی ہے۔ مولانا نے برجستہ جواب دیا کہ حضرت !دولہا تو آپ ہی ہیں۔ فقیر نے کہا، شکر ہے کسی بندے کے گھر کی طرف نہیں بلکہ پروردگار کے گھر کی طرف جارہی ہے، حاضرین اس جواب پر بہت محظوظ ہوئے۔

ایک دلچسپ خواب کی دلچسپ تعبیر :

ظہر کی نماز مسجد ترگرام میں ادا کی۔ علاقے کے علماء صلحاء و مشائخ کا اجتماع نظر آرہا تھا۔ فقیر نے تقویٰ کے عنوان پر بیان کرنا شروع کیا۔ ابھی گفتگو کا سلسلہ چل ہی رہا تھا کہ ایک معمر شخص مسجد میں داخل ہوئے اور فقیر کو دیکھتے ہی اتنی اونچی آواز میں رونے لگے کہ سارا مجمع بیان سننے کے بجائے ان کی طرف دیکھنے لگ گیا۔ بعض لوگ ادب واحترام کی وجہ سے کھڑے ہوگئے۔ ایک نوجوان ان کو لینے کے لئے آگے بڑھا۔ فقیر حیران تھا کہ یاالٰہی! یہ کیا ماجرا ہے ؟ مولانا عبداللہ سے پوچھا تو وہ کہنے لگے کہ یہ اس علاقے کے ایک شیخ ہیں اور ہزاروں لوگ ان کے حلقہ مریدین میں شامل ہیں۔ جب وہ بزرگ قریب آئے تو فقیر سے بغل گیر ہوکر اور زیادہ اونچی آواز سے رونے لگے۔ فقیر نے عرض کیا کہ آپ تشریف رکھیں، وہ فرمانے لگے کہ آپ مجھے اجازت مرحمت فرمائیں کہ میں مجمع کو ایک بات بتا سکوں۔ فقیر نے کہا، بہت اچھا۔ وہ فرمانے لگے کہ چند دن پہلے میری اہلیہ نے خواب دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ فلاں دن ظہر کی نماز میں مسجد ترگرام میں تمہارے خاوند کو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بلایا گیا ہے۔ جب اہلیہ نے یہ خواب سنایا تو میں نے اس کی تعبیر یہ لی کہ اس دن میری ملاقات کسی ایسے آدمی سے ہوگی جو متبع سنت ہوگا۔ میں خواب کے مطابق اب مسجد میں آیا ہوں تو دیکھتا ہے کہ یہ مہمان شیخ بیان فرمارہے ہیں۔ لہٰذا میری درخواست ہے کہ یہ پہلے

مجھے بیعت کر کے اپنے غلاموں میں شامل کریں اور بعد میں وعظ کریں۔ اس کے بعد انہوں نے پھر رونا شروع کر دیا۔ دملہ احمد جان اٹھ کھڑے ہوئے اور روتے ہوئے کہنے لگے محترم جماعت! معزز مہمان کی قدر کریں اور بہتی گنگا میں ہاتھ دھولیں۔ اس پر محبّ اللہ روتے ہوئے کھڑے ہوئے اور مجمع کو خواب سنایا کہ کس طرح تین آدمیوں کی بشارت ملی اور اسی دن تین مہمان آگئے۔ یہ باتیں سن کر مجمع پر اتنا جوش و خروش طاری ہو گیا تھا کہ سب حضرات نے کہا کہ حضرت! بیعت کا عمل شروع کریں۔ چنانچہ فقیر نے بیعت کے لئے کپڑا پھیلا دیا۔ الحمد للہ کئی درجن علماء بیعت ہوئے۔ پندرہ ایسے مشائخ بیعت ہوئے جن کو پہلے سے سلسلہ عالیہ میں کسی بزرگ کی طرف سے اجازت تھی۔ عوام الناس تو فقیر کو دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے تھے اور سبحان اللہ پڑھ رہے تھے۔ دملہ احمد جان نے کہا کہ حضرت! ہمارے علاقے میں ایسی قبولیت کسی کو نہیں ملی جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دی ہے۔ فقیر نے کہا مولانا مزہ تو جب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی قبولیت ہو جائے۔

حکایت ہے کہ ایک لڑکی کو شادی کے لئے دلہن کے طور پر سجایا جا رہا تھا۔ جب سہیلیوں نے اسے زیور پہنا دیئے اور میک اپ کر کے تیار کر دیا تو ایک لڑکی نے کہا، ماشاء اللہ، آپ کتنی خوبصورت لگ رہی ہیں۔ دوسری سہیلیوں نے بھی اسی طرح تعریفی جملے کہے تو دلہن کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔ سہیلی نے پوچھا کہ کیا بات ہے کیوں رو رہی ہو؟ دلہن نے جواب دیا کہ آپ سب مجھے خوبصورت کہہ رہی ہیں، میرے دل میں خیال آیا کہ اللہ کرے میں اس کو بھی خوبصورت لگوں جس کی خاطر آپ لوگ مجھے تیار کر رہی ہیں، اگر میں اسے خوبصورت نہ لگی تو تمہاری تعریفیں

میرے کس کام کی۔

حاکم شہر کی دعوت :

محفل کے اختتام پر کم وبیش ایک گھنٹہ مصافحہ کرنے میں لگ گیا، علماء و مشائخ اس بات پر مصر تھے کہ ہم نے گلے ملنا ہے۔ بعض لوگ تسبیحات دم کروا رہے تھے، بعض فقیر کے کپڑوں کو عقیدت سے ہاتھ لگا رہے تھے اور بعض دل جلے تو فقیر کے چہرے کے بوسے لے رہے تھے۔ ایک انار سو بیمار والا معاملہ تھا۔ جب مسجد سے نکلے تو دملہ احمد جان نے کہا کہ حضرت! الحمد للہ آج تو یدخلون فی دین الله افواجا (کہ وہ داخل ہوں گے اللہ کے دین میں فوج در فوج) کا معاملہ ہوا ہے ۔ فقیر نے عرض کیا۔ الحمدلله وحده ونصر عبده (الحمد للہ کہ اللہ نے اپنے بندے کی مدد کی) مولانا یہ جواب سن کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ حضرت! آپ کے بر موقع، بر محل جوابات ہی نے تو ہمارے دل کو موہ لیا ہے۔ فقیر نے کہا دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ قبر میں سوالوں کے جواب آسان فرمادے۔ مولانا نے بتایا کہ ہمیں ابھی حاکم شہر کے گھر جانا ہے۔ علاقے کے تقریباً 75 علماء و مشائخ کو بھی دعوت دی گئی ہے۔ چنانچہ حاکم شہر کی دعوت کھانے اس کے گھر پہنچے۔ شاہانہ انتظامات کی تفصیل بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ کھانے کے بعد فقیر نے شکران نعمت کے عنوان پر بیان کیا جس پر حاکم شہر بھی آبدیدہ ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ جب گھر واپس آنے لگے تو حاکم شہر نے کہا کہ کل آپ کی تاشقند روانگی ہے میں انشاء اللہ آپ سے ائرپورٹ کے رن وے پر ملاقات کرنے آؤں گا۔ فقیر نے اجازت لی اور رات دیر سے ہم لوگ اپنی قیام گاہ پر پہنچے۔

اس سادگی پہ کون......!!!؟

بمورخہ 30 جون بروز منگل سرآسیا سے تاشقند کے لئے روانگی تھی۔ ملاقات کے لئے آنے والے احباب کا اس قدر ہجوم تھا کہ فقیر تھک کر چور ہو گیا تھا۔ بڑی مشکل سے کار میں اس طرح سوار ہوئے جیسے کوئی مریض بستر پر آکر گرتا ہے۔ جب ائرپورٹ پر پہنچے تو فقیر نے مولانا عبداللہ کے ہمراہ غیر ملکی ٹرمینل سے سوار ہونا تھا، ایک گھنٹہ خاموشی اور تنہائی میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کی توفیق نصیب ہوئی۔ فقیر تو زیادہ وقت آنکھیں بند کر کے استغفار ہی پڑھتا رہا۔ سنا ہے کہ کسی عمل کو کرنے کے بعد اگر کثرت سے استغفار کیا جائے تو اس عمل کی قبولیت اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ ہو جاتی ہے۔ عمل کی کمی بیشی کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں۔

جب جہاز کی روانگی کے لئے اعلان ہوا تو فقیر مولانا عبداللہ کے ہمراہ لاؤنج سے رن وے کی طرف روانہ ہوا۔ جہاز عمارت سے بہت قریب کھڑا تھا۔ یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ حاکم شہر اپنے وعدے کے مطابق رن وے پر موجود تھا۔ ان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ میں نے سول ایوی ایشن سے چالیس آدمیوں کی رن وے پر آنے کی اجازت لی ہے، انہیں بتایا ہے کہ میرے پیرومرشد سفر کر رہے ہیں۔ لہٰذا یہ 40 علماء کی جماعت الوداع کرنے کے لئے موجود ہے۔ فقیر مولانا احمد جان اور دوسرے علماء کو رن وے پر مل کر بہت خوش ہوا۔ اتنے میں جہاز کے مسافر حضرات بھی آنے شروع ہو گئے۔ دملہ احمد جان نے ان سب سے کہا کہ ایک شیخ کامل آج ہمارے علاقے سے رخصت ہو رہے ہیں، آپ فائدہ اٹھا لیں اور اپنے دلوں پر اللہ اللہ نقش کروا لیں۔ دملہ احمد جان چونکہ علاقے کی معروف شخصیت تھے لہٰذا ان کے کہنے پر مسافر حضرات فقیر کے قریب آنے لگے۔ فقیر نے ان کے دل پر اللہ اللہ نقش کرنا

شروع کر دیا۔ الحمد للہ سب مسافروں کے دلوں پر نشاندہی کر دی گئی۔ جب مرد حضرات فارغ ہوئے تو ایک ائر ہوسٹس آگے بڑھی اور فقیر کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔ پہلے تو فقیر سمجھا کہ شاید بورڈنگ پاس لینے کے لئے آئی ہے۔ جب بورڈنگ پاس اس کو دیا تو وہ کہنے لگی کہ آپ میرے سینے پر بھی اسی طرح انگلی لگائیں جس طرح مردوں کو لگائی ہے۔ فقیر حیران پریشان تھا کہ

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا

فقیر نے دملہ احمد جان سے کہا کہ آپ اس خاتون کو سمجھائیں کہ ہم غیر محرم عورت کے جسم کو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ وہ کہنے لگی، کیوں نہیں لگا سکتے؟ فقیر نے کہا کہ ہماری شریعت میں اس کی اجازت نہیں ہے۔ وہ کہنے لگی آپ کو میں خود اجازت دے رہی ہوں، اور یہ کہہ کر بالکل قریب آگئی۔ فقیر ڈرا اور سہمی ہوئی بکری کی طرح دملہ احمد جان کی اوٹ میں آگیا۔ اتنے میں ائرپورٹ کے انچارج اپنی گاڑی پر تشریف لائے اور فقیر سے ملے کہ میں بھی آپ کی دعائیں لینے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ الحمد للہ، ان کے آنے سے ائر ہوسٹس والا معاملہ ٹل گیا۔

ہوا کے دوش پر:

فقیر اپنے احباب سے مل کر جہاز پر سوار ہوا تو اکثر آنکھیں اشکبار تھیں۔ یوں محسوس ہوا کہ جیسے ایک خواب دیکھا تھا جو ابھی ابھی ختم ہوا ہے۔ تاشقند کا خیال آتے ہی عباس خان اور دادا خان نوری کا خیال آیا۔ اتنے میں جہاز نے رن وے پر بھاگنا شروع کر دیا۔ فقیر نے کلمہ شریف کی تلاوت کی اور آنکھیں بند کر کے تصور جاناں میں گم ہو گیا۔ جہاز چلے کوئی آدھا گھنٹہ گزرا ہو گا کہ مولانا عبد اللہ نے فقیر کو متوجہ کیا کہ ان کے قریبی نشست والا مسافر بیعت ہونا چاہتا ہے۔ فقیر نے کہا کہ اچھا تاشقند اتر کر

بیعت کر لیں گے۔ اس نے کہا کہ اس وقت تو سامان کی جلدی ہو گی، ابھی فارغ ہیں، آپ بیعت کر لیں۔ ہم لوگ ابھی تیار ہو رہے تھے کہ پیچھے کی ایک نشست پر بیٹھے ہوئے ایک دوسرے مسافر نے مولانا عبداللہ کو اونچی آواز میں کچھ کہا۔ فقیر نے پوچھا کہ یہ کیا کہنا چاہتا ہے؟ تو مولانا مسکرائے اور کہنے لگے حضرت یریدون ان یبایعونك (یہ سب آپ سے بیعت ہونے کا ارادہ کر رہے ہیں) فقیر نے کہا اچھا مولانا عمامہ پھیلاؤ۔ الحمدللہ درمیانی راستے میں عمامہ پھیلا دیا گیا اور دونوں طرف کے مسافروں نے اسے پکڑ لیا۔ قریب والوں نے دونوں ہاتھوں سے اور دور والوں نے ایک ہاتھ سے پکڑا۔ جہاز میں ایک سو پچاس کے قریب سواریاں سوار ہوں گی۔ فقیر نے خطبہ پڑھا اور بیعت کے کلمات پڑھائے۔ الحمدللہ سب لوگوں نے با آواز بلند کلمات پڑھے، ائر ہوسٹس نے کاک پٹ کھول کر کپتان کو بھی منظر دکھایا۔ کپتان روسی نظر آتا تھا اور دیکھ کر اس طرح سے ہنس رہا تھا جیسے کہ بچے چڑیا گھر کے جانوروں کے کرتب دیکھ کر ہنستے ہیں۔ فقیر کا دل گریہ کناں تھا کہ اے پروردگار! آپ نے اس کم کوش اور بے بضاعت فقیر کو یہ توفیق عطا فرمائی کہ ہوا کے دوش پر بھی اپنے مشائخ کا فیض پہنچایا۔ توبہ کے کلمات پڑھتے ہوئے بہت زیادہ مزہ آرہا تھا۔ بیعت کے بعد مولانا عبداللہ نے ازبک زبان میں اوراد و وظائف کی تفصیل بتائی۔ آخر پر فقیر نے مراقبہ کروایا۔

ائر ہوسٹس کی عقیدت:

جب جہاز اترنے کے قریب ہوا تو ابو عثمان کے قریب بیٹھے ہوئے ایک مسافر نے پوچھا کہ یہ شیخ کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ کیا مقصد ہے؟ یہ سب لوگوں کو کیا کر رہا ہے؟ ابو عثمان نے جواب دیا کہ ذکر سکھا رہے ہیں، مگر آپ کو اتنی تشویش کیوں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں صدر اسلام کریموف کا خاص آدمی ہوں، اس لئے مجھے سب

تفصیلات معلوم کرنی ہیں۔ ابو عثمان سمجھا کہ شاید یہ خفیہ پولیس کا کوئی آدمی ہوگا۔ لہٰذا اس نے مزید بات چیت کرنا مناسب نہ سمجھا۔ جب جہاز تاشقند ائرپورٹ پر اترا تو ائرہوسٹس نے مولانا عبداللہ سے کہا پہلے آپ لوگ اتریں گے۔ جب فقیر نیچے اترا تو سامنے پروٹوکول آفیسر کو کھڑے پایا۔ اس کے ساتھ لیموزین اور چھ پولیس افسر تھے۔ اس نے فقیر سے کہا کہ آپ کے بارے میں ہمیں جہاز سے فون کیا گیا تھا کہ ایک VVIP صاحب آرہے ہیں، ان کا استقبال کرنا ہے۔ ہم آپ کو پروٹوکول کے ساتھ اندر لاؤنج میں لے جائیں گے۔ فقیر گاڑی میں داخل ہوا تو وہ تو سیون سٹار ہوٹل کی طرح چمک دمک رہی تھی۔ جب ہم تینوں آدمی سیٹ پر بیٹھ گئے تو خفیہ پولیس والا آدمی بھی اسی گاڑی میں سوار ہونے لگا۔ جب پروٹوکول والے نے ابو عثمان سے پوچھا کہ کیا یہ آپ کے ساتھ ہے؟ تو اس نے کہا، نہیں۔ چنانچہ پروٹوکول والے نے اسے اتار دیا۔ اس نے اترتے ہوئے ابو عثمان سے پوچھا کہ آپ کہاں جارہے ہیں؟ ابو عثمان نے ہنستے ہوئے کہا "ہم اسلام کریموف سے ملنے جارہے ہیں"۔

پروٹوکول والوں کی وردیاں اس قدر خوبصورت اور جاذب نظر تھیں کہ انسان حیران ہی رہ جائے۔ ائرپورٹ کے وی آئی پی لاؤنج میں لے جاکر ہمیں اتارا گیا اور کہا گیا کہ آپ کے لئے چائے تیار ہے نوش فرمالیجئے۔ ایک کمرے میں میز پر چائے کے ساتھ نہ جانے کیا کیا سجا ہوا تھا۔ ہم تینوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا رہے تھے کہ

کہاں ہم اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی

چائے پی کر ہم لوگ لاؤنج سے باہر نکلے اور ٹیکسی لے کر ہوٹل سیاحت پہنچے۔ ٹیکسی میں بیٹھے ہوئے اپنی اوقات یاد آرہی تھی تاہم بزرگوں سے سنا ہے کہ اپنی خواہش

کے بغیر اگر کہیں عزت ملے تو اسے منجانب اللہ سمجھنا چاہئے۔ مگر نفس کو یاد دلانا چاہئے کہ جو ذات عزت دے سکتی ہے وہ اگر ناراض ہو جائے تو جوتے بھی لگوا سکتی ہے۔

باب 4

قزاقستان کا سفر

مورخہ یکم جولائی کو الماتا جانے کے لئے تاشقند سے روانگی ہوئی۔ مولانا عبداللہ کی سیٹ کنفرم تھی، ابو عثمان چونکہ ایک دن دیر سے پہنچے لہٰذا ان کی ٹکٹ کنفرم نہ ہو سکی۔ جب ہوٹل سیاحت سے ائرپورٹ کی طرف روانہ ہوئے تو مولانا عبداللہ نے پوچھا کہ حضرت! کہاں جانا ہے؟ قانون کے مطابق ملکی مسافر کو ایک ٹرمینل سے جانا ہوتا ہے اور غیر ملکی مسافر کو دوسرے ٹرمینل سے جانا ہوتا ہے۔ فلائٹ ٹائم بھی قریب تھا۔ لہٰذا فقیر نے کہا! مولانا! ہم سب غیر ملکی ٹرمینل پر جاتے ہیں اللہ مالک ہے۔ اس وقت ہمارے سامنے دو مسئلے تھے۔ ایک تو ملکی غیر ملکی ٹرمینل والا، دوسرا ابو عثمان کی سیٹ کنفرم نہ ہونے والا۔ فقیر دعائیں کرتا رہا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان دو مسئلوں کو آسانی سے حل فرمادے۔

خدا کی قدرت:

جب گاڑی ہوائی اڈے کی عمارت کے قریب جا کر رکی تو مولانا عبداللہ جلدی سے باہر نکلے، فقیر سمجھا کہ سامان وغیرہ اتار رہے ہوں گے۔ جب ڈرائیور کو پیسے دیکر

فقیر باہر نکلا تو دیکھا کہ مولانا عبداللہ نظر نہیں آرہے۔ ابو عثمان سے پوچھا کہ مولانا عبداللہ کہاں ہیں ؟ اس نے بتایا کہ وہ بھاگتے ہوئے عمارت میں چلے گئے ہیں۔ اتنے میں مولانا عبداللہ بھی تشریف لے آئے اور کہنے لگے کہ میں نے سیکیورٹی والے سے پوچھا ہے، ایک تو میں اس ٹرمینل سے جا نہیں سکتا دوسرے ابو عثمان کی سیٹ کنفرم نہیں ہے، لہٰذا یہ آج ہمارے ساتھ نہیں جاسکتا۔ البتہ کل ہمیں الماتا آکر مل سکتا ہے۔ فقیر کو سخت غصہ آیا چنانچہ مولانا عبداللہ کو خوب ڈانٹ پلائی اور کہا کہ آپ نے از خود یہ کام کیوں کیا؟ فقیر کے ساتھ جا کر پوچھتے تو فقیر کچھ توجہات ڈالتا کام کی امید زیادہ ہوتی۔ مولانا نے خاموشی سے ڈانٹ سن لی پھر کہا کہ حضرت! معاف فرمادیں آئندہ خیال رکھوں گا۔ فقیر نے کہا، اچھا اب میرے ساتھ اندر چلیں اور فقیر جیسے کہتا رہے ویسے کرتے رہیں۔ چنانچہ ہم لوگ اپنا سامان لے کر عمارت کے اندر گئے سیکیورٹی آفیسر نے جب فقیر کو آتے دیکھا تو کھڑے ہو کر Good Morning (صبح بخیر) کہا اور ہم تینوں کو اندر جانے دیا۔ ایک مرحلہ تو مکمل ہوا۔

سامان کی بکنگ کے لئے دوسرا کوئی مسافر موجود نہیں تھا۔ ہم لوگ سیدھے کاؤنٹر پر پہنچے۔ نمائندہ خاتون نے ہماری ٹکٹیں لے لیں اور کمپیوٹر میں سے چیک کیا۔ فقیر تین میٹر دور کھڑا توجہ دے رہا تھا اور مولانا عبداللہ متکلم بنے ہوئے تھے۔ خاتون نے کہا کہ یہ غیر ملکی مسافروں کے لئے ٹرمینل ہے ملکی مسافروں کو تو دوسرے ٹرمینل سے جانا چاہئے۔ مولانا عبداللہ نے کہا کہ یہ ہمارے مہمان ہیں اور ہم ان کے ترجمان ہیں لہٰذا ساتھ جانا ضروری ہے۔ اس نے کہا چلو اچھا میں یہیں سے بھیج دیتی ہوں۔ لیکن جب اس نے کمپیوٹر میں چیک کیا تو ابو عثمان کی سیٹ کنفرم نہیں تھی۔ اس نے مولانا عبداللہ سے کہا کہ آپ جا سکتے ہیں مگر ابو عثمان نہیں جا سکتا۔ فقیر نے مولانا عبداللہ سے کہا کہ اس خاتون سے کہو کہ یہ اپنی طرف سے بھر پور کوشش کرے۔ ہم اس کے

لئے دعا کریں گے۔ خاتون تھوڑی دیر تک بڑے غور سے فقیر کا چہرہ دیکھتی رہی پھر اس نے ٹیلیفون کا رسیور اٹھا کر کسی افسر سے بات کی کہ میں ایک مسافر کو سیٹ دینا چاہتی ہوں۔ دوسری طرف سے افسر کہہ رہا تھا کہ ایسا ہرگز نہ کریں۔ خاتون نے کہا کہ میرے سامنے ایک ایسی شخصیت کھڑی ہے کہ میں اس کو انکار نہیں کر سکتی۔ افسر نے کہا کہ میں آپ کو منع کر رہا ہوں۔ خاتون بولی کہ میں آپ کو اطلاع دے رہی ہوں کہ میں سیٹ دے چکی ہوں اور یہ کہہ کر اس نے ابو عثمان کی ٹکٹ پر مہر لگا دی۔ جب بورڈنگ پاس سب کو مل گئے تو ابو عثمان کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں اور مولانا عبداللہ کہنے لگے کہ حضرت یہ توجہ بھی عجیب نعمت ہے۔ فقیر نے کہا کہ ہم نے تو سینکڑوں مرتبہ اس کے نظارے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ جب ہم بورڈنگ پاس لے کر لاؤنج میں جانے لگے تو ایکسرے مشین سے دستی سامان کو گزارنا پڑا۔ جب آگے بڑھے تو ایک خاتون نے ہمارے بورڈنگ پاس چیک کئے اور ابو عثمان کی ٹکٹ دیکھ کر کہنے لگی کہ اس کی سیٹ تو کنفرم نہیں تھی پھر یہ کیسے جا سکتا ہے؟ فقیر حیران ہوا کہ یہ نئی مصیبت کہاں سے ٹپک پڑی؟ اتنے میں قریبی کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک نوجوان تیزی سے باہر نکلا اور اس لڑکی سے کہنے لگا کہ چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے میں کب سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ لڑکی نے کہا کہ اس مسافر کی سیٹ کنفرم نہیں تھی مگر اس کو بورڈنگ پاس کیسے مل گیا؟ لڑکے نے کہا جانے دو تمہیں ٹانگ اڑانے کی کیا ضرورت ہے اور ساتھ ہی اس لڑکی کو بغل میں لے کر کمرے میں چلا گیا۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا عجیب نظارہ دیکھا۔ سبحان اللہ، جو کام مشکل نظر آ رہا تھا اللہ تعالیٰ نے اسے آسان کر دیا۔ سچی بات تو یہی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو نفع دینا چاہیں تو ساری دنیا مل کر بھی اسے نقصان نہیں دے سکتی اور اگر اللہ تعالیٰ کسی کو نقصان دینا چاہیں تو ساری دنیا مل کر بھی اسے فائدہ نہیں دے سکتی۔

مدعی لاکھ برا چاہے تو کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے

الماتا۔ مسکراتی حسینہ:

جب ہم لوگ جہاز سے روانہ ہوئے تو فضا میں پہنچتے ہی نیچے برفانی پہاڑوں کی چوٹیاں نظر آنے لگیں۔ ایک طرف پامیر کے بلند وبالا پہاڑ ہیں جنہیں "دنیا کی چھت" کہا جاتا ہے۔ دوسری طرف تیئن شیئن پہاڑوں کا سلسلہ چین کی سرحد پر دیوار کی طرح کھڑا ہے، شمال میں سائبیریا ہے اور ایک طرف روس کی والگا وادی اور دوسری طرف بحیرہ کیپسئن ہے۔ قزاق کا لفظ اردو میں "ڈاکو" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ شاید اس لئے ہے کہ چنگیز خان نے قزاقوں کی مدد سے ایسی فوج تیار کی تھی جس نے دنیا کے اندر تہلکہ مچادیا تھا اور روسیوں کو کیف تک دھکیل دیا تھا۔ قزاق کا لفظ قبائلی لوگوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یہ لوگ کھیتی باڑی کرنے اور جانور پالنے میں بہت مہارت رکھتے ہیں۔ شاہراہ ریشم کے زمانے میں شاید ان کی مسافروں سے مڈبھیڑ ہوتی ہو اور اسی وجہ سے قزاق مشہور ہو گئے ہوں۔ قزاقستان کا رقبہ پورے برصغیر پاک وہند سے بھی بڑا ہے۔ اس کی زمین میں فرانس جیسے پانچ ملک سما سکتے ہیں۔ کل رقبہ تقریباً 27 لاکھ مربع کلو میٹر ہے۔ مگر اس کی آبادی صرف ایک کروڑ تیس لاکھ ہے۔

قزاقستان وہ آزاد مسلم ریاست ہے جس کے پاس انتہائی مہلک ایٹمی ہتھیار موجود ہیں۔ مزید برآں خلاء میں گاڑیاں بھیجنے کے لئے روس نے یہاں پر ایک ایسا اسٹیشن بنایا تھا کہ جس سے 1,000 خلائی پروازیں کامیابی سے بھیجی گئیں مگر دنیا کے کسی نقشے میں اس کا ذکر تک بھی نہیں تھا۔ مشہور خلائی اسٹیشن میر بھی یہاں سے بھیجا گیا۔ مقامی لوگوں کی رپورٹ کے مطابق جب روس نے محدود علاقے میں اثر کرنے والے ایٹم بم

بنائے تو قزاقستان کے صحراؤں میں اس کا تجربہ زمین کے اوپر کیا۔ تابکاری شعاعیں جب پھیلیں تو بستیاں اور گاؤں کے گاؤں اس کی زد میں آئے ، ہزاروں لوگ مر گئے، حکومت وقت نے دنیا کو اس کی خبر تک نہ لگنے دی۔ ان علاقوں میں رہنے والے لوگوں کی اولادیں آج بھی مسخ شدہ شکلوں کے ساتھ پیدا ہوتی ہیں۔ جب سٹالن نے اپنے ملک سے جرمن یہودیوں کو دھکیلا تھا تو ان کی اکثریت قزاقستان میں آکر آباد ہو گئی تھی۔

فقیر نے مولانا عبداللہ سے معلوم کیا کہ الماتا یا الماعطا کے کیا معنی ہیں تو انہوں نے بتایا کہ اس کے تین مفہوم بہت معروف ہیں۔ ایک تو یہاں کے سیب بہت لذیذ ہوتے ہیں جس کی وجہ سے اسے "بابائے سیب" (Father of the Apple) کہا جاتا ہے۔ دوسرا یہاں کے 28 فوجی جوانوں نے دوسری جنگ عظیم میں ہٹلر کی فوجوں کی پیش قدمی روکی تھی ان سب کی یادگار میں یہاں کے ایک باغ میں ان کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ ان کی وجہ سے الماتا کا معنی وفادار ہے۔ تیسرا مفہوم یہاں کے دیہاتی علاقے کے لوگوں نے قائم کر لیا ہے۔ وہ جب شہر میں آتے ہیں تو انہیں ہر طرف چہل پہل نظر آتی ہے یعنی پھل، پھول، جدید عمارتیں اور کشادہ سڑکیں تو انہوں نے اس کا معنی "مسکراتی حسینہ" بنا لیا ہے۔ الماتا شہر کے قریب ہی دنیا کی سب سے بڑی سکینگ پہاڑی چوٹی ہے جہاں سکینگ کھیل کے شائقین کا سارا سال تانتا بندھا رہتا ہے۔ الماتا شہر کے ایک باغ میں ایک ایسی عظیم الشان عمارت موجود ہے جو لکڑی سے بنی ہوئی ہے مگر اس میں لوہے کا کوئی کیل استعمال نہیں کیا گیا۔ مقامی لوگ گھوڑے پالنے میں مشہور ہیں بلکہ گھوڑے ذبح کر کے ان کا گوشت کھانا یہاں کا عام معمول ہے۔ انہی باتوں کے دوران ائر ہوسٹس نے اعلان کیا کہ ہم الماتا کے ہوائی اڈے پر اترنے والے ہیں۔

الماتا کی جامع مسجد:

ہم لوگوں نے فجر کی نماز ائر پورٹ پر پڑھی پھر ٹیکسی لے کر جامع مسجد میں پہنچے اور سو گئے۔ ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد نائب مفتی اعظم سے ملاقات ہوئی۔ جمعرات کا دن تھا لوگوں سے انفرادی ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ مسجد اگرچہ کافی وسیع تھی مگر ترکی حکومت کی طرف سے نئی عالیشان عمارت بنانے کا معاہدہ ہو چکا تھا جس کا سنگ بنیاد جمعہ کے دن رکھا جانا تھا۔ مسجد کے قریب مدرسہ عربیہ بھی تھا جس کے طلباء وہاں مقیم تھے مگر یہ بات بڑی عجیب تھی کہ نماز فجر اور نماز عصر کے وقت مسجد میں نہ کوئی نماز پڑھنے والا ہوتا اور نہ ہی کوئی پڑھانے والا ہوتا۔ فقیر اس صورتحال کو دیکھ کر بہت پریشان ہوا۔ جب معاملے کو سمجھنے کی کوشش کی تو پتہ چلا کہ اس تنزلی کی ساری بنیاد مفتی اعظم صاحب ہیں۔ فقیر کو تو وہ کیمونسٹ حکومت کے ترجمان نظر آتے تھے۔ گو انہوں نے عربی زبان سیکھ لی تھی مگر اوپر سے 'لا الہ' اور اندر سے 'کالی بلا' والا معاملہ تھا۔ فقیر نے مولانا عبداللہ کو اپنے تاثرات بتائے تو وہ کہنے لگے کہ حضرت! آپ نے سو فیصد صحیح بات کو سمجھ لیا ہے۔ جب یہ مفتی اعظم صاحب بنے تھے تو انہوں نے وقت کے صدر کے ساتھ مل کر ایک تقریب منعقد کی جس میں سارے ملک کے مفتی صاحبان اور خطباء و ائمہ کو بلایا گیا تھا۔ صدر نے مفتی صاحب کی تقرری کی خوشخبری سنائی۔ پھر مفتی صاحب نے تقریر کی اور تقریر کے آخر پر سب حاضرین سے وفاداری کا عہد لیا اور انہیں کہا کہ آپ سب لوگ مجھے تعظیمی سجدہ کریں۔ جو حکومتی ٹٹو تھے وہ تو رکوع کی حالت میں جھک گئے اور جو اہل حق حضرات تھے انہوں نے ایسا نہ کیا۔ ان سب حضرات کو اسی وقت مساجد سے فارغ کر دیا گیا اور ان کی جگہ حکومت نے اپنے نمائندوں کو تعینات کر دیا۔

زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

اب پورے ملک کے ائمہ و خطباء پر مفتی اعظم صاحب کا راج ہے اور مفتی اعظم کے دل پر ملک کے صدر کا راج ہے۔ مفتی صاحب جمعہ کا خطبہ دے دیتے ہیں اور باقی سارا کام نائب مفتی کے ذمے ہے۔ رہی بات نمازوں کی تو مثل مشہور ہے کہ " جس کا تھاڈر وہ نہیں ہے گھر اب جو چاہے کر" والا معاملہ ہے۔ یہ باتیں سن کر فقیر کو بہت دکھ ہوا، سوچا کہ کل ان سے ملاقات کریں گے۔

مفتی اعظم سے ملاقات:

جمعہ کے دن صبح دس بجے مفتی اعظم صاحب سے ملاقات ہوئی۔ تھوڑی دیر کی گفتگو میں مفتی صاحب نے فرمایا کہ ہم یہاں پر ترکی والا اسلام لانا چاہتے ہیں۔ پاکستانی لوگ دین کے معاملے میں بہت زیادہ سخت ہیں۔ ہم ترقی یافتہ ملک میں رہتے ہیں، ہمیں اسلام میں لچک دینی چاہئے۔ **الدین یسر** (دین آسان ہے) فقیر اس دوران مفتی صاحب کو توجہ دیتا رہا مگر پتہ چلا کہ یہ فتویٰ دینے والا مفتی نہیں ہے بلکہ مفت سے مفتی بنا ہے۔ دل میں دنیا کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ مولانا عبداللہ نے بتایا کہ ہمارے شیخ یہاں سلسلہء عالیہ نقشبندیہ کی نسبت پھیلانے آئے ہیں۔ مفتی صاحب نے فرمایا، انہیں میری طرف سے اجازت ہے یہ پورے ملک میں جہاں چاہیں جائیں اور جس مسجد میں چاہیں وعظ کریں، ہماری دعائیں اور نیک تمنائیں ان کے ساتھ ہیں۔ حدیث پاک میں آیا ہے **اذا اتاکم کریم قوم فاکرموہ** (جب تمہارے پاس قوم کا کوئی مہمان آئے پس تم اس کا اکرام کرو) فقیر نے اسی کو غنیمت سمجھا اور مولانا عبداللہ سے کہا کہ ہم جانے کی اجازت طلب کریں، مفتی صاحب نے اجازت دی اور دروازے تک چھوڑنے کے لئے آئے، اس کے بعد فقیر ان سے کبھی نہیں ملا۔

نئی مسجد کا سنگ بنیاد :

نماز جمعہ پڑھانے کے لئے ترکی کا ایک وفد آیا ہوا تھا، جن صاحب نے تقریر کی وہ تو داڑھی کی سنت سے محروم، کوٹ پتلون پہنے ہوئے اور ٹائی لگائے ہوئے، ننگے سر تقریر کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنی تقریر میں بتایا کہ ہم یہاں مسجد بنا کر پورے ملک میں اس کی شاخیں قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ترکی ایک ماڈل اسلامی ملک ہے، استنبول میں ہزاروں مسجدیں ہیں۔ ہر ہر مسجد میں ہزاروں لوگ نماز پڑھ سکتے ہیں۔ ترکی اپنی ترقی کے اعتبار سے یورپ کا حصہ ہے۔ لہٰذا آپ سب ترکی کے ساتھ تعاون کریں۔ خطبہ مفتی اعظم صاحب نے پڑھا شکر الحمد للہ کہ نماز ترکی کے ایک مہمان شیخ نے پڑھائی جو ظاہری سنت سے آراستہ تھے۔ ورنہ تو ہم جمعہ کی نماز سے محروم ہو جاتے۔ نماز کے بعد سنگ بنیاد کی تقریب ہوئی۔ الماتا شہر سے سینکڑوں مرد اور عورتیں اس تقریب کو دیکھنے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ جب فقیر نے سنگ بنیاد کی دعا کر لی تو واپس مسجد میں آگئے۔

قزاق دوشیزہ کا خواب :

ہم لوگ مسجد میں داخل ہوئے ہی تھے کہ دو عورتیں ہماری طرف آئیں فقیر نے مولانا عبداللہ سے کہا کہ پوچھو یہ کیا کہتی ہیں؟ مولانا نے بتایا کہ ان میں سے ایک ماں ہے اور دوسری بیٹی ہے۔ ماں نے یہ بتایا ہے کہ اس کی بیٹی کا نام دینہ ہے اور وہ یہاں سے 50 میل دور رہتی ہے، آج سنگ بنیاد کی تقریب میں شرکت کے لئے آئی تھیں۔ اس نے چند دن پہلے خواب میں آپ کو دیکھا ہے۔ صبح اٹھ کر اس کی بیٹی نے آپ کا پورا حلیہ چہرہ مہرہ اور کپڑے وغیرہ کا تذکرہ کیا اور کہا کہ امی! اس بزرگ کے چہرے سے نور ٹپکتا تھا، ہاتھ میں عصا تھا۔ اس کی والدہ نے کہا کہ ایسے لوگ تو مسجدوں میں ہوتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے مسجد میں رابطہ کیا تو آج کی تقریب کا علم

ہوا۔ یہ اس میں شرکت کے لئے آئی تھیں مگر آپ کو دیکھتے ہی دینہ نے کہا امی! میں نے اس بزرگ کو خواب میں دیکھا ہے۔ یہ دونوں عورتیں سارا وقت آپ کے چہرے کو دیکھتی رہیں۔ اب چاہتی ہیں کہ آپ کی شاگرد بن سکیں۔ فقیر نے اسی وقت توبہ کے کلمات پڑھا کر انہیں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں داخل کیا اور یوں الحمد للہ قزاقستان میں نقشبندی نسبت کی اشاعت کا آغاز ہوا۔ ابھی یہ خواتین بیٹھی تھیں کہ ایک وفد نوجوان مردوں اور عورتوں کا مسجد میں داخل ہوا۔ مسجد دیکھتے دیکھتے آہستہ آہستہ ہمارے قریب پہنچا۔ مولانا عبد اللہ ان کے تعارف کے لئے ان کی طرف اٹھے۔ چند منٹ کے بعد سب لوگ فقیر کے پاس آگئے۔ مرد حضرات سامنے بیٹھ گئے جب کہ عورتوں کو فقیر نے اپنی دائیں طرف بیٹھنے کے لئے کہا۔

شوبز طائفہ کی آمد:

مولانا عبد اللہ نے کہا کہ یہ یونیورسٹی کے نوجوان ہیں ان کا تعلق اس ڈیپارٹمنٹ سے ہے جہاں طلباء و طالبات کو فلموں میں کام کرنے کی ٹریننگ دی جاتی ہے۔ ان کی قائد ایک لڑکی ہے جو آپ سے خود بات کرنا چاہے گی۔ فقیر نے کہا، بہت اچھا۔ فقیر کے دائیں لجانب بیٹھی ہوئی لڑکی بولی کہ میں اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ ایک ایسی شخصیت سے ہمکلام ہو رہی ہوں جس سے بات کرتے ہوئے میرے دل پر رعب طاری ہے۔ ایک ان ہونی سی ہیبت مجھے متاثر کر رہی ہے۔ آپ اگرچہ میری طرف نہیں دیکھ رہے مگر میں آپ کا چہرہ دیکھ رہی ہوں۔ میں یونیورسٹی میں ٹریننگ حاصل کر رہی ہوں۔ میں اپنی یونیورسٹی کی سب سے اول نمبر کی رقاصہ ہوں۔ میرے ساتھ چند اور لڑکیاں بھی ہیں جو ماڈلنگ کی تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔ کچھ لڑکے اور لڑکیاں میوزک سیکشن سے تعلق رکھتے ہیں اور کچھ لڑکے مصوری کا فن سیکھ رہے ہیں۔ ہم

لوگ یونیورسٹی سے شہر کی طرف نکلے تھے کہ آئس کریم کھائیں مگر مسجد کے قریب ہجوم دیکھ کر رک گئے۔ اسی دوران ہم نے آپ کو مسجد میں داخل ہوتے دیکھا۔ ہم میں سے بعض نے کہا کہ یہ غیر ملکی مہمان نظر آتے ہیں۔ چلیں ان سے تعارف کرتے ہیں۔ ہم مسجد میں داخل ہوئے ہیں اور اب آپ کے سامنے بیٹھے ہیں۔

فقیر نے اپنا مختصر تعارف کروایا، جب انہیں معلوم ہوا کہ فقیر نے الیکٹریکل انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کی ہوئی ہے کمپیوٹر میں بھی مہارت حاصل ہے، یورپ وغیرہ کی کانفرنسیں بھی دیکھی ہیں تو وہ لوگ ہکا بکا رہ گئے۔ پوچھنے لگے کہ آپ تو ایک شیخ نظر آتے ہیں۔ فقیر نے کہا، ہاں یہی زندگی کا اصل پہلو ہے اور یہی تخلیق کائنات کا مقصد ہے۔ اگر فقط کھانا پینا ہوتا تو انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہ رہتا۔ انسان کو فضیلت ہی اچھے اخلاق اور کردار کی وجہ سے ہے۔ تقریباً ایک گھنٹے تک یہ بات چیت چلتی رہی۔ اس کے بعد ایک نوجوان نے مولانا عبداللہ کے کان میں کچھ بات کہی تو مولانا نے کہا کہ یہ نوجوان آپ سے بات کرنے کی اجازت چاہتا ہے۔

تیسرے ہیرے کی دریافت :

اس نوجوان نے بتایا کہ میرا نام امیر تیمور ہے۔ میں یونیورسٹی میں مصوری کا فن سیکھ رہا ہوں۔ آپ کی بات سن کر میرے اندر کی دنیا میں انقلاب پیدا ہو گیا ہے۔ اب یہ سب کچھ چھوڑ کر میں وہ علم سیکھنا چاہتا ہوں جو آپ سکھاتے ہیں۔ فقیر نے کہا، اس کے لئے بیعت ہونا پڑتا ہے۔ اس نے کہا کہ میں تو سو فیصد تیار ہوں مجھے بیعت کر لیجئے۔ جب نوجوان آگے بڑھا تو دوسرے لوگوں نے پوچھا کہ کیا ہم بھی شاگرد بن سکتے ہیں؟ مولانا عبداللہ نے کہا کہ جو شخص بھی اپنی پچھلی زندگی کے گناہوں سے توبہ کرنا چاہے وہ آگے بڑھے اور شیخ کے سامنے کلمات پڑھے۔ اس پر لڑکیاں بھی اٹھ کر سامنے آنے

لگیں۔ مولانا نے انہیں بتایا کہ آپ یہیں بیٹھی رہیں اور کلمات پڑھ لیں۔ فقیر نے خطبہ بیعت کے بعد کلمات پڑھائے۔ جب دعا مانگی تو مجمع پر گریہ طاری ہو گیا۔ ایک تو دینہ زارو قطار رو رہی تھی اور دوسرا یونیورسٹی کی رقاصہ بہت زیادہ رو رہی تھی۔ الحمد للہ آنے والے وقت نے ثابت کیا کہ امیر تیمور اور رقاصہ کی توبہ سچی تھی۔ دونوں نے یونیورسٹی جانا چھوڑ دیا۔ فقیر کے مشورے پر دونوں نے آپس میں شادی کر لی۔ امیر تیمور نے فقیر کے ساتھ پورے رشیا کا دورہ کیا۔ سر سے پاؤں تک سنت کے مطابق زندگی بن گئی۔ قصبے والوں پر اس کی نیکی کا اتنا اثر پڑا کہ انہوں نے امیر تیمور کو مسجد کا امام خطیب اور مدرسے کا مہتمم بنا دیا۔ یوں الماتا پہنچ کر ہمیں تیسرے ہیرے کی دریافت نصیب ہوئی۔ رقاصہ نے امیر تیمور سے قرآن پڑھنا سیکھا اور اب وہ گاؤں کی بچیوں کو قرآن کی تعلیم دیتی ہے۔ امیر تیمور نے یہ بات اکثر دوستوں کو بتائی کہ دیکھو، میں نے نیکی کا راستہ اپنایا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے دنیا ہی میں "حور" عطا کر دی وگرنہ اس رقاصہ کے تو ہزاروں چاہنے والے تھے۔ اب وہ دوپٹہ لے کر جب قرآن پڑھتی ہے تو حور عین معلوم ہوتی ہے۔ **ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء** (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے دیتے ہیں اس کو جس کو چاہتے ہیں)۔

چیلک میں قیام :

جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد مولانا عبداللہ وضو تازہ کرنے کے لئے گئے تو ان کی ملاقات الماتا سے 100 کلو میٹر دور سے آنے والے ایک صاحب سے ہوئی۔ سرسری تعارف کے بعد ان صاحب کی ملاقات فقیر سے ہوئی تو انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ آپ لوگ ہمارے گھر چلیں۔ مولانا عبداللہ کا مشورہ تھا کہ دعوت قبول کرنے سے ہمیں قزاقستان کے دیہاتوں میں کام کرنے کا موقع مل جائے گا۔ فقیر نے

بھی آمادگی ظاہر کردی۔ چنانچہ اگلے دن ہم لوگ دو گھنٹے کا سفر کر کے چیلک پہنچے۔ چیلک ایک بڑے گاؤں کا نام تھا جس میں زندگی کی ہر سہولت مہیا تھی۔ کھلی کھلی سڑکیں، کشادہ گھر، پرسکون زندگی، لوگ ایک دوسرے سے بہت زیادہ محبت کرنے والے تھے۔

مسجد میں ظہر کی نماز کے وقت اعلان کر دیا گیا کہ مغرب کی نماز کے بعد بیان ہوگا۔ یہ بات جنگل کی آگ کی طرح پورے گاؤں میں پھیل گئی۔ مردوں اور عورتوں نے ملاقات کے لئے آنا شروع کر دیا۔ صاحب خانہ کو سمجھایا گیا کہ عورتیں بغیر پردے کے سامنے آکر گفتگو نہیں کر سکتیں، تو ان کو یہ بات بہت عجیب لگی۔ عورتوں نے سوال پوچھا کہ پھر ہمارے دین سیکھنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ فقیر نے کہا کہ کل دن کے گیارہ بجے ایک پروگرام فقط عورتوں کے لئے منعقد کریں گے۔ عورتیں یہ بات سن کر خوشی سے کھل اٹھیں۔

مغرب کے بیان میں نوجوان حضرات کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ الحمد للہ لوگ نہایت ذوق و شوق کے ساتھ بیان سننے کے لئے بیٹھے۔ ہمیں یہاں ترجمانی کے لئے دقت محسوس ہوئی۔ مولانا عبداللہ قزاقی زبان نہیں جانتے تھے اور مقامی باشندے ازبکی زبان نہیں جانتے تھے۔ امیر تیمور اگرچہ مقامی نوجوان تھے اور قزاقی زبان ان کی مادری زبان تھی مگر انہیں عربی، اردو وغیرہ سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ انگلش زبان کی تعلیم بھی واجبی سی تھی۔ بیان کا ترجمہ کرنا مشکل کام تھا۔ فقیر کو اس دن یہ بات اچھی طرح واضح ہوئی کہ قرآن مجید کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ہر پیغمبرؑ کو وہی زبان دے کر بھیجا جو مقامی باشندوں کی تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وما ارسلنا من نبی الا بلسان قومه

(اور نہیں بھیجا ہم نے کسی نبی کو مگر قوم کی زبان کے ساتھ)

فقیر نے تجویز پیش کی کہ مولانا عبداللہ فقیر کے عربی الفاظ کا روسی زبان میں ترجمہ کریں اور امیر تیمور روسی الفاظ کا قزاقی زبان میں ترجمہ کریں۔ چنانچہ اس دن کا بیان عربی زبان میں ہوا۔ مولانا عبداللہ نے اس کا ترجمہ روسی زبان میں کیا اور امیر تیمور نے اس کا ترجمہ قزاقی زبان میں کیا۔ یوں دو ترجمانوں سے گزارا ہو گیا۔ مقامی لوگ روسیوں سے نفرت کی وجہ سے مسجد میں روسی زبان بولنا بھی مکروہ سمجھتے تھے۔ لیکن ہمارے پاس بھی اس مسئلے کا کوئی دوسرا حل نہیں تھا۔ فقیر نے باطنی توجہ والا کام خوب کیا۔ اس سے فائدہ یہ ہوا کہ لوگوں کے دلوں نے اس پیغام کو سمجھ لیا جو پیغام فقیر پہنچانا چاہتا تھا۔ بیان کے بعد سب لوگ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں داخل ہوئے۔ بچوں کا جوش و خروش قابل دید تھا۔

مستورات کی بیعت :

اگلے دن گیارہ بجے صاحب خانہ کا گھر مستورات سے بھر گیا۔ حتیٰ کہ مسجد سے لاؤڈ سپیکر لا کر بیان کرنا پڑا۔ طے یہ ہوا کہ فقیر گذشتہ رات والا بیان انگریزی زبان میں دہرائے گا اور امیر تیمور اس کا ترجمہ مقامی زبان میں کریں گے۔ مولانا عبداللہ نے اشکال ظاہر کیا کہ مرد حضرات یہ بیان پہلے سن چکے ہیں وہ اس کو دوبارہ دلچسپی سے نہیں سنیں گے۔ فقیر نے کہا کہ مولانا! اللہ تعالیٰ نے شریعت میں اتنی جاذبیت رکھ دی ہے کہ ایک نصیحت بار بار سنی جائے تو بھی اس کا اثر ہوتا ہے۔ مزید برآں باطنی فیض بھی اگر ساتھ شامل ہو تو پھر تو قند مکرر کا مزہ ملتا ہے۔ جو لوگ گانا سنتے ہیں وہ ایک ہی گانے کو سینکڑوں مرتبہ سنتے ہیں مگر ان کو ہر بار نیا مزہ آتا ہے۔ جو چیونگم کو منہ میں لے کر ایک ایک گھنٹہ چباتے رہتے ہیں انہیں مزہ آتا ہے۔ اسی طرح فقیر قرآن کی آیات بیان کرے گا اور قرآن مجید میں اتنی جاذبیت ہے کہ سامعین کے دلوں کو متاثر

کرے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بیان کے بعد حاضرین نے ذکر سیکھا، بڑی چاہت سے مراقبہ کیا اور بتایا کہ کل کی نسبت آج زیادہ مزہ آیا ہے۔ اجتماعی دعا میں عورتوں نے بلند آواز سے رونا شروع کر دیا۔ اتنی رحمت نازل ہوئی کہ مردوں کی آنکھیں بھی اشکبار ہو گئیں۔ مولانا عبداللہ بہت زیادہ خوش تھے۔ بیان کے بعد فرمانے لگے کہ آج ہمارے ایمان میں اضافہ ہوا ہے۔ فقیر نے کہا، یہی اہل ایمان کی نشانی ہے۔

و اذا تلیت علیھم آیاتہ زادتھم ایمانا

(اور جب تلاوت کی جاتی ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کی آیات، زیادہ ہوتا ہے کہ ان کا ایمان)

نیا بندہ نیا نام :

صاحب خانہ کے بیٹے کی شادی کو دو سال گذر چکے تھے۔ اس کی بیوی امید سے تھی۔ اگلے دن اس نے بیٹا جنا اور شدید خواہش ظاہر کی کہ میرے بیٹے کا نام معزز مہمان کے نام پر رکھا جائے، چنانچہ اس کا نام "ذوالفقار احمد" تجویز کیا گیا۔ اہل خانہ کی خوشی کی انتہا نہیں تھی۔ فقیر نے نومولود کے لئے خوب دعائیں کیں۔ بچے کے باپ نے کہا کہ میں نے نیت کر لی ہے کہ اس بچے کو دین کی خدمت کے لئے وقف کروں گا۔ فقیر نے بتایا کہ امام غزالیؒ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ "اگر والدین کی نیت شروع سے یہی ہو کہ ہم نے بچے کو دین سکھانا ہے تو بچہ اپنی زندگی میں جتنے سانس لیتا ہے، والدین کو ہر سانس کے بدلے اجر دیا جاتا ہے"

حضرت خواجہ احمد یسویؒ :

حضرت خواجہ ابو یوسف ہمدانیؒ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے بڑے عظیم المرتبت مشائخ میں سے ہوئے ہیں۔ ان کے شاگردوں میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کا نام بھی آیا ہے۔ دونوں حضرات نے مختلف

اوقات میں چند مہینے حضرت خواجہ صاحبؒ کی صحبت میں گزار کر نسبت نقشبندیہ کے علوم و معارف کو حاصل کیا۔ اسی لئے خواجہ ابو یوسف ہمدانیؒ ان دونوں حضرات کے پیر تعلیم کہلاتے ہیں۔

خواجہ ابو یوسف ہمدانیؒ کے دو خلفاء نے بہت شہرت پائی۔ ایک تو خواجہ جہاں حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ نے اور دوسرے حضرت خواجہ احمد یسویؒ نے۔ خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ کا نام ہمارے مشائخ کی لڑی میں آتا ہے۔ مگر خواجہ احمد یسویؒ سے شجرے کی دوسری شاخ چلی۔ خواجہ احمد یسویؒ کا مزار تاتارستان میں ہے۔ فقیر کو مولانا عبداللہ نے بتایا کہ چند گھنٹے کار میں سفر کرنے سے ہم خواجہ احمد یسویؒ کے مزار پر حاضری دے سکتے ہیں۔ فقیر نے خوشی کا اظہار کیا لہذا مولانا نے پروگرام تشکیل دے دیا۔

حضرت خواجہ احمد یسویؒ بڑے مستجاب الدعوات بزرگوں میں سے ہوئے ہیں۔ جس کی طرف آنکھ بھر کر دیکھ لیتے تھے اسی کا دل جاری ہو جاتا تھا۔

نگاہ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

حضرت خواجہ احمد یسویؒ بڑے متبع سنت بزرگ تھے۔ لوگوں کو ان کے علوم و معارف سے بہت فائدہ ہوتا تھا۔ جب ان کی عمر 63 سال ہو گئی تو انہوں نے فرمایا کہ میرے محبوب ﷺ نے روئے زمین پر اتنی ہی عمر گزاری تھی لہذا میں بقیہ زندگی زیر زمین گزاروں گا۔ چنانچہ انہوں نے تہہ خانہ بنالیا۔ ہمہ وقت ذکر و عبادت میں مشغول رہتے حتی کہ اسی تہہ خانے میں ان کی وفات ہوئی۔

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

(ہر پھول اپنی علیحدہ رنگ و بو رکھتا ہے)

اولیاء کا ریوڑ :

جب ہم لوگ ایصال ثواب کے بعد مزار کی عمارت سے باہر آئے تو سخت بھوک لگی ہوئی تھی۔ مولانا عبداللہ کا خیال تھا کہ کسی ہوٹل سے روٹی خرید کر چائے کے ساتھ کھالیں گے۔ لیکن ابھی چند قدم ہی چلے تھے کہ ایک خاتون مولانا عبداللہ کے قریب آئی اور کہا کہ آپ لوگ مسافر معلوم ہوتے ہیں۔ مولانا نے کہا، ہاں۔ اس نے کہا، میں آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر کہتی ہوں کہ میری طرف سے دعوت قبول کریں۔ مولانا نے فقیر سے پوچھا کہ حضرت! کیا کریں ؟ فقیر نے عرض کیا مولانا! اگر یہ عورت کہتی کہ آپ اللہ کے واسطے میرے چند جوتے کھائیں تو ہم اس کے لئے بھی حاضر تھے، یہ تو کھانا کھانے کے لئے کہہ رہی ہے۔

مولانا نے یہ بات عورت کو بتائی تو وہ کھلکھلا کر ہنسی اور کہنے لگی کہ میرے بخت جاگ گئے کہ ایسے نیک لوگ میرے گھر کھانا کھائیں گے۔ فقیر نے پوچھا، مولانا! اس عورت کا گھر کہاں ہے ؟ اس عورت نے انگلی کے اشارے سے بتایا کہ وہ سامنے والا گھر ہے، آپ دو منٹ میں پیدل چل کر پہنچ جائیں گے۔ چنانچہ ہم سب لوگ اس کے گھر کی طرف چلے۔ جب وہ عورت گھر میں داخل ہوئی تو اس نے چیخ چیخ کر گھر کی لڑکیوں کو کچھ کہنا شروع کر دیا۔ مولانا عبداللہ ایک بات پر ہنسنے لگے، حتیٰ کہ ہنس ہنس کر دوہرے ہو گئے۔ فقیر نے پوچھا، مولانا! آپ کیوں ہنس رہے ہیں ؟ مولانا نے بتایا کہ یہ عورت گھر کی لڑکیوں کو خوش ہو کر کہہ رہی تھی کہ خدا کی بندیوں، جلدی کرو، دستر خوان لگاؤ، میرے ساتھ اولیاء اللہ کا ریوڑ آرہا ہے۔

اس نیک خاتون نے انتہائی پر تکلف ضیافت کا اہتمام کیا۔ ہم لوگوں نے کھانا کھا کر قیلولہ کیا پھر ظہر کی نماز ادا کر کے اگلی منزل کی طرف روانہ ہوئے۔

باب 5

کرغستان کا سفر

کرغستان جمہوریہ کے ایک طرف قزاقستان دوسری طرف ازبکستان اور تیسری طرف چین ہے۔ یہاں کے لوگ چین کے صوبہ کتائی سے نسلی تعلق رکھتے ہیں۔ یہ جمہوریہ دوسری جمہوریاؤں سے اقتصادی طور پر پیچھے ہے۔ اس کا بہت سارا علاقہ پہاڑی سلسلے پر مشتمل ہے۔ دینداری کے اعتبار سے ازبکستان کے بعد دوسرا نمبر کرغستان کا ہے۔ یہاں کے علماء کا تعلق نمگان اور وادی فرغانہ کے علماء و مشائخ سے بہت زیادہ ہے۔

بشکک یا فرونزے:

روسی کیمونسٹوں نے کرغستان کے دار الخلافہ کا نام "فرونزے" رکھا تھا۔ لیکن جب یہاں کے لوگوں کو آزادی ملی تو انہوں نے شہر کا نام بشکک رکھ دیا۔ یہ شہر دوشنبے کی مانند جدید اور قدیم عمارتوں پر مشتمل ہے۔ شہری آبادی کے لوگ وسیع و عریض مکانات میں رہنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اکثر بلند و بالا عمارتیں حکومتی دفاتر سے متعلق ہیں۔

مورخہ 6 جولائی سوموار ہم الماتا سے ٹیکسی پر سوار ہو کر بشکک پہنچے۔ اس شہر میں ہماری واقفیت کسی سے نہیں تھی۔ چلتے وقت چیلک کے امام مسجد نے ہمیں مفتی اعظم کے گھر کا پتہ دے دیا تھا۔ جب نماز عصر کے قریب مفتی اعظم صاحب کے گھر پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ کہیں گئے ہوئے ہیں، دیر سے آئیں گے۔ مفتی اعظم کرغستان کی بیٹی نے کہیں سے ہم لوگوں کو دیکھ لیا۔ اس نے اپنے بیٹے کو بھیجا کہ مہمانوں سے کہیں کہ اگرچہ ابو گھر پر نہیں ہیں مگر آپ ہمارے گھر میں ہی قیام کریں، ہم مہمان خانے کا دروازہ کھول رہے ہیں۔ ہم لوگ سفر کی وجہ سے تھکے ہوئے تھے لہٰذا مغرب کی نماز پڑھ کر سو گئے۔

رات دیر سے آنکھ کھلی تو عشا کی نماز ادا کی۔ مفتی اعظم مولانا عبدالجید صاحب بھی تشریف لا چکے تھے۔ ان کے والد سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے بڑے شیخ تھے مگر مفتی اعظم صاحب کی طبیعت ذکر و سلوک کی طرف زیادہ راغب نہ تھی۔ رات کی ملاقات تو بہت ہی مختصر رہی، ہم لوگ دوبارہ سو گئے۔

نماز فجر کے بعد ناشتے کے دستر خوان پر بیٹھے تو مفتی اعظم صاحب نے ایک رسالہ فارسی زبان میں لکھا ہوا دکھایا۔ ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ یہ میرے والد ماجد نے لکھا تھا۔ فقیر نے رسالہ دیکھا تو اس میں عالم امر کے پانچ لطائف اور عالم خلق کے دو لطائف کا تفصیلی تذکرہ تھا۔ فقیر نے مفتی اعظم صاحب کو بتایا کہ یہ رسالہ پورے سلوک کے بارے میں نہیں، فقط پہلے سات اسباق کے متعلق ہے۔ مفتی اعظم صاحب بڑے حیران ہوئے اور فقیر سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے متعلق سوال کرنے لگے۔ تقریباً ایک گھنٹہ کی گفت و شنید کے بعد مفتی صاحب نے فرمایا کہ ہمیں آج کی محفل سے بہت نفع ہوا۔ اگر آپ اجازت دیں تو ہم آج مغرب کی نماز کے بعد مسجد میں پروگرام رکھ لیں۔ فقیر نے کہا، جیسے آپ فرمائیں گے حکم کی تعمیل ہو گی۔

مفتی اعظم صاحب نے ظہر کی نماز کے بعد مسجد میں اعلان کروادیا، جس کی وجہ سے رات کے بیان میں اچھے خاصے لوگ اکٹھے ہو گئے تھے۔ فقیر نے بیان کیا اور مفتی اعظم صاحب نے ترجمانی کی۔ جب بیعت کا سلسلہ شروع ہوا تو مفتی اعظم صاحب نے سب سے پہلے کپڑے کو پکڑا۔ بیعت کے کلمات پڑھانے کے بعد فقیر نے اوراد و وظائف کی تفصیل بتائی اور مراقبہ کروایا۔ جب پروگرام سے فراغت پر گھر پہنچے تو مفتی صاحب نے کالر والی قمیص اتار کر جبہ پہن لیا، سر پر ٹوپی کی جگہ عمامہ باندھ لیا اور فرمانے لگے کہ میرے والد صاحب بھی اسی طرح مسنون لباس پہنتے تھے، آج سے میں نے بھی اسے اپنا لیا ہے۔ الحمد للہ سلسلہ ء عالیہ کے فیض نے دلوں کو لمحوں میں بدل کے رکھ دیا۔

بشکک میں دو دن قیام کا ارادہ تھا لہٰذا دوسرے دن مفتی اعظم صاحب اپنی گاڑی میں ہم لوگوں کو مختلف مساجد اور مدارس وغیرہ دکھانے کے لئے ساتھ لے گئے۔ دو جگہوں پر چائے بھی پی اور لوگوں کو سلسلہ عالیہ میں داخل بھی کیا۔ رات کو مفتی صاحب کے اہل خانہ نے بھی بیعت کی۔ اگلے دن ہم لوگ کہیں جارہے تھے کہ ایک ہوٹل کے مالک نے ہمیں دیکھ لیا۔ وہ دور سے مسکراتا ہوا آیا اور ہم سے ایسے ملا جیسے کہ مدتوں کے بچھڑے دوست ملتے ہیں۔ فقیر حیران تھا۔ اس نے کہا کہ میرے ریسٹورنٹ پر کباب اور پلاؤ تیار ہے، آپ تشریف لا کر کھالیں۔ ہم لوگوں نے بہت معذرت کی مگر وہ اپنی ضد پر پکا رہا۔ حتیٰ کہ مفتی صاحب بھی اس کے ہمنوا بن گئے۔ مجبوراً ہمیں بات ماننا پڑی۔ فقیر کو مشہور تابعی عطاء ابن ابی رباحؒ کا قول یاد آیا کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے الہام فرمایا۔

"میں وہ رزاق ہوں کہ اگر تو ناں ناں کرے میں پھر بھی تجھے رزق پہنچا کر رہوں گا، تو اے میرے بندے! جب تو رو رو کر مجھ سے رزق مانگے گا تو پھر

میں تمہیں رزق کیوں نہیں دوں گا"۔

نیکوں کی بستی :

مفتی صاحب نے مولانا عبداللہ کو بتایا کہ بشکک سے 50 کلو میٹر کے فاصلے پر ایک بستی ہے۔ جس کے باشندے روسی انقلاب کے وقت داغستان سے ہجرت کر کے آئے تھے۔ وہ خاندان اب ستر سال کے بعد ایک بستی کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ اس بستی کے اکثر لوگ صاحب علم ہیں اور وہاں پر ایک بہت بڑا مدرسہ ہے۔ مولانا عبداللہ نے وہاں جانے کی خواہش ظاہر کی۔ مفتی صاحب نے فون پر رابطہ کیا تو مدرسے کے ناظم صاحب لینے کے لئے تشریف لائے۔ ناظم صاحب میل جول اور بات چیت کے آداب سے خوب واقف تھے۔ انہوں نے تھوڑی دیر میں ہمارے دلوں میں بڑا مقام پیدا کر لیا۔ جب ہم لوگ وہاں پہنچے تو مدرسے میں دو سو کے لگ بھگ طلباء مقیم تھے، ہر طالبعلم کے چہرے پر علم کا نور نظر آتا تھا۔ اساتذہ کرام کو دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا، سر سے پاؤں تک سنت سے سجے ہوئے، پروقار شخصیات کے مالک تھے۔ نماز عصر کے بعد بیان ہوا اور دعا کے بعد محفل کا اختتام ہوا۔ رات کا کھانا ناظم تعلیمات کے گھر پر تھا۔ کھانے کے بعد انہی کے گھر پر قیام ہوا۔ انہوں نے انقلاب روس کی اتنی تفصیل بتائی کہ ہم لوگ علماء حق قربانیوں کی داستانیں سن کر عش عش کر اٹھے۔

رات اگرچہ دیر سے سوئے تھے تاہم تہجد کے نوافل پڑھنے کے لئے اٹھنا تو ضروری ہوتا ہے، اسی وقت تو ہم فقیروں کو روزینہ ملتا ہے۔ فقیر نے چند نوافل ادا کئے اور صبح صادق تک اپنے اشغال و وظائف میں مصروف رہا۔ فجر کی نماز کے بعد اشراق تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ اشراق کے بعد ناشتے کے وقت ناظم صاحب نے فرمایا کہ

ہم آپ کے کل کے بیان سے بہت محظوظ ہوئے۔ آپ کے اعمال کو چپکے چپکے دیکھتے رہے۔ رات میں نے آپ کے انفرادی اعمال کو بھی دیکھا۔ ہمیں اب شرح صدر ہو چکا ہے کہا آپ متبع سنت شیخ ہیں۔ ہم نے اپنے مہتمم صاحب کو ساری رپورٹ پہنچادی ہے۔ مہتمم صاحب اپنے ضعف اور بیماری کی وجہ سے دن کے دس بجے مدرسے آتے ہیں اور چند گھنٹے رہ کر واپس چلے جاتے ہیں۔ آج وہ آپ سے ملاقات کریں گے۔ اگر انہوں نے اشارہ کر دیا تو سب بستی کے لوگ آپ سے ذکر و سلوک سیکھیں گے۔

تھوڑی دیر بعد مہتمم صاحب تشریف لائے ان کو دیکھتے ہی خیال آیا کہ

سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود

(ان کے چہروں میں نشان ہوں گے سجدوں کے اثر سے)

مہتمم صاحب نے ذاتی تعارف کرنے کروانے کے بعد پوچھا کہ آپ یہاں کیسے آئے؟ فقیر نے عرض کیا کہ حدیث پاک میں نیکوں کی بستی کا تذکرہ پڑھا تھا۔ ایک گنہگار انسان اس بستی کی طرف چل کر جارہا تھا، راستے میں موت آگئی تو اسے معاف کر دیا گیا۔ فقیر بھی آج اسی نیت کے ساتھ نیکوں کی طرف چل کے آیا ہے کہ آپ حضرات کی زیارت سے اس عاجز مسکین کے گناہ معاف ہو جائیں۔ مہتمم صاحب نے اس بات پر رونا شروع کر دیا اور فرمایا کہ یہ تو آپ کی تواضع ہے، ہمارا تو یقین ہے کہ آپ ان لوگوں میں سے ہیں جن کا چہرہ دیکھ لینے سے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جس طرح پت جھڑ کے موسم میں درختوں کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔ فقیر کو بھی ان کی اس بات سے رونا آگیا۔ بس پھر کیا تھا حاضرین محفل کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں، کافی دیر تک یہی معاملہ رہا۔ بالآخر مہتمم صاحب نے پوچھا کہ آپ کا سلسلہ کن بزرگوں سے ملتا ہے؟ فقیر نے سید الاولین و الآخرین ﷺ سے شروع کر کے اپنے محبوب مرلی حضرت مرشد عالمؒ تک سب حضرات کا تعارف کروادیا۔ مہتمم صاحب فرط خوشی سے

الحمد للہ، الحمد للہ پڑھنے لگے۔ پھر فرمانے لگے کہ کیا اس سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی میں بھی بن سکتا ہوں۔ فقیر نے کہا، کیوں نہیں۔ فرمانے لگے کہ مجھے بھی اپنا شاگرد بنا لیجئے اور اورادو وظائف عطا کر دیجئے۔ میری عمر کا آخری حصہ ہے، نحیف و کمزور ہوں، مگر کوشش کروں گا کہ وظائف کی پابندی رہے۔ اس پر ناظم صاحب نے کہا کہ ہم نے بھی یہ سعادت حاصل کرنی ہے۔ رفتہ رفتہ سب حاضرین نے سلسلہ عالیہ میں داخلہ لیا اور قلب کی نشاندہی کروائی۔ مہتمم صاحب کچھ دیر مزید رکنے کے بعد گھر تشریف لے گئے تو ہم لوگ مدرسہ میں آگئے۔ مدرسہ کے طلباء کو اطلاع مل چکی تھی۔ چنانچہ انہوں نے بیان کا مطالبہ کیا۔ فقیر نے تقویٰ کے عنوان پر بیان کیا، سامعین کے منہ حیرت سے کھلے رہ گئے۔ بیان کے بعد سب لوگوں نے بیعت کی۔ فقیر نے اللہ رب العزت کا شکر ادا کیا کہ حضرت مرشد عالمؒ کے فیض کو "نیکوں کی بستی" میں پہنچانے کی سعادت نصیب ہوئی۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

{یہ سعادت زور بازو سے کوئی حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ عطا نہ کرے}

مرکی میں ایک دن:

فقیر نے مراقبہ کے بعد ناظم صاحب سے اجازت لی اور ہم لوگ اداس دلوں کے ساتھ علماء و طلباء سے الوداع ہوئے۔ دین اسلام میں اتنی مقناطیسیت ہے کہ اس کی بنا پر دلوں میں اتنی شدید محبت سما جاتی ہے جو خاندانی اور خونی محبتوں سے بہت زیادہ قوی ہوتی ہے۔ چند طلباء نے ارادہ ظاہر کیا کہ ہم پاکستان آئیں گے اور آپ کے پاس تعلیم

حاصل کریں گے۔ وقت نے ثابت کیا کہ سات طلباء نے اپنا عہد پورا کر دکھایا۔

ہم لوگ یہاں سے روانہ ہو کر امیر تیمور کے گھر پہنچے جو مرکی نامی بستی میں واقع تھا۔ یہ بستی ریاست جبول کا حصہ تھی ۔ گاؤں کے قریب فیکٹری ایریا تھا اور گاؤں کے اکثر لوگ انہی کارخانوں میں کام کرتے تھے۔ امیر تیمور نے اپنے رشتہ داروں کو دعوت دے رکھی تھی۔ وہ سب سلسلہء عالیہ میں داخل ہوئے۔ ظہر کی نماز کے بعد مرکی کی جامع مسجد میں بیان ہوا۔ مولانا ذوالقرنین اور امام عبدالمجید بہت زیادہ مانوس ہوگئے۔ یہاں سے فراغت پر امیر تیمور کے گھر میں قیام کیا۔ امیر تیمور کے ایک قریبی رشتہ دار نے سوال پوچھا کہ امیر تیمور آپ سے بیعت ہونے کے بعد بہت زیادہ بدل گیا ہے اور اب چاہتا ہے کہ یونیورسٹی کے دارالفنون کی تعلیم حاصل کرنا بند کردے۔ فقیر نے کہا کہ اس تعلیم کو چھوڑنے کی وجوہات اسی سے معلوم کریں۔ امیر تیمور تو آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑا۔ کہنے لگا کہ حضرت! ہم نے اب تک کی زندگی اور جوانی برباد کی ہے، ہمارے نامہء اعمال میں سیاہی کے سوا کچھ نہیں ہے، میں مصوری کی تعلیم حاصل کرتا ہوں، ہماری یونیورسٹیوں میں نوجوانوں کو بے دین بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جاتی، لڑکے لڑکیوں کو ایک ہی کمرے میں رہائش دی جاتی ہے حتی کہ ہوسٹل میں بیت الخلا بھی ایک ہی جگہ ہوتے ہیں، اسی جگہ لڑکی نہا کر نکلتی ہے اور لڑکا انتظار میں کھڑا ہوتا ہے۔ لڑکے لڑکیاں جن جگہوں پر اپنے کپڑے دھوتے ہیں وہ جگہیں بھی مشترک ہیں، کھانے پینے کی جگہیں بھی مشترک ہیں، اس کثرت اختلاط کی وجہ سے لڑکے لڑکیاں ایک دوسرے کے ساتھ آزادی کی زندگی گزارتے ہیں، نہ ماں باپ کو پروا، نہ ہی کسی اور کو اعتراض، پھر آپ خود بتائیں کہ شیطانی کاموں میں کیا کمی ہوتی ہوگی۔

ہمارے دارالفنون میں مصوری سکھانے کے لئے جہاں مختلف مناظر کی تصاویر

بنانے کے لئے تعلیم دی جاتی ہے۔ وہاں انسانوں اور حیوانوں کی تصویریں بھی کثرت سے بنوائی جاتی ہیں۔ جب سالانہ امتحان ہوتا ہے تو ایک لڑکی کو منتخب کیا جاتا ہے جو سب طلباء کے سامنے عریاں ہو کر ایک میز پر لیٹ جاتی ہے۔ طلباء کو پندرہ منٹ کے اندر اس کی تصویر بنانی ہوتی ہے۔ ہر پندرہ منٹ بعد وہ اپنا پوز بدلتی ہے۔ اسی طرح اس کی چار پانچ تصاویر بنانی پڑتی ہیں۔ آپ خود بتائیں کہ جب دو گھنٹے بے لباس جسم آنکھوں کے سامنے رہے تو کیا بعد میں اس کا خیال نہیں آئے گا؟ پھر دارالفنون میں جس طالبعلم کی تصویر سب سے اچھی ہو اسے دیواروں پر سجا دیا جاتا ہے۔ چنانچہ دیواریں عریاں تصاویر سے بھری ہوتی ہیں۔ کئی مرتبہ مسلمان طلباء نے تجویز بھی پیش کی کہ ایسا نہ کیا جائے مگر اساتذہ نے بتایا کہ ہمیں اوپر سے ہدایات ہی ایسی ملتی ہیں اور یہ سب کچھ اس لئے کیا جاتا ہے تاکہ طلباء کے اندر سے "شرم و حیا" والی بیماری ختم ہو جائے۔ کیمونسٹ لوگ دین کو سب سے بڑا دشمن سمجھتے ہیں اور انہیں تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ جو شخص بے شرم بن جاتا ہے وہ دین کا نام لینا بھی پسند نہیں کرتا۔ فقیر نے بات کاٹتے ہوئے کہا کہ میرے آقا و سردار نے چودہ سو سال پہلے بتا دیا تھا

اذا فاتك الحياء اعمل ما شئت

(جب حیا فوت ہو جائے تو جو چاہو کرو)

ابو عثمان بولے کہ حضرت! امیر تیمور کو یہ تعلیم فوراً چھوڑ دینی چاہئے اور اس کی جگہ دین کی تعلیم حاصل کر کے دین کی خدمت کرنی چاہئے۔ اللہ مالک ہے وہ روزی دے کر رہے گا۔ فقیر نے امیر تیمور کے رشتہ دار کی طرف دیکھا تو اس کے چہرے پر ندامت کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ وہ کہنے لگا کہ یہ بات تو سچ ہے کہ کیمونسٹ لوگوں نے دین کا نام و نشان مٹانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ہماری آبادی کے قریب شراب

بنانے کا ایک کارخانہ ہے۔اس میں حکومت کی طرف سے ہر چھ ماہ کے بعد ایک مہینہ کاریگروں کو تنخواہ دینے کی جائے تنخواہ سے دگنی مقدار کی شراب کی بوتلیں دی جاتی ہیں۔اب ان کی مرضی کہ وہ پئیں یا بیچیں۔چنانچہ مسلمان کاریگروں کے گھروں میں بھی ہر چھ مہینے کے بعد شراب کی بوتلوں کا انبار لگا ہوتا ہے۔یہ سب کچھ اس لئے ہوتا ہے کہ لوگ شراب کے عادی بن کر دین سے بیزاری والی زندگی گزاریں۔ان کی اس بات کو سن کر امیر تیمور نے کہا کہ اب ہمیں آزادی مل چکی ہے۔ ہمیں چاہئے کہ اپنی جوانیوں کو دین کے لئے وقف کر دیں،اور میں اس کے لئے حاضر ہوں۔ فقیر نے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے شوق وذوق کو زیادہ کرے اور آپ کو دین کی خدمت کے لئے قبول کرے۔دعا کے بعد محفل برخاست ہوئی اور ہم لوگ نیند کے لئے بستروں پر چلے گئے۔

مغز کی تلاش :

اگلے دن صبح کا ناشتہ امیر تیمور نے گاؤں کے نمبر دار کے گھر میں رکھا ہوا تھا۔ اشراق کے بعد جب وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ انہوں نے ایک بکرا ذبح کر کے اس کا گوشت بھون کر دستر خوان پر سجایا ہے۔جب کھانا شروع کیا تو صاحب خانہ نے ایک پلیٹ میں بکرے کا بھنا ہوا سر لا کر فقیر کے سامنے رکھ دیا۔امیر تیمور نے بتایا کہ یہ مہمان خصوصی کی عزت افزائی کے لئے کیا جاتا ہے۔ فقیر نے اس میں سے کچھ حصہ کاٹ کر کھایا۔دل میں خیال پیدا ہوا کہ اس کی کھوپڑی کھول کر دماغ نکالنا چاہئے۔ تیز چھریاں دستر خوان پر پڑی تھیں۔ فقیر نے بڑے شوق سے بکرے کی کھوپڑی کو کھولا لیکن یہ دیکھ کر بہت مایوسی ہوئی کہ اس میں مغز بالکل تھوڑا تھا۔لگتا تھا کہ کوئی بہت ہی کم عقل بکرا تھا۔

زندگی بھر گولی نہیں کھائی:

ہم لوگ ابھی کھانے میں مشغول تھے کہ بستی کے ایک معمر آدمی ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ان کی عمر نوے سال کے قریب تھی مگر صحت بہت اچھی تھی۔ چہرے پر تازگی تھی۔ فقیر نے انہیں اپنے قریب بٹھالیا۔ تھوڑی دیر میں فقیر نے محسوس کیا کہ وہ بزرگ گوشت کی بجائے چربی کی بوٹیاں کھارہے تھے۔ فقیر کولیسٹرول بڑھنے کے خوف سے چربی سے مکمل پرہیز کررہا تھااور چن چن کر گوشت کی وہ بوٹیاں کھارہا تھا جو چربی سے خالی ہوں۔ مگر وہ بزرگ چربی کی بھنی ہوئی بوٹیاں تلاش کر کے مزے لے لے کر کھارہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد اس بزرگ نے چمچ اٹھایا اور گوشت کے نیچے سے پگھلی ہوئی چربی بھر بھر کر پیناشروع کردی۔وہ ایک بوٹی منہ میں ڈالتے اور چربی سے بھرا ہوا چمچ پیتے۔ فقیر سے نہ رہاگیا۔ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے۔ امیر تیمور سے کہاکہ ان بزرگوں سے پوچھیں کہ ان کو کوئی بیماری تو نہیں ہے؟انہوں نے بتایاکہ میری عمر نوے سال ہو چکی ہے اور میں نے کبھی ڈاکٹر اور ہسپتال کو نہیں دیکھا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ میں نے پوری زندگی میں ایک دفعہ بھی دوائی کی گولی نہیں کھائی۔ سبحان اللہ، جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔

مفتی اعظم جمبول کی بیعت:

مورخہ 9جولائی بروز جمعرات ظہر کے وقت مسجد کلاں جمبول میں پہنچے۔ خادم ... بد عبدالرحمان صاحب نے غیر معمولی الفت و محبت کا اظہار کیا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ ان کی ایک بیٹی غجدوان میں رہتی ہے۔ کچھ عرصہ قبل یہ اپنی بیٹی سے ملنے غجدوان گئے ہوئے تھے کہ وہاں فقیر کا بیان سننے کا موقع ملا۔ انہوں نے بیعت بھی کی مگر مجمع کی زیادتی کی وجہ سے نہ تو ملاقات ہو سکی نہ ہی شخصی تعارف ہو سکا۔اب جب

عبدالرحمان صاحب نے فقیر کو اپنی مسجد میں دیکھا تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ عبدالرحمٰن صاحب نے ہمیں مسجد کے مہمان خانے میں ٹھہرایا اور چائے کے ساتھ ضیافت کی۔ اتنے میں مفتی اعظم جبول علی حیدر صاحب بھی تشریف لے آئے۔ عبدالرحمٰن صاحب نے فقیر کا تعارف بہت اچھے انداز میں کروایا۔ پھر غجدوان کی محفلوں کا آنکھوں دیکھا حال بھی سنایا۔ وہاں کے علمائے کرام کی بیعت اور عقیدت و محبت کے واقعات بھی سنائے تو مفتی اعظم بہت زیادہ متاثر ہوئے۔

عبدالرحمٰن صاحب نے خواہش ظاہر کی کہ میں ان مہمانوں کو اپنے گھر کے مہمان خانے میں ٹھہرانا چاہتا ہوں۔ مفتی اعظم صاحب نے خوشی اجازت مرحمت فرمادی۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میں اپنی گاڑی پر ان حضرات کو پہنچادیتا ہوں۔ چنانچہ مفتی صاحب کی معیت میں ہم لوگ عبدالرحمٰن صاحب کے گھر پہنچے۔ رات کے بیان کے بعد مفتی صاحب کے ہمراہ سب نمازیوں نے بیعت کی۔ لطیفہ ء قلب کی نشاندہی کے بعد انہیں اوراد و وظائف کی تلقین کی گئی۔ نشست برخاست ہونے کے بعد مفتی صاحب نے فرمائش ظاہر کی کہ کل جمعہ کی نماز کا خطبہ آپ دیں۔ فقیر نے اس دعوت کو خوشی قبول کرلیا۔

اے لقائے تو جواب ہر سوال :

اگلے دن فجر کی نماز کے بعد عبدالرحمان صاحب نے بتایا کہ ہماری مسجد میں جمعہ کی نماز ایک بجے ہوتی ہے مگر نمازی دن کے دس بجے سے آنا شروع ہو جاتے ہیں اور گیارہ بجے مسجد کا اندرونی ہال بھر جاتا ہے۔ بارہ بجے تک مسجد کے اطراف و جوانب کی جگہیں بھی نمازیوں سے بھر جاتی ہیں۔ اس کے بعد آنے والوں کو راستوں اور سڑکوں پر نماز پڑھنا پڑتی ہے۔ فقیر نے پوچھا کہ نمازی تین گھنٹے پہلے مسجد میں کیوں آجاتے

ہیں ؟۔انہوں نے بتایا کہ ہر نمازی صلوۃ التسبیح پڑھتا ہے۔جو لوگ قرآن مجید پڑھے ہوئے ہوں وہ سورۃ کہف کی تلاوت کرتے ہیں۔امام صاحب ساڑھے گیارہ بجے لاؤڈ سپیکر پر سورۃ کہف پڑھتے ہیں اور سارے نمازی اس کو سننے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔سورۃ کہف کو جمعہ کے دن پڑھنے اور سننے کا اتنا اہتمام اور کہیں نہیں دیکھا۔

ہم لوگوں نے نماز جمعہ کے لئے غسل وغیرہ سے جلدی فراغت حاصل کرلی اور بارہ بجے کے قریب مسجد میں پہنچے تو مسجد میں تل دھرنے کی جگہ نظر نہیں آرہی تھی۔ یہ تو عبدالرحمان صاحب کی مہربانی تھی کہ انہوں نے پہلی صف میں مہمانوں کے لئے خالی جگہ چھوڑی ہوئی تھی۔ نماز جمعہ سے ایک گھنٹہ پہلے مسجد میں پہنچ کر تلاوت اور تسبیحات کرنے کا مزہ بھی آیا اور نماز کے انتظار کا لطف بھی نصیب ہوا۔ایک بجے فقیر نے بیان کیا، مفتی اعظم صاحب نے ترجمانی کی۔

نماز جمعہ کے بعد بیعت وذکر کی محفل منعقد ہوئی۔اس کے بعد فقیر نے اوراد و وظائف کی تفصیل بتائی۔ مفتی اعظم علی حیدر صاحب نے فقیر کے کان میں بتایا کہ اس شہر کے ایک عالم کچھ عرصہ سعودیہ میں رہنے کی وجہ سے تصوف کے بہت زیادہ مخالف ہیں۔ ابھی ابھی وہ بھی مسجد میں آگئے ہیں۔ مراقبہ کے بعد جب لوگوں سے ملاقات ہوئی تو "غیر مقلد" صاحب سے بھی ملاقات ہوئی۔ پوچھنے لگے کہ آپ لوگوں کو اپنے پیچھے چلاتے ہیں یا سنت کے راستے پر چلاتے ہیں ؟ فقیر نے کہا کہ سنت پر چلنے ہی میں ہماری نجات ہے۔ فرمانے لگے کہ ان کو جو اوراد و وظائف آپ نے بتائے ہیں وہ آپ کے اپنے تجویز شدہ ہیں یا حدیث پاک سے ان کا ثبوت بھی ملتا ہے ؟ فقیر نے جواب دیا کہ حدیث پاک سے بھی ملتا ہے اور قرآن پاک سے بھی ملتا ہے۔ کہنے لگے کہ قرآن پاک تو ہم بھی پڑھتے ہیں۔اس میں کہاں لکھا ہے ؟ فقیر نے کہا کہ آپ پڑھتے تو ہیں مگر سمجھتے نہیں۔اگر سمجھ کر پڑھتے تو ایسا بے تکا سوال نہ کرتے۔ غیر مقلد

صاحب حیرانی و سراسیمگی کا مجسمہ بنے ہوئے تھے۔ کہنے لگے کہ مراقبے کا حکم کہاں ہے؟ فقیر نے آیت پڑھی۔

و اذکر ربك فی نفسك تضرعا و خیفة

{اور یاد کر اپنے رب کو اپنے جی میں عاجزی اور خوف کے ساتھ}

ان صاحب سے پوچھا کہ بتاؤ "اذکر" امر کا صیغہ ہے یا نہیں۔ کہنے لگے کہ ہے۔ فقیر نے پوچھا کہ فی نفسک کے کیا معنی ہیں؟ کہنے لگے کہ دل میں۔ فقیر نے کہا کہ اسی دل میں ذکر کرنے کو مراقبہ کہتے ہیں۔ غیر مقلد صاحب کہنے لگے کہ وقوف قلبی کا ذکر کہاں ہے؟ فقیر نے کہا، ارشاد باری تعالیٰ ہے

فاذکروا اللہ قیاما و قعوذا و علی جنوبکم

{پس یاد کرو اللہ تعالیٰ کو کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور اپنے پہلو پر لیٹے ہوئے}

وقوف قلبی کا یہی مقصد ہے کہ لیٹے بیٹھے کھڑے ہر حال میں اللہ کو یاد کریں۔ کہنے لگے، ہاں ٹھیک ہے میرے اشکال دور ہو گئے۔ مفتی اعظم صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا کہ اب آپ بھی بیعت ہو جائیں۔ کہنے لگے، بہت اچھا۔ فقیر نے انہیں بیعت کر کے مراقبے کا طریقہ سمجھایا۔ مولانا عبداللہ صاحب کی خوشی کا کیا ٹھکانہ۔ فقیر سے کہنے لگے

اے لقائے تو جواب ہر سوال
با تو مشکل حل شود بے قیل و قال

{اے کہ تیرا دیدار ہر سوال کا جواب ہے، تیری صحبت میں ہر مشکل بے چون وچرا حل ہو جاتی ہے}

دہریہ لڑکی کا مسلمان ہونا :

عبدالرحمان صاحب کے ہمسائے میں ایک روسی لڑکی رہتی تھی جو کسی دفتر میں انجینئر کے طور پر کام کرتی تھی۔ عبدالرحمان صاحب نے ناشتے کے بعد فقیر سے کہا کہ حضرت! ایک نوجوان لڑکی دہریہ ہے۔ وہ اپنے حسن و جمال میں بھی لاکھوں میں ایک ہے اور عقل و کمال میں بھی دوسری لڑکیوں کو پیچھے چھوڑ گئی ہے۔ کمیونسٹ خیالات کی حامی ہے۔ ہم نے اسے ہر طریقے سے دین کی طرف لانے کی کوشش کی ہے مگر وہ پاؤں پہ پانی ہی نہیں پڑنے دیتی۔ میری بچیوں کی خواہش ہے کہ آپ اسے تھوڑا سا ٹائم دیں، وہ انگریزی زبان پر بھی عبور رکھتی ہے اور آپ سے گفتگو کے لئے آمادہ بھی ہے۔ فقیر نے کہا، بہت اچھا۔ چنانچہ تھوڑی دیر میں وہ لڑکی آگئی۔ فقیر نے اسے کہا کہ چادر میں لپٹ کر بیٹھ جائے اور جو کچھ پوچھنا چاہتی ہے وہ پوچھ لے۔ اس لڑکی نے پہلے اپنا تفصیلی تعارف کروایا۔ بات چیت سے لگ رہا تھا کہ اسے اپنی انجینئرنگ پر بڑا ناز تھا۔ پھر اس نے فقیر سے کہا کہ آپ اپنا تفصیلی تعارف کروائیں۔ فقیر نے بھی اپنے زمانہ طالبعلمی سے لے کر انجینئرنگ مینجر ہونے تک کی باتیں مختصر انداز میں بتادیں۔ وہ لڑکی حیران رہ گئی۔ باربار پوچھتی کہ واقعی آپ کو کمپیوٹر کا تجربہ ہے؟ جب فقیر نے اس کی تفصیل بتائی تو کہنے لگی کہ میں بہت خوش قسمت ہوں کہ ایک ایسی شخصیت سے بات کررہی ہوں جس کے پاس دینی ودنیاوی علم ہے۔ فقیر نے کہا کہ آپ کا دین کے بارے میں کیا عقیدہ ہے؟ کہنے لگی کہ ڈارون کی تھیوری کی قائل ہوں۔ فقیر نے اسے تھوڑی دیر لیکچر دیا اور قرآنی آیات و سائنسی حقائق کی روشنی میں تخلیق کائنات کے متعلق بتایا۔ اس نے چند اعتراضات کئے تو فقیر نے اس کے تسلی بخش جوابات دیئے۔ اندازاً ایک گھنٹے کی گفتگو کے بعد اس نے اسلام قبول کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔

عبدالرحمان صاحب کے اہل خانہ پر گریہ طاری ہو گیا۔ فقیر نے اس لڑکی کو اپنا رومال ہدیہ کے طور پر پیش کیا جسے اس نے فوراً حجاب کی مانند اپنے سر پر اوڑھ لیا۔ کلمہ پڑھنے کے بعد پوچھنے لگی کہ کیا آپ شام کو میرے ساتھ سیر پر جائیں گے ؟ فقیر نے اسے پردے کے بارے میں اچھی طرح سمجھایا کہ ایسا ممکن نہیں ہے۔ کہنے لگی کہ اچھا کیا میں آپ کے ساتھ مل کر کھانا کھا سکتی ہوں ؟ عبدالرحمٰن صاحب بولے کہ ہم آج شام دعوت کریں گے۔ تم سب عورتوں کے ساتھ مل کر دعوت کھاؤ گی اور حضرت صاحب مردوں کے ساتھ مل کر کھانا کھائیں گے، اس پر وہ راضی ہو گئی۔ جاتے ہوئے رو پڑی اور کہنے لگی کہ آپ کے آنے سے مجھے بہت بڑی نعمت نصیب ہو گئی۔ آپ میرے محسن ہیں، میں آپ کو زندگی بھر نہیں بھول سکتی۔ پھر اس نے فقیر کی ازدواجی زندگی کے متعلق چند سوال پوچھے اور آخر پر کہنے لگی کہ وہ عورت کتنی خوش نصیب ہو گی جسے آپ جیسا شوہر ملا۔ فقیر نے کہا کہ نہیں بلکہ میں کتنا خوش نصیب شوہر ہوں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے ایسی نیک بیوی عطا کی۔ کہنے لگی کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں آپ کی بیوی سے ملوں۔ فقیر نے کہا اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو ملاقات کا کوئی موقع بن جائے گا۔ اگر یہاں نہ بھی موقع بنا تو انشاء اللہ جنت میں ملاقات ضرور ہو گی۔ اس کے بعد فقیر نے اسے دین اسلام کی چند بنیادی باتوں کے بارے میں بتایا۔ تقریباً تین گھنٹے کے بعد محفل برخاست ہوئی۔ عبدالرحمٰن صاحب نے کہا کہ میری لڑکیاں بتا رہی ہیں کہ وہ لڑکی اسلام قبول کرنے پر اتنی خوش ہوئی ہے کہ ساری زندگی کبھی اتنی خوش نہیں ہوئی۔ فقیر نے کہا، اللہ تعالیٰ اس کو آئندہ بھی دین و دنیا کی خوشیاں عطا فرمائے۔ وقت کافی ہو چکا تھا ہم لوگ جبول شہر کے مدارس کے لئے نکل پڑے۔ شام کو عبدالرحمٰن صاحب کے گھر میں دعوت کھائی اور اگلے دن چم کنت کی طرف روانہ ہوئے۔

چم کنت میں قیام :

اتوار کے دن جمبول سے روانہ ہو کر چم کنت پہنچے۔ یہ قزاقستان اور ازبکستان کی سرحد پر واقع ایک بڑا شہر ہے۔ اس میں میڈیکل کالج بھی ہے جس میں پاکستان کے چند طلباء بھی پڑھتے ہیں۔ اس شہر کی مسجد کلاں میں قیام رہا۔ مغرب کی نماز کے بعد بیان ہوا۔ مسلم صاحب اور عبدالمجید صاحب دونوں دوست سلسلہ عالیہ میں بیعت ہوئے۔ عبدالمجید صاحب انجینئر کے عہدے پر کام کرتے تھے۔ ان کا ایک گھر چم کنت میں تھا اور ایک تاشقند میں تھا۔ انہوں نے نہایت پر تکلف دعوت کی۔

قاضی بیضاویؒ کا مزار :

عبدالمجید صاحب نے تجویز پیش کی کہ عصر کی نماز کے بعد "مدینۃ البیضاء" کی زیارات کے لئے جانا چاہئے۔ اس گاؤں میں مشہور مفسر قرآن قاضی بیضاویؒ کا مرقد موجود ہے۔ اس شہر میں سینکڑوں علماء پیدا ہوئے مگر قاضی بیضاویؒ کے نام نے اس کی شہرت میں اضافہ کیا۔

قاضی بیضاویؒ اپنے وقت کے بڑے متبحر عالم تھے۔ ایک مرتبہ قضا کا عہدہ خالی ہوا تو ان کے دل میں چاہت تھی کہ یہ ذمہ داری انہیں سونپ دی جائے۔ حاکم وقت ایک شیخ کامل سے بہت عقیدت رکھتا تھا۔ قاضی صاحب نے سوچا کہ اس شیخ سے اپنی تائید میں چند الفاظ لکھوالوں تو حاکم وقت مجھے یہ عہدہ دے دے گا۔ چنانچہ قاضی صاحب نے اس شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی خواہش بیان کی۔ انہوں نے ایک رقعہ حاکم کے نام لکھ کر دیا۔ حاکم وقت نے پڑھا تو اس نے اسی وقت قضا کے عہدے پر تعینات کر دیا۔ کافی مدت کے بعد جب کوئی تذکرہ چھڑا تو حاکم وقت نے رقعہ دکھایا اس پر لکھا ہوا تھا۔

"حامل رقعہ اچھے انسان ہیں، جہنم میں ایک مصلے کی جگہ چاہتے ہیں، تعاون فرمائیں"

قاضی صاحب پر یہ الفاظ بجلی بن کر گرے، ان کے دل کی دنیا بدل گئی، دنیا کی محبت دل سے نکل گئی اور آخرت کی تیاری کا طبیعت پر غلبہ ہوا۔ چنانچہ انہوں نے تفسیر بیضاوی لکھی جو علماء میں بہت مقبول ہوئی۔

واپسی پر عبدالمجید صاحب ہمیں ایک ایسی جگہ لے گئے جہاں حضرت خواجہ احمد یسویؒ کی والدہ اور والد مدفون ہیں۔ ایصال ثواب کے بعد واپس چم کنت آگئے۔ ہماری ٹیکسی کا ڈرائیور پکا دہریہ تھا۔ اس نے راستے میں مولانا عبداللہ سے بحث شروع کر دی اور دین اسلام کے خلاف نازیبا باتیں کرنا شروع کر دیں۔ مولانا عبداللہ اور ابو عثمان بہت غصے میں آگئے۔ قریب تھا کہ معاملہ دست و گریبان تک پہنچ جاتا۔ فقیر نے مولانا عبداللہ سے پوچھا تو حقیقت حال واضح ہوئی۔ فقیر نے کہا، مولانا! آپ دونوں خاموش رہیں اور فقیر کو اس سے گفتگو کرنے دیں، آپ کا کام فقط ترجمانی کرنا ہے، تھوڑی دیر فقیر نے اس سے گفتگو کی اور ساتھ ہی توجہات دیں۔ وہ خاموشی سے بات سنتا رہا، پھر اس نے اپنے اعتراضات بیان کئے۔ فقیر نے نہایت تحمل مزاجی کے ساتھ ان کے بھرپور جوابات دیئے۔ وہ بہت مطمئن ہوا۔ کافی دیر گہری سوچ میں پڑا رہا پھر اس نے مولانا عبداللہ کو بڑے دھیمے لہجے میں کہا کہ اس شخص نے مجھے لاجواب کر دیا ہے، میری زبان ایسی بند ہوگئی ہے کہ اب چلتی ہی نہیں۔ مولانا نے کہا کہ اسلام کو قبول کر لو۔ اس نے کہا کہ میں نے دل سے تو قبول کر لیا ہے لیکن ظاہراً تھوڑے ہی عرصے بعد قبول کر لوں گا۔ میں اب تک اسلام کا بہت بڑا مخالف تھا اب یکدم مسلمان کہلانا میرے لئے مشکل ہے۔ فقیر نے کہا کہ آپ کلمہ پڑھ لیں اور کسی پر اس بات کا اظہار نہ کریں۔ اس نے کہا کہ یہ باتیں کہاں چھپی رہتی ہیں۔ فقیر نے کہا، یہ مواقع

بھی تو ہر وقت میسر نہیں آتے۔ اس نے کلمہ پڑھا تو مولانا عبداللہ اور ابو عثمان کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔ ٹیکسی سے اتر کر یہ حضرات اتنی محبت سے ملے جیسے کہ ایک دوسرے کے یار غار ہوں۔ مولانا نے کہا، حضرت! آپ کی ہستی تو ہمارے لئے تبرک ہے۔ فقیر نے عرض کیا، مولانا! اللہ تعالیٰ مجھے آپ کے گمان کی مانند بنادے، فقیر کا اپنا کوئی کمال نہیں، یہ تو نسبت کا نور ہے جو پتھر دلوں کو موم کر دیتا ہے۔

اگلے دن ہم تاشقند کے سیاحت ہوٹل میں پہنچے، فقیر نے مولانا عبداللہ اور ابو عثمان کو تین دن کے لئے رخصت دی، تاکہ وہ گھر کا چکر لگا آئیں۔ اس دوران عباس خان کے مشورے سے ماسکو جانے کی تیاری مکمل کرلی۔

باب 6

روس کا سفر

17 جولائی 1992ء کو ہم لوگ ہوائی جہاز کے ذریعے تاشقند سے روانہ ہو کر ماسکو ائرپورٹ پر پہنچے۔ چار آدمیوں کی جماعت تھی اور چاروں کا تعلق مختلف ممالک سے تھا۔ فقیر کا پاکستان سے، مولانا عبداللہ کا تاجکستان سے، ابو عثمان کا ازبکستان سے اور امیر تیمور کا قزاقستان سے تھا۔ جب پاسپورٹ چیکنگ کا وقت آیا تو متعلقہ افسر حیران نظر آتا تھا۔ اس نے ہمارے پاسپورٹ لئے اور قریبی کمرے میں اپنے افسر سے بات چیت کرنے کے لئے چلا گیا۔ ہم لوگ بیس منٹ تک انتظار کرتے رہے۔ اس کے بعد اس نے اپنی سیٹ پر بیٹھتے ہی پوچھا کہ آپ چار مختلف ممالک کے لوگ آپس میں دوست کیسے بنے؟ فقیر نے کہا کہ میں اپنے مشائخ کے مزارات کی حاضری کے لئے آیا تھا، مجھے ترجمانی کے لئے ساتھی کی ضرورت تھی، ایک ایک کرتے چاروں ممالک سے یہ ترجمان مل گئے، پھر ہم نے سوچا کہ ماسکو بھی دیکھ آئیں تو سیاحت کی نیت سے یہاں آئے ہیں۔ اس نے پوچھا، کتنے عرصے کے بعد واپس جائیں گے؟ فقیر نے کہا، اندازاً ایک مہینے کے بعد۔ اس نے پاسپورٹ پر مہر لگا کر ہمیں اندر داخلے کی اجازت دے

دی۔ مولانا عبد اللہ نے مجھ سے یہ سوال پوچھا کہ حضرت! کیا ہم یہاں سیاحت کی نیت سے آئے ہیں؟ فقیر نے کہا، مولانا! ہمیں ان دہریہ لوگوں کو ایسا جواب دینا ہوتا ہے جو ان کی سمجھ میں آسکے۔ ویسے قرآن مجید کا حکم ہے

قل سیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبة المکذبین

(کہہ دیجئے کہ چلو زمین میں پس دیکھو کیسے تھا انجام جھٹلانے والوں کا)

بات کرتے وقت یہ آیت فقیر کے ذہن میں تھی۔ ہم لوگ پورے رشیا میں سفر کر کے کیمونسٹوں کے برے حشر کو بھی دیکھیں گے اور ساتھ ہی ان کو دین اسلام کی دعوت بھی دیں گے۔ مولانا کو شرح صدر ہو گیا۔ واقعی علماء کی نظر ہر چھوٹی بڑی بات پر پڑتی ہے۔

شراب خانہ خراب:

پاسپورٹ چیکنگ والوں سے گزر کر ہم لوگوں نے اپنا سامان وصول کیا۔ اس کے بعد ہم لائن میں لگ کر کسٹم والوں کے سامنے پیش ہوئے۔ انہوں نے ہمارے سامان کی اس قدر باریک بینی سے چیکنگ کی کہ جیسے ہماری ہر چیز نوادرات میں سے ہے اور انہیں قسمت سے اس کو دیکھنے کا موقع میسر آگیا ہے، تاہم فقیروں کی گٹھڑیوں سے انہیں کیا ملنا تھا۔ جب یہ مرحلہ بھی مکمل ہوا تو ہم لوگ ائرپورٹ کے بیرونی دروازے کی طرف بڑھے، فقیر نے اچانک راستے میں کچھ فاصلے پر ایک جوان لڑکی کو چاروں شانے چت زمین پر لیٹے دیکھا، جس کے آدھے جسم سے لباس کھلا ہوا تھا، تو مولانا عبد اللہ سے کہا کہ مولانا! یہ خاتون مریضہ لگتی ہے جو بے ہوش ہو کر گر پڑی ہے، کسی سے کہہ دیں کہ اس کو راستے سے اٹھالیں اور لباس ٹھیک کر دیں۔ مولانا عبد اللہ نے کہا، حضرت! یہ لڑکی شراب زیادہ پی لینے کی وجہ سے راستے میں بیہوش ہو کر گر گئی

ہے، یہاں اس کی پرواکسی کو نہیں، جب نشہ اتر جائے گا تو یہ خود ہی اٹھ کر گھر چلی جائے گی۔ فقیر یہ بات سن کر مجسمہء حیرت بن گیا۔ بزرگوں کی بات یاد آئی کہ شرابی اس بیوقوف کو کہتے ہیں جو روپیہ خرچ کر کے ذلت اٹھائے۔ مثل مشہور ہے کہ شراب کی عادت اور شریف کی دوستی بڑھتی ہے گھٹتی نہیں۔ شرابی انسان لاکھوں پتی کیوں نہ ہو جلد ہی فاقہ مستی کی نوبت آجاتی ہے۔ شرابی پر ایسا وقت جلد آجاتا ہے کہ اس کا معدہ خوراک کے لئے اور بدن کپڑوں کے لئے ترستا ہے۔ کسی شاعر نے خوب کہا

جو عقل کھری تھی کی کھوٹی اس نے
اچھے اچھوں سے چھینی روٹی اس نے
مستوں پہ شراب فاقہ مستی لائی
پتلون کو کر دیا لنگوٹی اس نے

سنا ہے کہ اٹلی کے مشہور ڈاکٹر پارس کا قول ہے کہ

"اگر شراب نہ ہوتی تو نصف گناہ اور بیماریاں کم ہوتیں"

اسی لئے شراب کو ام الخبائث کہا جاتا ہے۔ اس کے پینے سے انسان کی عقل ماؤف ہو جاتی ہے، حیاء رخصت ہو جاتی ہے، بہن، بیٹی اور بیوی کا فرق ختم ہو جاتا ہے، زبان سے گالی گلوچ کرنا معمولی چیز نظر آتی ہے، بالآخر انسان اپنے آپ کا نہیں رہتا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ سمندر میں اس قدر آدمی غرق نہیں ہوتے جس قدر جام مے میں ڈوب کر مرتے ہیں۔ بقول شخصے

؎ گلاسوں میں جو ڈوبے پھر نہ ابھرے زندگانی میں
ہزاروں بہہ گئے ان بوتلوں کے بند پانی میں

اسی لئے اسلام نے شراب کو ناپاک قرار دیا اور اس کا پینا حرام کر دیا۔

مرکزی مسجد کی زبوں حالی:

ائرپورٹ کی عمارت سے نکل کر ہم نے ٹیکسی لی اور ریل گاڑی کے قریبی اسٹیشن پر پہنچے۔ ماسکو میں ریل گاڑی چلنے کا زیر زمین نظام دنیا کے اعلیٰ ترین نظاموں میں سے ایک ہے۔ اسے میٹرو اسٹیشن کہا جاتا ہے۔ ہم لوگ میٹرو کے ذریعے سفر کرتے ہوئے مرکزی مسجد کے قریب پہنچے۔ جب باہر نکلے تو مسجد کی طرف پیدل چلنا شروع کیا۔ ابھی چند قدم ہی چلے تھے کہ ایک روسی نسل کا آدمی فقیر کی جانب لپکا اور کہنے لگا کہ آپ یہ سامان مجھے دے دیں، میں اٹھا کر چلتا ہوں۔ فقیر نے اس کو سرسری سی بات سمجھتے ہوئے انکار کر دیا، مگر وہ شخص تو لپٹ ہی گیا۔ کافی دور تک فقیر چلتا رہا اور وہ سامان اٹھانے کے لئے اصرار کرتا رہا۔ حتی کہ ایک جگہ پہنچ کر وہ راستے میں کھڑا ہو گیا اور روسی زبان میں کچھ کہنے لگا۔ مولانا عبداللہ نے بتایا کہ یہ آدمی کہہ رہا ہے کہ آپ مجھے سامان اٹھانے دیں، میں آپ سے پیسے تو نہیں مانگ رہا۔ فقیر نے پوچھا، اچھا پھر یہ سامان کیوں اٹھانا چاہتا ہے؟ اس شخص نے کہا کہ میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ لیکن آپ کا سامان اٹھا کر مجھے خوشی ہو گی، چنانچہ فقیر نے کچھ سامان اسے دے دیا۔ اس نے سامان اٹھا کر پوچھا کہ کیا آپ لوگ مسجد میں جانا چاہتے ہیں؟ ہم نے کہا، جی ہاں۔ کہنے لگا کہ میرے پیچھے آئیں میں آپ کو وہاں تک پہنچا دیتا ہوں۔ جب مرکزی مسجد میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ جماعت ہو چکی ہے۔ ہم لوگوں نے وضو تازہ کر کے اپنی جماعت کروائی۔

اس دوران بہت سے نمازی ہمیں غور سے دیکھتے رہے۔ نماز سے فراغت پر فقیر نے مولانا عبداللہ سے کہا کہ امام خطیب سے ملاقات کر لیں۔ مولانا جب ملاقات کر کے آئے تو کہنے لگے کہ یہاں کا امام خطیب بے ریش انسان ہے، گلے میں ٹائی باندھی

ہوئی ہے مگر سر پر عمامہ بھی رکھا ہوا ہے۔اس نے بتایا کہ اس مسجد میں فقط جمعہ کی نماز ہوتی ہے اور روزانہ ظہر کی نماز ہوتی ہے۔باقی کسی نماز کے لئے جماعت کا اہتمام نہیں ہو تابلکہ مسجد کو تالا لگا دیا جاتا ہے۔ مولانا عبداللہ نے پوچھا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ بقیہ نمازوں کے لئے جماعت کا اہتمام نہیں ہوتا ؟امام صاحب نے کہا کہ میری ڈیوٹی کے اوقات صبح سات بجے سے سہ پہر تین بجے تک ہیں،اس دوران ظہر کی نماز کا وقت آتا ہے لہٰذا وہ پڑھا کر میری ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔ مولانا عبداللہ بلند آواز سے **استغفر اللہ** کہتے ہوئے ہمارے پاس آئے اور کہنے لگے کہ حضرت! میں اپنے دل کی بات بتاؤں، مجھے شک ہے کہ یہ امام کیمونسٹ ذہن کا انسان ہے ،اسے حکومت نے یہاں تعینات کیا ہے،اس کے پیچھے ہماری نمازیں نہیں ہوں گی۔ مزید بر آں مسجد میں قیام کرنا ممکن بھی نہیں ہے کیونکہ سہ پہر تین بجے سے اگلے دن صبح سات بجے تک مسجد کو تالا لگا رہتا ہے۔ البتہ قریب ہی ایک "تاریخی مسجد " ہے وہاں پر پانچ نمازوں کی ادائیگی کا اہتمام ہوتا ہے۔آپ اجازت دیں تو ہم وہاں چلے جائیں۔ فقیر نے مرکزی مسجد کی ظاہری خوبصورتی کو دیکھا اور عملی طور پر ویرانی کو دیکھا تو نہایت افسوس ہوا اور تاریخی مسجد جانے کے لئے آمادگی ظاہر کر دی۔

تاریخی مسجد میں قیام :

تاریخی مسجد میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہاں قریب ہی مسلمانوں کی گنجان آبادی ہے۔ مسجد میں پانچ فرض نمازوں کا اور نماز جمعہ کا اہتمام ہوتا ہے۔اس مسجد کی عمارت ڈیڑھ سو سال پرانی تھی۔روسی انقلاب کے وقت کیمونسٹوں نے امام مسجد اور اہل خانہ سمیت چودہ آدمیوں کو موقع پر گولی مار کر شہید کر دیا۔کچھ عرصہ بعد مسجد کی عمارت میں پرنٹنگ پریس لگا دیا گیا۔ مسجد کے اندرونی حصے کی خوبصورت ٹائلیں اتار کر

ریلوے اسٹیشن کی عمارت میں لگادی گئیں۔ اب آزادی ملنے کے بعد مسجد کی تعمیر نو کی گئی۔ یہ مسجد کریملین کی عمارت سے اتنی قریب ہے کہ اگر اسپیکر لگادیئے جائیں تو اذان کی آواز کفر کے ایوانوں تک پہنچے۔

ہم لوگ جب مسجد میں داخل ہوئے تو معلوم ہوا کہ انگلینڈ سے ایک تبلیغی جماعت آئی ہوئی ہے۔ ان کے دو ساتھی ہمیں دیکھ کر آگے بڑھے اور انہوں نے ہمارا سامان مسجد کے اندر رہنے ہوئے ایک چھوٹے سے کمرے میں پہنچادیا۔ عصر کی نماز کا وقت قریب تھا۔ ہم لوگوں نے وضو تازہ کیا اور نماز میں شریک ہوئے۔ نماز عصر کے بعد نمازیوں نے فقیر کو دیکھ کر مطالبہ کیا کہ مختصر سا بیان کر دیا جائے۔ فقیر نے حکم کی تعمیل کی۔ یہ بات قریبی آبادی میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ ایک شیخ طریقت مسجد میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ملاقات کے لئے آنے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ جماعت کے دوست جب آنے والے کا استقبال کرتے تو وہ کہتا کہ مجھے تو پیر صاحب کی زیارت کرنی ہے۔ حتیٰ کہ عشا کی نماز تک اچھا خاصا مجمع لگ گیا۔

لوگ مولانا عبداللہ سے حالات سفر پوچھتے رہے اور مولانا مزے لے لے کر اپنے مشاہدات و تاثرات بیان کرتے رہے۔ تبلیغی دوست خاموشی سے لوگوں کو آتا جاتا دیکھتے رہے۔ دوسرے دن ظہر کی نماز کے بعد امیر جماعت کا پیغام ملا کہ آج کچھ وقت جماعت کے ساتھیوں کو بھی دیا جائے۔ فقیر نے عرض کیا کہ

چشم ما روشن دل ما شاد

(ہماری آنکھ روشن، ہمارا دل خوش ہوگا)

چنانچہ جماعت کے ساتھی عشا کی نماز کے بعد ملاقات کے لئے تشریف لائے تو انہوں نے فقیر کو ہدیہ پیش کیا۔ فقیر نے سوچا کہ اس محبت کے جواب میں " قلبی فیض " کا تحفہ پیش کیا جائے۔ چنانچہ سب ساتھیوں پر توجہ ڈالی۔ امیر جماعت نے فرمایا

کہ ہمارے ساتھی آپ کی نصیحت سننے کے متمنی ہیں۔ فقیر نے تعمیل حکم کے طور پر قلبی صفائی اور باطنی پاکیزگی کی اہمیت پر بیان کیا۔ مضمون کچھ ایسا دلچسپ بن گیا کہ حاضرین میں سے اکثر حضرات نے رونا شروع کر دیا۔ بیان کے بعد امیر جماعت نے فرمایا کہ ہمارے ساتھی آپ سے بیعت ہونا چاہتے ہیں۔ چنانچہ سب حضرات کو بیعت کے کلمات پڑھا کر ذکر و مراقبہ کا طریقہ سکھایا گیا۔ ایک ساتھی نے کہا کہ حضرت! روحانیت کا اثر تو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ ہم اس مسجد میں تین دن سے آئے ہوئے ہیں اور ان تین دنوں میں ہم نے خوب گشت کئے، انفرادی ملاقاتیں بھی کیں مگر جتنے لوگ چوبیس گھنٹوں میں آپ کے ہاتھ پر توبہ تائب ہو کر گئے ہیں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ فقیر نے عرض کیا کہ اسی لئے حضرت مولانا محمد الیاسؒ کا قول ہے کہ "اگر تم مخلوق پر ایک چھٹانک محنت کرو تو ایک من محنت اپنے آپ پر کیا کرو"۔ ایک ساتھی نے کہا کہ حضرت! ذکر تو ہم کرتے ہی رہتے ہیں مگر اس کے اثرات وقتی ہوتے ہیں گہرے نہیں ہوتے۔ فقیر نے عرض کیا کہ خود ساختہ ذکر سے زیادہ فائدہ نہیں ہوتا، اسے سیکھ کر کرنا پڑتا ہے۔ فقیر نے ایک مرتبہ رائے ونڈ کے تبلیغی اجتماع میں حضرت مفتی زین العابدین صاحب مدظلہ کی زبانی سنا:

"جب تک کسی شیخ سے سیکھ کر ذکر نہیں کرو گے اس وقت تک تمہیں تبلیغ میں جوتیاں چٹخانے کے سوا کچھ نہیں ملے گا"

جماعت کے ساتھیوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ اسی لئے تو ہم نے آپ سے ذکر سیکھا ہے۔ فقیر نے عرض کیا، عاجز تو آپ حضرات کا خادم ہے۔ کافی دیر تک یہ محفل جمی رہی بالآخر ہم نے اجتماعی دعا کی اور نیند کی آغوش میں چلے گئے۔

چوتھے ہیرے کی دریافت :

اتوار کے دن ظہر کی نماز کے بعد ہم لوگ کھانے کی تیاری کر رہے تھے کہ ایک خوبصورت نوجوان مسجد میں داخل ہوا۔ اس نے ہاتھ میں پانی کی بوتل پکڑی ہوئی تھی۔ فقیر نے اسے دیکھتے ہی بے ساختگی میں کہا ”آپ نے میرے لئے پانی لانے میں دیر کر دی“۔ وہ مسکراتے ہوئے فقیر سے گلے ملا اور کہنے لگا کہ میں آپ کو عجیب بات سناؤں۔ فقیر نے کہا، بہت اچھا۔ اس نے کہا، پہلے تو میں اپنا تعارف کروانا مناسب سمجھتا ہوں۔ میرا نام راویل تاج الدین ہے۔ میں نے کئی برس تک ائیر فورس میں نوکری کی ہے۔ آج کل فوٹو گرافی اور نامہ نگاری کا شوق غالب ہے۔ میں جمعہ کے دن مرکزی مسجد میں جا رہا تھا کہ راستے میں آپ کو سامان اٹھائے چلتے ہوئے دیکھا۔ اتنے میں ایک روسی النسل آدمی آپ کے قریب آیا اور اس نے بڑی منت و سماجت کے ساتھ آپ سے سامان لے کر اٹھا لیا اور آپ کو مسجد تک پہنچا آیا۔ میں آپ لوگوں کے ساتھ ساتھ چلتا رہا اور آپ کی حرکات و سکنات کا غور سے جائزہ لیتا رہا۔ میں نے کبھی روسی نسل کے انسان کو نہیں دیکھا کہ وہ کسی کے ساتھ ادب سے پیش آیا ہو۔ میں نے اسی وقت سوچ لیا کہ یہ کوئی کامل شخصیت ہے، اس سے نماز کے بعد ضرور ملاقات کرنی چاہئے۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو آپ لوگ جا چکے تھے۔ میں نے لوگوں سے آپ کے متعلق پوچھا تو کسی نے بھی تسلی بخش جواب نہ دیا۔ مجھے ملاقات نہ کر سکنے پر اتنا افسوس ہوا کہ رات کو ٹھیک طرح سے نیند بھی نہ آئی۔ ہفتے کا دن مصروفیت میں گزرا۔ آج میں نے ارادہ کیا کہ ظہر کی نماز تاریخی مسجد میں پڑھوں گا۔ راستے میں ایک آدمی پانی کی بوتلیں بیچ رہا تھا میں نے اس سے ایک بوتل خرید لی۔ دل میں خیال آیا کہ اگر میری آپ سے ملاقات ہو گئی ہوتی تو میں یہ بوتل آپ کی خدمت میں ہدیہ پیش

کرتا۔ اب جب میں مسجد میں داخل ہوا تو آپ نے مجھے دیکھتے ہی کہا ''آپ نے میرے لئے پانی لانے میں دیر کر دی'' میں حیران ہوں کہ آپ نے یہ بات کیسے کر دی ؟ بہر حال مجھے آپ سے قلبی محبت ہو گئی ہے۔ مولانا عبداللہ نے اسے ازبکستان اور تاجکستان کے دورے سے متعلق چند واقعات روسی زبان میں سنائے تو اس نے کہا کہ مجھے بیعت کر لیجئے۔ فقیر نے اسے بیعت کے کلمات پڑھائے۔ تاتاری خاندان سے تعلق رکھنے والا یہ نوجوان ماسکو کی جماعت نقشبندیہ مجددیہ حبیبیہ کا پہلا سالک بنا۔ پھر اس کی وساطت سے اللہ تعالیٰ نے سلسلہ عالیہ کی خوب اشاعت کروائی۔

ناں ناں کرتے کرتے پیار.........!!!

تاریخی مسجد کی عمارت کے قریب اس کا مہمان خانہ اور خطیب صاحب کا دفتر بنا ہوا تھا۔ اس میں ایک خاتون کام کرتی تھی۔ اس خاتون نے لوگوں سے فقیر کے متعلق باتیں سنیں تو اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ میں اپنے نوجوان بیٹے کو مسجد میں بھیجوں تاکہ وہ بھی راہ راست پر آجائے۔ ماسکو میں غافل نوجوانوں کے لئے دلچسپی کے اتنے پھندے ہوتے ہیں کہ اس میں پھنس جانا معمول کی بات ہے۔ ایسے نوجوان مسجدوں کی فضا میں آتے ہی گھٹن محسوس کرتے ہیں جیسے کسی نے ان کا گلا دبا دیا ہو۔ خاتون نے مولانا عبداللہ سے رابطہ قائم کیا تو مولانا نے اسے بتا دیا کہ آپ نماز ظہر کے بعد اپنے بیٹے کو بھیج دیں۔

ہم لوگ ظہر کی نماز ادا کر کے مسجد میں بیٹھے وعظ و نصیحت کی باتیں کر رہے تھے کہ ایک خوبصورت نوجوان مسجد میں آیا اور مجمع میں بیٹھ گیا۔ جب بیان ختم ہوا تو اس نوجوان نے انگریزی زبان میں گفتگو کرتے ہوئے اپنا تعارف کروایا کہ میں کمپیوٹر کی تعلیم حاصل کر رہا ہوں، انگریزی زبان جانتا ہوں، انگریزی طور طریقوں کو پسند کرتا

ہوں، میرا نام الدار ہے، میری زندگی عیش و آرام میں گزر رہی ہے، میری والدہ خطیب صاحب کے دفتر میں کام کرتی ہے، اس نے مجھے زبردستی یہاں بھیجا ہے، میں نیک بننا چاہتا ہوں مگر بہت زیادہ نیک نہیں۔ آپ کو دیکھ کر مجھے خوف محسوس ہونے لگا ہے کہ آپ کی باتوں کا میرے دل پر بہت اثر ہو جائے گا۔ تو ایسا نہ ہو کہ میں تمام گرل فرینڈز سے ملنا چھوڑ دوں، لہذا میں ایک دو دن آپ سے ملنے آؤں گا، مگر میں آپ سے زیادہ قریب نہیں ہو سکتا۔ فقیر کو دل میں ہنسی بھی آرہی تھی اور اس کی سادگی پر تعجب بھی ہو رہا تھا۔ اس کی کہانی سن کر فقیر نے کہا کہ ٹھیک ہے آپ اپنی والدہ کے کہنے پر یہاں آ تو گئے ہیں اب واپس جانا آپ کے اختیار میں نہیں ہے۔ پروردگار عالم نے کسی مقصد کے تحت آپ کو بھیجا ہے۔

قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں اٹھائے جاتے ہیں

فقیر کی باتیں سن کر وہ نوجوان کہنے لگا کیا واقعی میں بہت زیادہ نیک بن جاؤں گا؟ آپ بتائیں ناں کہ میری دوستوں کا کیا بنے گا؟ فقیر نے کہا کہ جب سب سے بڑے سے دوستی ہو جائے گی تو پھر کوئی دوسرا نگاہ میں جچے گا ہی نہیں۔ زلف فتنہ گر پھر دم خر کی طرح نظر آئے گی۔ آپ یوں گنگنایا کریں گے:

کوئی جی بھرنے کی صورت ہی نہیں میرے لئے
کیسے دنیا بھر کے ہو جائیں حسیں میرے لئے
اب تو ذوق حسن اپنا یوں کیے ہو کر بلند
حسن اوروں کے لئے حسن آفریں میرے لئے

وہ نوجوان گھبرا سا گیا اور کہنے لگا کہ مجھے خطرہ لاحق ہو گیا ہے کہ واقعی میرا دل بدل جائے گا اور میں نیک بن جاؤں گا۔ فقیر نے کہا، آپ کیا چاہتے ہیں؟ کہنے لگا کہ میں نیک بننا چاہتا ہوں مگر بہت زیادہ نیک نہیں بننا چاہتا۔ فقیر نے پوچھا، بہت زیادہ نیک کا

کیا مطلب ؟ کہنے لگا کہ بس میں نماز تو پڑھ لوں گا مگر گرل فرینڈز کو نہیں چھوڑنا چاہتا۔ فقیر نے کہا کہ میں آپ کو پڑھنے کے لئے کچھ بتا دیتا ہوں اس سے دل کو سکون مل جائے گا۔ کہنے لگا کہ نہیں میں کوئی وظیفہ نہیں کرنا چاہتا، مجھے ڈر ہے کہ میں بہت زیادہ نیک بن جاؤں گا۔ فقیر نے تنگ آکر کہا کہ اچھا میاں ! تھوڑی دیر مراقبہ کرلو پھر دعا کے بعد چلے جانا۔ اس نے کہا، مراقبہ کیا ہوتا ہے ؟ فقیر نے کہا کہ ابھی آپ کے سامنے کریں گے۔ کہنے لگا، بہت اچھا۔ جب مراقبہ میں فقیر نے اس کے دل پر توجہ ڈالی تو اس نے جھومنا شروع کر دیا اور زور زور سے اللہ اللہ کہنے لگ گیا۔ جب مراقبہ ختم ہوا تو اس نے کہا کہ مجھے یوں محسوس ہوا کہ کوئی روشنی آپ کے سینے سے نکل کر میرے سینے میں آگئی ہے۔ اب مجھے اپنے سینے میں ٹھنڈک محسوس ہو رہی ہے۔ آپ مجھے بیعت فرمالیجئے۔ فقیر نے کہا کہ نہیں آپ کو بیعت نہیں کرنا۔ اس نے کہا، کیوں ؟ فقیر نے کہا کہ تمہیں پہلے اپنی دوستیاں چھوڑنی ہوں گی۔ کہنے لگا کہ اب مجھے اپنے دل میں ایسا سکون مل رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہر چیز کو چھوڑنا آسان ہو گیا ہے۔ چنانچہ اس کو بیعت کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس نوجوان سے دین کا خوب کام لیا اور وہ کئی نوجوان لڑکے لڑکیوں کے راہ راست پر آنے کا ذریعہ بن گیا۔ فقیر جب بھی اسے ملتا تو چھیڑنے کی خاطر مسکرا کر کہتا

ناں ناں کرتے کرتے پیار کر بیٹھے

وہ روسی زبان میں جواب میں کہتا جس کا ترجمہ اردو میں یوں ہے کہ

وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے

فقیر نے اس کی والدہ سے کہا کہ آپ کا بیٹا نوجوان ہے اس کی شادی کر دیں۔ چنانچہ ایک ایم بی بی ایس ڈاکٹر لڑکی کے ساتھ اس کی شادی ہو گئی۔ جب میاں بیوی ملنے آتے تو میاں اپنے بیعت ہونے کی داستان مزے لے لے کر سناتا اور کہتا کہ جب

سے میں نے عشق بتاں سے توبہ کی ہے مجھے اللہ تعالیٰ نے سکون واطمینان کی دولت عطا کی ہے۔اب میری ہر وقت کی تمنا ہے کہ میں بہت زیادہ نیک بن جاؤں۔

سادھو کا قبول اسلام :

مورخہ 19 جولائی 1992ء کو فجر کی نماز کے بعد فقیر نے پاکستان ٹیلیفون کرنا تھا اس مقصد کے لئے ماسکو سنٹرل ایکسچینج جانا ضروری تھا۔ کمیونسٹ سرکار نے رشیا سے بیرون ملک ٹیلیفون کرنا اتنا مشکل مرحلہ بنادیا تھا کہ پہلے کال بک کروانی پڑتی ہے۔ آپریٹر ایک دن کا وقفہ دے کر وقت بتادیتی ہے کہ فلاں دن فلاں وقت یہاں ایکسچینج میں آجانا بات کروادی جائے گی۔ یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ ہر کال کی نگرانی کی جاتی ہے، کوئی آدمی بیرونی دنیا کو اندر کی بات نہ بتادے۔

جب ہم لوگ ایکسچینج کے بڑے ہال میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ اس میں دو اطراف میں چھوٹے چھوٹے کیبن بنے ہوئے تھے۔ایک جانب دس بارہ آپریٹرز کے میز لگے ہوئے تھے۔کال بک کروانے والے ان کے سامنے لائن لگا کر کھڑے ہوتے تھے۔جب باری آتی تو آپریٹر کال ملا کر اس آدمی کو کیبن نمبر بتادیتیں کہ فلاں جگہ جا کر بات کرلو۔ ہمارے پاکستانی دوست محمد اشرف نے کہا کہ حضرت! آپ یہاں انتظار گاہ کی کرسی پر بیٹھیں، میں لائن میں کھڑا ہوتا ہوں، جب کال مل گئی تو آپ کو کیبن میں بلا لوں گا۔ فقیر ایک کرسی پر بیٹھ گیا دوسری کرسیوں پر لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔روس میں اگر کوئی مسلمان غیر محرم عورت سے اپنی نگاہ کو محفوظ رکھنا چاہے تو اصول یہ ہے کہ مردوں کے چہروں کی طرف بھی نہ دیکھے۔اگر کسی نے دل میں سوچا کہ میں مردوں کو دیکھ لوں البتہ عورتوں کو نہیں دیکھوں گا تو یہ ناممکنات میں سے ہے۔اس کی نظر ضرور بالضرور غیر محرم پر پڑے گی۔ مزید بر آں جس شخص کو اپنی نگاہیں نیچی رکھنے کی

عادت ہو وہی بد نظری سے بچ سکتا ہے۔ جسے ادھر ادھر تانک جھانک کرنے کی عادت ہو تو وہ غیر محرم سے نظروں کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ فقیر نے جب اپنے چاروں طرف روسی النسل لوگوں کا مجمع دیکھا تو عافیت اسی میں نظر آئی کہ آنکھیں بند کر کے مراقبہ کر لیا جائے۔ انتظار کی گھڑیاں بھی گذر جائیں گی اور بد نظری کے گناہ سے بھی بچ جائیں گے۔ فقیر کو مراقبہ کرتے ہوئے چند منٹ گزرے تھے کہ اچانک یوں محسوس ہوا کہ جیسے کوئی قریب بیٹھا ہوا فقیر کے دل پر تصرف کر رہا ہے۔ فقیر نے تھوڑی دیر کے لئے اس کیفیت کو عارضی سمجھا، مگر توجہ کے اثرات محسوس ہو رہے تھے۔ اس حیرانی کے عالم میں فقیر نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ قریب کی کرسی پر ایک نوجوان سادھو آنکھیں بند کر کے فقیر کی طرف رخ کئے توجہ دے رہا تھا۔ فقیر جب اس کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔ فقیر نے اشارے سے پوچھا کہ کیا کر رہے تھے۔ اس نے مسکرا کر ٹال دیا۔ فقیر نے مولانا عبد اللہ کو بلا کر کہا کہ یہ لڑکا فقیر کے قریب بیٹھا ہوا شرارت کر رہا تھا، اس سے تعارف کریں کہ یہ کون ہے؟ مولانا عبد اللہ کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ میں چیکوسلواکیہ کا باشندہ ہوں۔ کرشنا کے انداز پر میڈیٹیشن کرتا ہوں۔ تقریباً ایک سو کے قریب نوجوان میرے شاگرد ہیں۔ میں اپنی بیوی کے ساتھ گھومنے پھرنے کے لئے ماسکو آیا ہوں۔ اس شخص کو یہاں بیٹھے ہوئے دیکھا تو سوچا کہ چلو اس کے دل پر تصرف کروں۔ مگر اس نے میرے اوپر ایسی توجہ ڈالی ہے کہ اب میں اپنے آپ کو خالی محسوس کرتا ہوں۔ آپ اس شخص سے کہیں کہ میری کیفیات سلب کیوں کی ہیں؟ مولانا عبد اللہ نے فقیر کو صورتحال واضح کی تو فقیر نے کہا کہ چونکہ پہل اسی نے کی تھی لہٰذا فقیر کا حق بنتا ہے کہ اپنا دفاع کرے۔ وہ نوجوان مولانا عبد اللہ کی منت سماجت کرنے لگ گیا۔ فقیر نے مولانا عبد اللہ سے کہا کہ اس نوجوان سے کہیں کہ ہم مسجد میں مقیم ہیں یہ ہمارے ساتھ وہاں چلے تو ہم تسلی،

سے بات کر سکیں گے۔ اس نے پوچھا کہ میری بیوی بھی میرے ساتھ ہے۔ فقیر نے کہا کہ اسے بھی ساتھ لے چلو۔ اسی گفتگو کے دوران ہماری کال مل گئی اور فقیر نے چند منٹ میں پاکستان فون پر بات چیت کر کے اہل خانہ کی خیریت دریافت کی۔

فون سے فراغت پر ہم لوگ تاریخی مسجد کی طرف چلے تو گرو اور اس کی بیوی بھی ہمارے پیچھے چل پڑے۔ ہم نے انہیں مسجد کے متصل ایک حجرے میں بٹھادیا۔ ناشتے سے فراغت پر فقیر نے مولانا عبداللہ سے کہا کہ ہم اس نوجوان کو دین کی دعوت دیں۔ پہلا مرحلہ یہ تھا کہ یہ نوجوان صرف چیکو سلواکیہ کی زبان سمجھتا تھا اس سے روسی زبان میں بھی گفتگو نہیں کی جاسکتی تھی۔ فقیر نے مولانا عبداللہ سے کہا کہ پتہ کرو ممکن ہے اس کی بیوی کو روسی زبان سمجھ میں آتی ہو۔ جب پوچھا گیا تو اس لڑکی نے بتایا کہ ہاں میں روسی زبان جانتی ہوں۔ اب دوسرا مرحلہ یہ تھا کہ مولانا عبداللہ کو عربی اور ازبکی زبان آتی تھی، روسی زبان پر مہارت حاصل نہیں تھی۔ چنانچہ ابو عثمان کو بلایا گیا۔ ترتیب اس طرح سے بنی کہ فقیر عربی زبان میں گفتگو کرتا تو مولانا عبداللہ اس کا ترجمہ ازبکی زبان میں کرتے، پھر ابو عثمان اس بات کا ترجمہ روسی زبان میں کرتے تو گرو کی بیوی اس کا ترجمہ چیکو زبان میں کرتی۔ ترجمانوں کی اس سیریز میں پتہ نہیں کہ اصل بات کس حد تک اس گرو تک پہنچتی رہی۔ تاہم تھوڑی دیر گفتگو کے بعد اس نوجوان سادھو نے دوبارہ فقیر کے دل پر تصرف کرنا چاہا۔ فقیر نے اسے کہا کہ میاں ہماری نسبت کاملین سے ہے اب تو جتنا چاہو زور لگاؤ۔ یہ کہہ کر فقیر حجرے سے باہر آگیا۔ سادھو اسی جگہ پر آٹھ گھنٹے ایک ہی نشست میں بیٹھا رہا۔ بالآخر اس کی بیوی نے اسے مشورہ دیا کہ جب اس شخص نے تمہاری کیفیات سلب کر لی ہیں اور آٹھ گھنٹے کی محنت کے باوجود تمہیں وہ کیفیات واپس نہیں ملیں تو تم اس کے شاگرد کیوں نہیں بن جاتے؟ سادھو نے آمادگی کا اظہار کیا تو اس لڑکی نے مولانا عبداللہ کو بلا کر کہا کہ ہم

دونوں اس شیخ کے شاگرد بننا چاہتے ہیں۔ مولانا نے کہا کہ اس کے لئے تمہیں مسلمان ہونا پڑے گا۔ اس نے کہا، ہم تیار ہیں۔ مولانا خوشی سے اچھل پڑے۔ فقیر نے کہا کہ ان دونوں سے کہیں کہ غسل کریں پھر مسجد میں ان کو کلمہ شہادت کی تعلیم دیں گے۔ جب گرو کی بیوی غسل خانے سے نہا کر باہر نکلی تو مولانا عبداللہ نے اسے اپنا سفید رومال سر پر اوڑھنے کے لئے دے دیا۔ اس لڑکی نے حجاب کی شکل میں رومال اس طرح لپیٹا کہ مولانا حیران رہ گئے۔ جب وہ لڑکی مسجد میں داخل ہوئی تو خطیب صاحب بھی مسجد میں آگئے۔ جب انہوں نے اس لڑکی کو احرام باندھے دیکھا تو اس سے تعارف کیا، جب انہیں معلوم ہوا کہ یہ دونوں میاں بیوی مسلمان ہونا چاہتے ہیں تو انہوں نے زور سے اللہ اکبر کہا۔ فقیر نے انہیں کلمہ پڑھا کر ضروریات دین کے متعلق بتا دیا۔ میاں بیوی کہنے لگے کہ ہم آپ کے ساتھ سفر کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ماسکو سے لینن گراڈ کا سفر ہمارے ساتھ کیا۔ نوجوان نے کہا کہ میں اپنے تمام شاگردوں کو خط لکھ دوں گا کہ مجھے میرے پروردگار نے روشنی دکھا دی ہے، آپ لوگ بھی مسلمان ہو جائیں، میں قیامت کے دن بری الذمہ ہوں گا۔ اس طرح ایک سادھو کا سفر من الظلمات الی النور شروع ہوا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ جب ہندوستان میں آریہ سماج کی تحریک زور پکڑ گئی اور ہندو جوگیوں اور پنڈتوں نے دیہاتوں اور گاؤں میں جا جا کر سادہ لوح مسلمانوں کو ہندو بنانا شروع کر دیا تو اکابرین علمائے دیوبند نے اس فتنے کا قلع قمع کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے ہندوؤں کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ لوگ ہمارے ساتھ مناظرہ کر لیں تاکہ حق واضح ہو جائے۔ سادہ لوح مسلمانوں سے بحث مباحثہ کرنے اور مختلف ہتھکنڈوں سے انہیں دین سے ہٹانے کا کیا مطلب؟ ہندو پنڈتوں نے مناظرے کا چیلنج قبول کر لیا لیکن ایک شرط بھی ساتھ رکھی کہ جب

مناظرہ شروع ہو گا تو ان کے گرو اور پنڈت مجمع میں سب سے پہلی قطار میں بیٹھیں گے۔ مسلمان علماء نے اس شرط کو تسلیم کر لیا۔ مناظرے کے دن اتنے لوگ جمع ہو گئے کہ تل دھرنے کی جگہ بھی خالی نہ رہی۔ جب مناظرہ شروع ہوا تو ہندو مقرر نے اپنے مذہب کی تائید میں بڑی دھواں دھار اور لچھے دار تقریر کی۔ جب مسلمان مقرر نے جوابی تقریر شروع کی تو گھبرائے ہوئے انداز میں بے ربط سی باتیں کہیں۔ صاف نظر آرہا تھا کہ ان کے دل و دماغ پر کوئی رعب طاری ہے۔ ہندو سامعین نے جب یہ حالت دیکھی تو بڑے جوش و خروش کا مظاہرہ کرنا شروع کر دیا۔ حاضرین میں سے ایک آدمی اٹھ کر سٹیج کے پیچھے گیا جہاں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ تشریف فرما تھے۔ ارد گرد کتابوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے تاکہ اگر کوئی حوالہ بتانا پڑے تو فوراً کتاب نکال کر پیش کر دی جائے۔ اس نے حضرتؒ کو بتایا کہ مسلمان مناظر تو ایسے لگ رہے ہیں جیسے شیر کے سامنے ڈری اور سہمی ہوئی گائے کھڑی ہوتی ہے۔ حضرت سہارنپوریؒ نے وہیں بیٹھے بیٹھے مراقبہ کیا تو آپ کو بذریعہ کشف معلوم ہوا کہ سامعین کی پہلی قطار میں بیٹھے ہوئے ہندو پنڈت مسلمان مناظر پر تصرف کر رہے ہیں۔ ان میں سے ایک نوجوان سادھو نے گیرو رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ وہ اس کام میں پیش پیش تھا۔ حضرتؒ نے اس سادھو کے دل پر توجہ ڈالی تو اس سادھو کو ایسے محسوس ہوا جیسے اس کے بدن میں آگ لگ گئی ہے۔ چنانچہ وہ اضطراب اور بے قراری کے عالم میں اٹھ کر باہر چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی مسلمان عالم دین کی کیفیت حال ہو گئی۔ انہوں نے اتنی مدلل اور مؤثر تقریر کی کہ ہندوؤں کو اپنی شکست کا اعتراف کرنا پڑا۔ محفل کے اختتام پر سب سادھو منہ لٹکائے گھروں کی طرف چل پڑے۔ اس کے بعد ہندو پنڈتوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ اور آریہ سماج کی تحریک اپنے منطقی انجام کو پہنچ گئی۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں۔

بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغه فاذا هو ذاهق

(بلکہ ہم باطل کو حق پر پھینک مارتے ہیں سو وہ اس کا سر
پھوڑ دیتا ہے، پھر وہ چلا جاتا ہے)

دین اسلام کی حقانیت روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ باطل مذاہب کے لوگ اہل حق کا سامنا نہیں کر سکتے۔ مومن کی ایک لمحہ کی توجہ باطل کے خرمن پر بجلی بن کر گرتی ہے۔ فقیر حیران ہوتا ہے کہ ایک سالک کی توجہات سادھوؤں کی سالہا سال کی محنتوں پر پانی پھیر دیتی ہیں اور ان کے دل کی دنیا کو بدل دیتی ہیں۔

اغیار کے قدموں میں قلندر نہیں گرتا
ٹوٹے جو ستارہ تو زمین پر نہیں گرتا
گرتے ہیں سمندر میں بڑے شوق سے دریا
لیکن کسی دریا میں سمندر نہیں گرتا

تاریخی مسجد کا تاریخی خطبہ :

سادھو کے اسلام قبول کرنے پر مولانا عبداللہ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ انہوں نے تاریخی مسجد کے خطیب حضرت محمود کو ساری تفصیلات بتائیں اور سمرقند و بخارا کے حالات بھی چسکے لے لے کر سنائے۔ حضرت محمود نے فقیر کو حکم دیا کہ کل جمعہ کا خطبہ آپ نے دینا ہے۔ فقیر نے سر تسلیم خم کر دیا۔ جمعہ کے دن تاریخی مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی تھی۔ فقیر نے عظمت قرآن مجید کے موضوع پر بیان کیا جس کا ترجمہ حضرت محمود نے کیا۔ عربی خطبہ دیتے وقت سامعین کے دلوں پر عظمت الٰہی کی عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ حضرت محمود نے تو بلند آواز سے رونا شروع کر دیا۔ جمعہ کی نماز کے بعد بیعت کا عمل ہوا۔ مراقبہ اور دعا کے بعد حضرت محمود فقیر سے گلے

مل کر کہنے لگے کہ آج تو آپ نے تاریخی مسجد میں تاریخی خطبہ دیا ہے، کاش کہ بڑے بڑے سپیکر لگے ہوتے تو آواز کریملین تک پہنچتی۔

ارباب کریملین پر توجہ :

حضرت محمود نے بتایا کہ تاریخی مسجد سے تھوڑے ہی فاصلے پر روسی حکومت کا پایہء تخت ہے۔ اس عمارت کو کریملین کہتے ہیں۔ لوگ اسے دیکھنے کو دور دراز کا سفر کر کے آتے ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو آپ کو بھی وہ عمارت دکھائی جا سکتی ہے۔ فقیر نے کہا، بہت اچھا، ضرور چلیں گے۔ چنانچہ نماز جمعہ کے بعد کھانا کھا کر ہم لوگ کریملین دیکھنے کے لئے گئے۔ ظلمت کا ماحول اور سیاحوں کی بھیڑ اس قدر تھی کہ اللہ کی پناہ۔ فقیر نے مولانا عبداللہ سے کہا کہ آپ لوگ یہاں ایک جگہ کھڑے ہو کر اس طرح باتیں کریں کہ جیسے خوش گپیوں میں مصروف ہوں اور فقیر آپ لوگوں کی اوٹ میں بیٹھ کر مراقبہ کرے گا اور یہاں کے ارباب اقتدار کے دلوں پر توجہ ڈالے گا تاکہ ان کے دلوں پر اسلام کی عظمت بیٹھے اور وہ مسلمانوں کے خلاف سازشیں نہ کیا کریں۔ مولانا عبداللہ نے اس بات پر مسکرا کر کہا کہ حضرت! یہاں اس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، یہی اصلی تصوف ہے۔ فقیر جب مراقبہ کر رہا تھا تو ایک ہندو کرشنا ادھر آنکلا اور اس نے مولانا عبداللہ سے پوچھنا شروع کیا کہ یہ شخص کیا کر رہا ہے۔ جب فقیر نے مراقبے سے سر اٹھایا تو کرشنا فقیر کا چہرہ دیکھتے ہی رفوچکر ہو گیا۔ مولانا عبداللہ نے اسے کہا کہ ہمارے شیخ سے ملتے تو جاؤ۔ اس نے دور سے ہاتھ ہلا کر کہا کہ نہیں تمہارا گرو بہت زبردست ہے۔ مولانا عبداللہ نے قہقہہ بلند کیا اور فقیر نے بارگاہ رب العزت میں شکر ادا کیا۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا **نصرت بالرعب** (میری مدد کی گئی ساتھ رعب کے) چنانچہ نبی علیہ السلام کا رعب آپ سے

ایک مہینے کی مسافت آگے چلا کرتا تھا۔ اتباع سنت کی برکات میں سے ایک برکت یہ بھی ہے کہ متبع سنت انسان کی شخصیت میں ایک رعب اور دبدبہ ہوتا ہے۔ اسی لئے کسی شاعر نے کہا

نہ تاج و تخت میں نے شکر و سپاہ میں ہے
جو بات مرد قلندر کی بارگاہ میں ہے

یہ بھی اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ جس مرکز و عمارت سے ستر سال تک وجود باری تعالیٰ کی نفی ہوتی رہی۔ آج حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کا ایک ادنیٰ غلام اس عمارت میں بیٹھا لوگوں کے دلوں پر توجہ ڈال رہا تھا۔

پانچویں ہیرے کی دریافت :

کریملین کے دروازے کے بالکل سامنے ایک گرجا بنا ہوا ہے جس کی عمارت فن تعمیر کا شاہکار سمجھی جاتی ہے۔ اکثر تصاویر میں اس کو نمایاں طور پر دکھایا جاتا ہے۔ ہم لوگ اس گرجے کے قریب پہنچے تو ایک خوبصورت نوجوان نے فقیر سے مصافحہ کیا اور پوچھا کہ آپ یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہیں ؟ فقیر نے کہا، پہلے آپ اپنا تعارف تو کروائیں۔ اس نے بتایا کہ میرا نام ودھم ہے، میں یوکرائن کا رہنے والا ہوں۔ کچھ عرصہ پہلے سے ماسکو میں آیا ہوا ہوں۔ آپ کو یہاں بیٹھے دیکھ کر تھوڑی دیر دور کھڑا دیکھتا رہا، پھر دل نے کہا کہ یہ شخص اپنے اندر کشش و جاذبیت رکھتا ہے اس سے ملاقات کرنی چاہئے۔ فقیر نے بتایا کہ میں خاندان نقشبند کا غلام ہوں۔ اللہ اللہ کرتا بھی ہوں، کرواتا بھی ہوں۔ ودھم نے کہا مجھے بھی سکھا دیجئے۔ فقیر نے کہا کہ چند دن ہمارے ساتھ رہیں، سیکھ جائیں گے۔ اس نے رضامندی کا اظہار کیا۔ چنانچہ مسجد میں پہنچ کر ودھم نے بیعت کی۔ فقیر نے اس کا نام بدل کر ابراہیم ادھم رکھ دیا۔ ابراہیم

ادھم روسی النسل ہونے کے باوجود پکا مسلمان بن گیا اور درجنوں لڑکے لڑکیوں کی کامیابی و کامرانی کا ذریعہ بنا۔ ابراہیم ادھم ایک دن جوش میں آکر فقیر سے کہنے لگا کہ حضرت! آپ ارباب کریملین پر ایسی توجہ ڈالیں کہ یہ سب مسلمان ہو جائیں حتیٰ کہ لینن گراڈ کا نام بدل کر اسلام آباد رکھ دیا جائے۔ فقیر نے کہا اللہ تعالیٰ کے لئے یہ کام کوئی مشکل نہیں ہے۔

لینن گراڈ روانگی:

مورخہ 20 جولائی رات گیارہ بجے ماسکو سے لینن گراڈ جانے والی ریل پر سوار ہوئے۔ رشیا میں لمبے سفر کے لئے ریل گاڑیوں کا نظام بہت مقبول ہے۔ مسافروں کے لئے ریل گاڑی میں ہر سہولت موجود ہوتی ہے۔ سیٹیں نہایت آرام دہ اور صاف ستھری ہوتی ہیں۔ ہر بوگی کے مسافروں کی دیکھ بھال کے لئے ایک نگران متعین ہوتا ہے۔ ایسے لگتا ہے کہ کسی جہاز میں سفر کر رہے ہیں۔ ہر سیٹ کی ریزرویشن ہوتی ہے، بھیڑ بھاڑ کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ گاڑی اپنے مقررہ وقت پر رکتی اور چلتی ہے حتیٰ کہ چند منٹ کی تاخیر بھی نہیں ہوتی۔

ہم لوگ ساری رات سفر کرنے کے بعد دوسرے دن صبح آٹھ بجے لینن گراڈ پہنچے۔ عمارات، شاہراہوں اور دفاتر کے نکتہ ءنظر سے ہمیں ماسکو اور لینن گراڈ میں کوئی فرق نظر نہ آیا۔ ہمارے دوست محمد اشرف صاحب ہمیں اسٹیشن سے شہر کی مرکزی مسجد میں لے آئے، مرکزی مسجد کی عمارت فن تعمیر کا شاہکار تھی۔ جب ہم لوگ تحیۃ المسجد پڑھ کر فارغ ہوئے تو مولانا عبداللہ کو بھیجا کہ خطیب صاحب سے ملاقات کریں۔ انہوں نے واپسی پر بتایا کہ خطیب صاحب حکومت کے پروردہ نظر آتے ہیں۔ یہاں پر مسجد فقط ظہر اور عصر کے لئے کھولی جاتی ہے۔ خطیب صاحب کا گھر

مسجد سے چند فٹ کے فاصلے پر ہے مگر وہ دوسری نمازوں کے لئے مسجد کھولنے کی اجازت نہیں دیتے۔ مولانا عبداللہ نے یہ بھی بتایا کہ میں نے انہیں آپ کا غائبانہ تعارف کروادیا ہے۔ سمرقند اور بخارا کے حالات سنائے ہیں مگر خطیب صاحب نے ذرہ برابر الفت و محبت کا اظہار نہیں کیا۔ اتنا کہہ دیا ہے کہ آپ حضرات مسجد میں نہیں ٹھہر سکتے البتہ میں مؤذن کو کہہ دیتا ہوں کہ آپ کے لئے مہمان خانہ کھول دے۔ ہم لوگ مسجد سے مہمان خانے میں منتقل ہو گئے۔ ظہر کی نماز نائب خطیب نے پڑھائی۔ نماز کے بعد نمازیوں نے فقیر کو دیکھ کر مطالبہ کیا کہ کچھ وعظ و نصیحت کی جائے۔ فقیر نے مختصر بیان کیا تو شروع میں دو حضرات بیعت کے لئے تیار ہو گئے۔ جب خطبہ پڑھ کر کلمات پڑھانے کا وقت آیا تو مسجد میں موجود سب نمازیوں نے چادر پکڑ کر کلمات پڑھ لئے۔ فقیر کو بیعت کے وقت یہ خیال بار بار دل میں آرہا تھا کہ یہ شہر لینن کے نام پر مشہور ہے، چند سال پہلے تک دہریت کا مرکز رہا ہے اور آج الحمد للہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کا ایک ادنیٰ غلام اس شہر کی فضا میں توبہ کے کلمات پڑھا رہا ہے۔ مراقبہ اور دعا سے فراغت پر محفل کا اختتام ہوا۔ ابراہیم ادھم اور مولانا عبداللہ کو کھانا لانے کے لئے بھیجا گیا۔ پورے شہر میں کسی مسلمان کی دکان نہیں تھی۔ فقیر نے مشورہ دیا کہ پھل خرید کر کھا لئے جائیں۔ یہ دونوں حضرات بازار سے ڈبل روٹی اور مکھن خرید کر لائے جسے سب نے مزے لے لے کر کھایا۔

لینن گراڈ میں جنسی بے راہ روی ماسکو سے بھی زیادہ ہے۔ یہ جگہ خدا بیزار انسانوں کا مرکز ہے۔ ہر طرف ظلمت ہی ظلمت دکھائی دیتی ہے۔ فقیر نے اپنے مشائخ کے طریقہ پر یہاں باطنی توجہات کے لئے خوب زور لگایا۔ فجر مغرب اور عشاء کی نماز کے وقت مسجد بند ہو جاتی تھی ہم لوگ سخت سردی میں مسجد کے بیرونی دروازے کے سامنے کپڑے بچھا کر نماز پڑھتے اور رو رو کر دعائیں مانگتے۔ ایک مرتبہ ایک مسلمان

نوجوان نے سڑک سے گزرتے ہوئے ہمیں دیکھا تو قریب آکر پوچھا کہ آپ لوگ کون ہیں؟ مولانا عبداللہ نے اس سے تفصیلی تعارف کیا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ فقیر اللہ اللہ سکھاتا ہے تو اس نے سلسلہ عالیہ میں شمولیت کے لئے خواہش ظاہر کی۔ فقیر نے اسے توبہ کے کلمات پڑھائے۔ اس نوجوان پر اس قدر گریہ طاری ہوا کہ محفل سے اٹھ کر مسجد کے دروازے پر گیا اور چوکھٹ پر سر رکھ کر رونا شروع کر دیا۔ اس نوجوان کی اس عاجزی نے ہمارے دلوں کو بھی تڑپا کر رکھ دیا۔ بہت دیر تک ہم سب لوگ روتے رہے۔ فقیر اس نوجوان کے وسیلے سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا رہا۔ یہ وقت فقیر کی زندگی کے حسین ترین لمحات میں سے تھا۔

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

{بادشاہوں کے لئے کوئی مشکل نہیں اگر فقیروں کو نوازیں}

لینن گراڈ کی راتیں :

جب مغرب کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو سردی نے ہمیں مہمان خانے کے اندر دھکیل دیا۔ ٹھنڈی ہوا ایسی چلی کہ باہر نکلتے ہی دانت بجنے لگتے۔ رات کے کھانے سے فارغ ہو کر عشا کی نماز پڑھی اور سو گئے۔ فقیر کی آنکھ تین گھنٹے کے بعد کھلی تو باہر جھانک کر آسمان کی طرف دیکھا تا کہ وقت کا اندازہ ہو سکے۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ اسفار کا وقت ہو چکا ہے، اگر جلدی سے فجر کی نماز نہ پڑھی تو قضا ہونے کا اندیشہ ہے۔ فقیر نے وضو کیا اور ساتھیوں کو جگایا۔ مولانا عبداللہ نے کہا کہ حضرت! یہاں کے اوقات نماز کے مطابق تو فجر ہونے میں ابھی سات گھنٹے باقی ہیں۔ فقیر نے کہا مولانا! باہر اسقدر روشنی ہو چکی ہے کہ باریک لکھائی والی کتاب کو بھی آسانی سے پڑھا جا سکتا ہے۔ مولانا نے کہا، حضرت! یہاں پر تاریک رات نہیں ہوا کرتی۔ سورج اس حساب

سے چھپتا ہے کہ کچھ نہ کچھ روشنی رہتی ہے۔ فقیر نے کہا کہ فقہاء نے کتابوں میں لکھا ہے کہ عشا کی نماز کا وقت ہونے کی علامات یہ ہیں کہ ستارے آسمان پر چھٹک جائیں۔ مولانا نے کہا کہ حضرت! لینن گراڈ میں یہ علامت پوری نہیں ہوتی۔ یہاں پر مغرب ہوتے ہی صبح صادق کا وقت ہو جاتا ہے۔ سال میں کچھ مہینے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اصولاً عشا کی نماز کا وقت داخل ہی نہیں ہوتا۔ فقیر نے کہا کہ واقعی علماء نے اس کی تصدیق کی ہے۔ مولانا نے کہا، جی ہاں۔ راویل تاج الدین بول اٹھے کہ پھر تو عشا کی نماز پڑھنے کی ضرورت ہی نہیں۔ فقیر نے کہا کہ جب پانچ نمازوں کا تذکرہ قرآن مجید میں ہو چکا ہے تو تعداد پوری کرنا بھی ضروری ہے۔ اگر کسی نماز کا وقت داخل نہ بھی ہو تو اندازہ کر کے اگلی نماز کے وقت میں اسکو ادا کر لینا چاہئے تاکہ تعداد پوری ہو سکے۔ راویل تاج الدین کو یہ بات سمجھنے میں دقت پیش آئی۔ تو فقیر نے اس کی تفصیل بیان کی۔

اوقات نماز کی تفصیل:

ارشاد باری تعالیٰ ہے

إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا

(بے شک مؤمنین پر اپنے وقت پر نماز فرض کی گئی ہے)

پوری دنیا میں اوقات کی تین صورتیں ممکن ہیں

1- پہلی صورت یہ ہے کہ دن رات میں پانچوں نمازوں کا وقت داخل ہو تو ایسی صورت میں ہر نماز کو اپنے وقت پر پڑھنا فرض ہے۔ دن اور رات کے چھوٹا بڑا ہونے کا کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بالفرض دن بیس گھنٹے کا ہو اور رات چار گھنٹے کی ہو یا دن چار گھنٹے کا ہو اور رات بیس گھنٹے کی ہو۔ اگر وقت بدل رہا ہے اور نمازوں کے

اوقات داخل ہو رہے ہیں تو اپنے اپنے وقت پر نماز پڑھنا ضروری ہے۔

2 -دوسری صورت یہ ممکن ہے کہ دن رات کی تقسیم اس طرح ہے کہ کسی نماز کا وقت داخل ہی نہیں ہوتا۔ مثلاً سورج غروب ہوا اور ایک گھنٹے کے بعد صبح صادق ہوگئی تو ایسی صورت میں عشا کی نماز کا وقت داخل ہی نہیں ہوا۔ مثلاً بلغار کے رہنے والے جو قطب شمالی میں ملک ناروے کا ایک نہایت سرد شہر ہے۔ وہاں چھوٹی راتوں والے دنوں میں تئیس گھنٹے کا دن ہوتا ہے اور ایک گھنٹہ کے لئے سورج غروب ہوتا ہے۔ اس لئے وہاں عشا کی نماز کا وقت داخل ہی نہیں ہوتا۔ اس میں اکابر علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ چونکہ قرآنی آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز اپنے وقت پر فرض کی گئی ہے۔ پس اگر کسی نماز کا وقت ہی نہیں ہوا تو وہ نماز فرض ہی نہیں ہوئی۔ وہاں کے لوگوں کو چار نمازیں پڑھنی فرض ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت کٹے ہوئے ہوں تو اس کے لئے وضو میں تین فرض ہیں۔ چوتھا فرض پاؤں نہ ہونے کی وجہ سے ساقط ہو گیا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص طلوع آفتاب کے بعد اسلام لایا، یا نابالغ لڑکا بالغ ہوا، یا حائضہ عورت حیض سے پاک ہوئی تو ان سب پر اس روز کی چار نمازیں فرض ہوں گی۔ اسی قول کو اکثر فقہاء نے ترجیح دی ہے۔ اب تصویر کا دوسرا رخ دیکھیں۔

فقہاء کا دوسرا گروہ اس بات کا قائل ہے کہ چونکہ پانچ نمازوں کا تذکرہ قرآن مجید میں ہو چکا ہے اس لئے کوئی بھی نماز چھوڑنی نہیں چاہئے۔ پس اگر کہیں عشا کا وقت نہیں بھی ہوتا تو بھی ان لوگوں کو وقت کا اندازہ کر لینا چاہئے اور مغرب کی نماز کے اتنی دیر بعد نماز پڑھ لینی چاہئے۔ احتیاط اسی میں معلوم ہوتی ہے کہ عشا کی نماز کو فجر سے

پہلے اسی دن کی عشا کی نیت سے پڑھ لے۔

3 - تیسری صورت یہ ممکن ہے کہ کئی کئی مہینے تک دن یا رات رہے مثلاً ناروے میں قطب شمالی کے قریب دن اور رات چھ مہینے کے ہوتے ہیں۔ اسی طرح قطب جنوبی میں بھی چھ چھ مہینے کے دن رات ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں وہ لوگ اپنے دفتروں کے اوقات یا سونے جاگنے کے اوقات یا کھانے پینے کے اوقات کو اندازے سے تقسیم کر لیتے ہیں۔ اسی طرح ان لوگوں کو چوبیس گھنٹوں کے دن رات کا لحاظ رکھتے ہوئے نمازوں کے اوقات کو تقسیم کر لینا چاہئے۔ اور اسی قدر فاصلہ سے نماز ادا کریں جیسا کہ عام حالات میں نمازوں کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے۔ اس کی اصل وہ حدیث ہے کہ جس میں بتایا گیا کہ دجال اکبر کے فتنہ کے چالیس دنوں میں سے ایک دن ایک سال بھر کا ہوگا، ایک دن ایک مہینے کے برابر اور ایک دن، ایک ہفتہ کے برابر ہوگا اور باقی دن عام دنوں کی طرح ہوں گے۔ صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا کہ نمازوں کا کیا بنے گا؟ یعنی سال بھر کے دن میں پانچ نمازیں کافی ہوں گی۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ نہیں بلکہ اندازہ کر کے نمازیں پڑھنا۔

مولانا عبداللہ نے آگے بڑھ کر فقیر کی پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا کہ حضرت! آپ نے بڑے آسان الفاظ میں بڑے پیچیدہ مسئلے کو بیان کر دیا۔ فقیر نے کہا، مولانا! ابھی صبح صادق طلوع ہو چکی ہے، ہمیں نماز فجر ادا کر لینی چاہئے تاکہ اطمینان سے سو سکیں۔ سب نے وضو کر کے فجر کی نماز ادا کی اور تھوڑی دیر ذکر مراقبہ کر کے سو گئے۔ تقریباً چار گھنٹے کے بعد آنکھ کھلی تو باہر ابھی اسفار کا وقت تھا۔ چنانچہ وضو کر کے تلاوت قرآن سے دن کا آغاز کیا، پھر ناشتے سے فارغ ہوئے، تب جا کر سورج طلوع ہوا۔ ہم لوگوں

نے سورج کو اس طرح شوق وذوق سے دیکھا جس طرح دولہا اپنی دلہن کے چہرے کو شوق ورغبت کے ساتھ دیکھتا ہے۔

بحری جہاز کی سیر :

مولانا عبداللہ کہنے لگے کہ حضرت! مسجد کا دروازہ تو ظہر کے وقت کھلے گا۔ ہمارے پاس کافی وقت ہے اگر آپ اجازت دیں تو ہم لوگ بحری جہاز کے ذریعے لینن گراڈ کے بعض علاقوں کی سیر کر لیں۔ فقیر نے کہا، بہت اچھا۔ زمین پر بیٹھ کر بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا ہے، چلیں پانی کی سطح پر بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں گے۔ چنانچہ سب لوگ قریبی بندرگاہ پر پہنچے تو جہاز سیاحوں سے بھرا ہوا تھا۔ ہم نے ٹکٹیں خریدیں اور جہاز میں داخل ہوئے تو ساتھ ہی دروازے بند کر دیئے گئے۔ مولانا عبداللہ کہنے لگے کہ حضرت! یہ لوگ ہمارا ہی انتظار کر رہے تھے۔ فقیر نے کہا، مولانا!

دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

ہم لوگ جہاز کی نشستوں پر بیٹھے تو ساتھ والی نشستوں پر روسی النسل لوگ بیٹھے تھے وہ ہماری طرف ٹکٹکی باندھے اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے کہ ہم کوئی عجوبہ ہوں۔ جہاز چلے تھوڑی دیر گزری تھی کہ کپتان نے اعلان کر کے بتایا کہ آج روسی بحریہ کا کوئی خصوصی دن ہے۔ بحریہ فوج نے نمائش کے لئے اپنی بحریہ کا ایک یونٹ کھڑا کیا ہے ہم اس کے قریب سے گذریں گے۔ اگر مسافر حضرات نمائش دیکھنا چاہتے ہیں تو جہاز کے عرشے پر آجائیں۔ یہ اعلان سنتے ہی سب مسافر حضرات کمروں سے نکل کر جہاز کے عرشے پر پہنچ گئے۔ نیچے نظر پڑتی تو ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر، اوپر نظر پڑتی تو ابر آلود آسمان اور دائیں بائیں روسی بحریہ کے جہاز کھڑے نظر آ رہے تھے۔ فقیر نے اس دن بحری بیڑا قریب سے دیکھا۔ میزائل بردار جہاز دیکھا، تارپیڈو کی لمبی قطار

دیکھی۔ فقیر کے لئے یہ ایک نیا تجربہ تھا۔ فقیر اپنی سوچوں میں گم ہو کر ماضی کی تاریخ کی ورق گردانی کرنے لگا تو نبی علیہ السلام کی ایک حدیث مبارکہ یاد آئی جس میں فرمایا گیا کہ امت مسلمہ میں سے جو لوگ پہلا بحری جہاد کریں گے ان کے لئے جنت کی بشارت ہو اور انہیں زمینی جہاد کرنے والوں سے دگنا ثواب ملے گا۔ چنانچہ سیدنا امیر معاویہؓ کے دور میں مسلمان فوج نے پہلی مرتبہ بحری جہاد کرنے کا اعزاز حاصل کیا۔

جنرل طارق بن زیاد نے بھی افریقہ سے چل کر جبرالٹر کے قریب صلیبی فوج کا مقابلہ کیا تھا۔ تاریخ گواہ ہے کہ شیر چٹان کے قریب پہنچ کر جب مسلمان فوج نے زمین پر قدم رکھا تو سپہ سالار نے حکم دیا کہ سب کشتیوں کو آگ لگادی جائے۔ چنانچہ سب کشتیوں کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنادیا گیا۔ سپہ سالار نے تقریر کی کہ پیچھے بھاگنا ممکن نہیں رہا۔ اب یا تو فتح حاصل کریں گے ورنہ موت ضرور آئے گی۔ مسلمان فوج میں جوش جہاد اتنا بڑھا کہ انہوں نے آگے بڑھ کر دشمن کو مولی گاجر کی طرح کتر کر رکھ دیا۔ یہ جنگ خلافت سپانیہ کا پیش خیمہ بنی۔ جنگ کے بعد کسی نے کشتیاں جلانے کی بات کرتے ہوئے طارق بن زیاد سے کہا تھا کہ تمہیں اپنے وطن لوٹنے کا قطعاً خیال ہی نہیں تھا۔ اس نے جواب دیا

ہر ملک ملک ما ست کہ ملک خدائے ما ست

(جو ملک بھی میرے خدا کا ہے وہ میرا ملک ہے)

نوخیز لڑکی کی ان ہونی تمنا:

فقیر انہی خیالات کا تانا بانا بن رہا تھا کہ مولانا عبداللہ نے قریب آکر متوجہ کیا اور کہا کہ حضرت! آپ کے قریب ایک پندرہ سالہ روسی لڑکی کھڑی ہے۔ اس نے مجھے کہا ہے کہ اس شخص میں کوئی مقناطیسیت ہے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ اسے دیکھتی

رہوں۔ میں نے اس لڑکی کو آپ کا تعارف کروایا ہے اور کہا ہے کہ ان کی شاگرد بن جاؤ۔اس نے کہا ہے کہ میں تو بیوی بننا چاہتی ہوں۔ فقیر نے مولانا عبداللہ سے کہا کہ ان کفار کے نزدیک تو مرد عورت کا تعلق وقت گذاری کا دوسرا نام ہے، مگر اسلام نے تو اسے ''جیون ساتھی'' کے طور پر پیش کیا ہے۔اس لڑکی کو دین کی دعوت دیں فقیر دعا کرے گا، کیا پتہ اللہ تعالیٰ اس کے سینے کو نور ایمان سے روشن کردے۔ مولانا عبداللہ نے اس لڑکی کو تھوڑی دیر وعظ و نصیحت کی تو اس نے کہا کہ مجھے اس شخص نے اسلام کے متعلق سوچنے پر مجبور کر دیا ہے ۔مگر میں اکیلی ہوں میرے سارے عزیز و اقارب دہریہ اور کیمونسٹ ہیں، میں ان کے سامنے اپنے آپ کو کیسے مسلمان کہلوا سکتی ہوں ؟ابھی تو میں بہت چھوٹی ہوں، ہائی اسکول میں پڑھتی ہوں۔ فقیر نے کہا، مولانا! اسے کہو کہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جائے اور اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کردے، انشاءاللہ یہ ضائع نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اس کے ایمان کی حفاظت فرمائیں گے۔ لڑکی نے فقیر کے قریب ہو کر آہستہ آواز میں کہا، میرے سارے رشتے دار یہاں موجود ہیں، میں مسلمان بننا چاہتی ہوں، کیا کروں ؟ فقیر نے اسے کلمہ شہادت پڑھا دیا اور کہا کہ مولانا عبداللہ سے رابطہ رکھنا۔ باقی تفصیلات خط وکتابت کے ذریعے طے کر لینا۔ لڑکی نے فوراً اپنا ایڈریس لکھ کر دے دیا۔ فقیر نے مولانا عبداللہ سے کہا کہ کوشش کرنا کہ کوئی نوجوان مسلمان لڑکا اس بچی سے شادی کر لے۔ مولانا نے اس لڑکی کو بتایا کہ تمہارے اسلام قبول کرنے سے ہمارے شیخ کو دلی خوشی نصیب ہوئی ہے۔ وہ ترخ کر بولی کہ انہیں کہو کہ مجھے اپنی بیوی بنا کر میری دلی چاہت کو بھی پورا کر دیں۔ فقیر نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ تمہارا جیون ساتھی مجھ سے کئی گنا زیادہ بہتر ہو، لہٰذا ابھی اپنی توجہ پڑھائی کی طرف مرکوز رکھو، پھر دیکھنا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کیا سبیل پیدا فرماتا ہے، چلو، فقیر تمہارے لئے دعا کرتا ہے۔ یہ کہہ کر فقیر نے ہاتھ اٹھا

لئے اور اس لڑکی کے ایمان کی حفاظت کے لئے رو رو کر دعا مانگی۔ دعا کے بعد لڑکی نے مولانا عبداللہ سے پوچھا کہ اس شیخ کی آنکھوں سے آنسوؤں کے موتی کیوں گر رہے تھے۔ مولانا نے کہا کہ وہ آپ کے اچھے مستقبل کے لئے دعا مانگ رہے تھے۔ لڑکی نے یہ سن کر ٹھنڈی سانس لی اور کہا، کاش میں لڑکا ہوتی تو ساری زندگی ان کے قدموں سے لپٹی رہتی۔ فقیر نے کہا، اس ان ہونی تمنا کو دل سے نکالو اور اللہ تعالیٰ سے محبت کرو، اس کی یاد میں زندگی گزارو۔ وہ لڑکی کہنے لگی کہ آپ کی باتوں نے میرے دل کو پر سکون بنا دیا ہے۔

اتنے میں جہاز کے کپتان نے اعلان کیا کہ مسافر حضرات اپنی نشستوں پر تشریف رکھیں۔ چنانچہ ہم اپنی نشستوں پر آکر بیٹھ گئے۔ ابو عثمان نے کہا کہ حضرت! اگر آپ روس میں زیادہ قیام کریں تو بہت سارے لوگ مسلمان ہو جائیں۔ فقیر نے کہا کہ وسط ایشیا کے جن حضرات کو فقیر نے اجازت و خلافت دی ہے اس کا منشا یہی ہے کہ وہ حضرات یہاں پر نسبت کا نور پھیلائیں۔ جو پروردگار عالم مکڑی اور مچھر سے کام لے سکتا ہے وہ ہم عاجز مسکینوں کو بھی اشاعت دین کے لئے قبول کر سکتا ہے۔

مغرب کی کھڑکی:

جہاز کے کپتان نے اعلان کیا کہ اب آپ کو لینن گراڈ سے متعلق چند معلومات پیش کی جائیں گی۔ اس شہر میں ایک سو عجائب گھر ہیں، اس میں زیر زمین ریل گاڑی کا نظام دنیا کا سب سے بہترین نظام ہے، ایٹمی حملوں سے بچنے کے لئے زیر زمین شہر بسائے گئے ہیں۔ اس شہر کو "مغرب کی کھڑکی" اس لئے کہا جاتا ہے کہ اگر چند گھنٹے اسی سمندر میں جہاز چلتا رہے تو بالکل سامنے سٹاک ہام سویڈن کی بندرگاہ ہے۔ ابو عثمان نے فقیر سے پوچھا کہ حضرت! آپ نے سٹاک ہام دیکھا ہے؟ فقیر نے کہا، جی ہاں کئی بار

جانے کا موقع ملا ہے۔ راویل تاج الدین مسکرائے اور معنی خیز نگاہوں سے فقیر کی طرف دیکھنے لگے۔ فقیر نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ کہنے لگے کہ حضرت! آپ شیخ العالم ہیں۔ آپ نے پاکستان سے مغرب کی طرف سفر کیا تو سویڈن پہنچے۔ جب مشرق کی طرف سفر کیا تو لینن گراڈ پہنچے۔ یہ دونوں ملک آمنے سامنے ہیں گویا آپ نے دین کی خاطر ساری دنیا کا چکر لگالیا۔ مولانا عبداللہ نے اس پر زور سے اللہ اکبر کہا۔

لینن کی اصلیت :

جہاز کے کپتان نے اعلان کیا کہ ہمارے دائیں جانب لینن کا محل واقع ہے۔ تو سب مسافروں نے اس طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ فقیر نے دیکھا کہ سمندر کے کنارے اتنا وسیع و عریض اور عالیشان محل بنا ہوا تھا کہ انسان حیرت سے تکتا رہ جائے۔ مولانا عبداللہ نے بتایا کہ یہ محل اندر سے بہت زیادہ خوبصورت ہے۔ اس کے ستونوں اور چھتوں پر سونے کے پانی سے میناکاری کی گئی ہے۔ یہ محل لینن لعین نے اپنی رہائش کے لئے بنوایا تھا۔

فقیر نے پوچھا کہ مولانا! یہاں کے عام لوگ تو ایک کمرے اور دو کمروں کے مکان میں زندگی گزار رہے ہیں اور مساوات کا درس دینے والے اتنے عالیشان محلات میں رہنے کے مزے لوٹتے رہے تو کیا یہ صحیح مساوات تھی؟ مولانا نے کہا، ہرگز نہیں۔ فقیر نے کہا کہ اگر دنیا نے مساوات کا درس لینا ہے تو اسے میرے آقا حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی چوکھٹ پر آنا پڑے گا۔ مصیبت زدہ انسانیت کو در رسول ﷺ ہی سے سکون کی خیرات ملے گی۔

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرم خانہ خراب کو تیرے عفو بندہ نواز میں

جنگ خندق میں ایک صحابی نے بھوک کی شدت سے تنگ آکر ایک پتھر پیٹ پر باندھ لیا۔ تو میرے آقا ﷺ نے اپنے مبارک پیٹ پر دو پتھر باندھے۔ مسلمان مجاہدین نے خندق کھودنے میں حصہ لیا، ایک چٹان نہیں ٹوٹتی تھی تو اسے میرے آقا ﷺ نے اپنے کدال سے توڑا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ جب خلیفہ بنے تو بیت المال سے اتنا مشاہرہ لیا جتنا کہ ہر مسلمان کو وظیفہ دیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ کو ایک مرتبہ پینے کے لئے شربت پیش کیا گیا، آپؓ نے پوچھا کہ کیا ہر مسلمان اس کو پی سکتا ہے؟ لوگوں نے کہا، نہیں۔ آپ نے اس کو پینے سے انکار کر دیا۔ کیمونسٹوں کی مساوات عجیب تھی کہ لوگو! تم ہمیشہ کے لئے محکوم اور ہم ہمیشہ کے لئے حاکم۔ اسی کو کہتے ہیں کہ ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور ہوتے ہیں اور کھانے کے اور ہوتے ہیں۔ اسی ناانصافی کی وجہ سے ستر سال کے بعد وہ وقت بھی آیا کہ لینن گراڈ کے شہریوں نے لینن کے مجسمے کو رسیوں سے باندھ کر سڑکوں پر گھسیٹا۔

ظلم پھر ظلم ہے بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے

چند دن لینن گراڈ میں قیام کے بعد ہم اگلی منزل پر روانہ ہوئے۔

کٹشامکشا کا دورہ :

کٹشامکشا لینن گراڈ سے آگے روس کی سرحد پر آخری شہر ہے۔ کسی زمانے میں یہ فن لینڈ کا حصہ تھا۔ مگر دوسری جنگ عظیم میں روس نے اس پر قبضہ کر کے اپنی سرحد کو آگے بڑھا دیا۔ یہاں کے لوگ اپنی نسل کے اعتبار سے فن لینڈ کے ہیں تاہم اب روس کے شہری کہلاتے ہیں۔ اس شہر میں کوئی بھی مسلمان نہیں تھا۔ یہاں پر کچھ مردوں عورتوں نے مل کر ایک کلب کی بنیاد ڈالی تھی۔ وہ ہفتے میں ایک دن کسی ہال میں ملتے اور خوردونوش یا خوش گپیوں کے بعد اپنی اپنی راہ لگتے۔ ان میں سے اکثر لوگ

اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے۔ ان میں سے ایک عورت نوریا نے خواب میں دیکھا کہ کوئی بزرگ اسے کہہ رہے ہیں کہ تم اسلام کے بارے میں بھی سوچو۔ اس عورت نے یہ خواب اپنے کلب ممبران کو بھی سنایا۔ سب نے مشورے میں طے کیا کہ ہمیں اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنی چاہیں۔ دو عورتیں ایسی بھی تھیں جو اسلام کا نام بھی سننا گوارا نہیں کرتی تھیں۔ انہوں نے اس تجویز کی پرزور مخالفت کی۔ چونکہ اکثریت کی رائے تھی کہ اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنی چاہئیں، لہٰذا فیصلہ یہی ہوا کہ ہم کسی مسلمان کو دعوت دیں گے تاکہ وہ ہمیں اسلام کے بارے میں معلومات فراہم کرے۔ اس کلب کا ایک آدمی اپنے کسی کام کے لئے ماسکو آیا تو اس کی ملاقات راویل تاج الدین سے ہوئی۔ اس شخص نے راویل تاج الدین کو دعوت دی کہ آپ کشامکشا تشریف لاکر ہمیں دین اسلام کے بارے میں بتائیں۔

راویل تاج الدین نے فقیر کو صورتحال سے آگاہ کیا تو فقیر نے اسی وقت نیت کرلی، چنانچہ لینن گراڈ سے 8 گھنٹے ریل گاڑی کا سفر کرنے کے بعد کشامکشا پہنچے۔ رات کا وقت ہو چکا تھا۔ ہم نے وہاں پر عشا کی نماز ادا کی۔ ہم لوگوں نے اپنے کھانے پینے کا کافی سامان ساتھ رکھ لیا تھا مگر میزبان نے ابلی ہوئی سبزیاں پیش کیں۔ سب نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور جلد سو گئے۔

اگلے دن دس بجے مقامی ہوٹل کے کسی ہال میں محفل منعقد ہونی تھی۔ جب ہم لوگ وہاں پہنچے تو کلب کے سب ممبران کو منتظر پایا۔ نوریا چونکہ کلب کی پریزیڈنٹ تھی لہٰذا اس نے فقیر کا تعارف کروایا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ ہم معزز مہمان سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اسلام کے متعلق کچھ بتائیں۔ فقیر نے ایک گھنٹہ اسلام کے عنوان پر روشنی ڈالی۔ پھر سوال وجواب کا سلسلہ ایک گھنٹے تک چلتا رہا۔ نوریا نے سٹیج پر آکر کہا کہ معزز مہمان کی باتوں نے ہمارے دل کی دنیا کو بدل کے رکھ دیا ہے۔ ہم

سب کے سب مسلمان ہونا چاہتے ہیں۔ راویل تاج الدین نے زور سے اللہ اکبر کہا۔ فقیر نے سب کو کلمہ شہادت پڑھایا اور ان کے نئے مسلمانوں والے نام تجویز کئے۔ اس کے بعد دو گھنٹے ضروریات دین کے بارے میں وضاحت کی۔ نوریا نے کہا کہ آپ لوگ جب نماز پڑھیں گے تو ہم اس کی تصاویر اتاریں گے تاکہ آپ کے جانے کے بعد بھی رکوع و سجود وغیرہ کو سمجھنا آسان ہو۔

جب انہوں نے فوٹو گرافر کو بلایا تو اس شخص نے دروازے سے داخل ہوتے ہی فقیر کو دیکھا تو چیخ کر کہا "میں نے آپ کو رات خواب میں دیکھا ہے۔ آپ ہو بہو انہی کپڑوں میں تھے"۔ نوریا نے بتایا کہ یہ ہمارے شیخ ہیں۔ اس شخص نے کہا کہ آپ پہلے مجھے مسلمان بنائیے، پھر میں کوئی اور کام کروں گا۔ چنانچہ فقیر نے اسے بھی کلمہ شہادت پڑھایا۔ پروگرام کے مطابق اسی دن ہماری واپسی تھی۔ شام چار بجے کلب کے سب ممبران ہمیں الوداع کرنے کے لئے ریلوے اسٹیشن پر آئے۔ جب ٹرین چلنے کا وقت آیا تو سب لوگوں نے رونا شروع کر دیا۔ راویل تاج الدین اور مولانا عبداللہ کی آنکھوں سے بھی رم جھم آنسو برسنے لگے۔ نوریا نے فقیر کے قریب آکر کہا کہ شیخ! آپ ہمارے دلوں کو اپنے ساتھ لئے جا رہے ہیں، اس پلیٹ فارم پر آج تک کسی نے اس طرح رو رو کر اپنے کسی عزیز کو رخصت نہیں کیا ہو گا جس طرح ہم آپ کو کر رہے ہیں، ہمیں آپ سے اتنی محبت کیسے ہو گئی؟ فقیر نے کہا، یہ اسلام کی مقناطیسیت ہے جو دلوں کو ایک دوسرے سے ملا دیتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

ان الذین امنوا و عملوا الصلحت سیجعل لھم الرحمن ودا

(بیشک جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے عنقریب رحمٰن ان کے لئے محبت پیدا کر دے گا)

فقیر نے ریل گاڑی کے روانہ ہونے سے چند منٹ پہلے دعا کروائی اور حاضرین کو

بتایا کہ ہمارے مشائخ ایک دوسرے سے رخصت ہوتے ہوئے سورۃ العصر کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ فقیر بھی ان کی اتباع میں یہ سورۃ پڑھ کر آپ کو سنا رہا ہے۔ اس کے بعد فقیر نے اس سورۃ کا ترجمہ سنایا، یہ بھی کہا کہ اگر ہم زندہ رہے تو انشاء اللہ پھر ایک دوسرے سے ملیں گے اور اگر اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی کا وقت آگیا تو پھر قیامت کے دن ہماری ملاقات ہوگی۔ فقیر آپ سب لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہے۔

فاللّٰہ خیر حافظا و ھو ارحم الراحمین

(پس اللہ تعالیٰ بہترین محافظ ہے اور سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے)

فقیر کے یہ الفاظ حاضرین کے دلوں پر بجلی بن کر گرے۔ آنکھوں نے ساون بھادوں کی برسات برسانی شروع کر دی۔ فقیر پر بھی گریہ کی عجیب کیفیت طاری ہوگئی۔ بہر حال اداس دلوں اور پرنم آنکھوں کے ساتھ ہم ایک دوسرے سے جدا ہو کر گاڑی میں آئے اور ماسکو کی طرف روانہ ہوگئے۔ کلب ممبران کی محبت بھری نگاہیں سلام کرتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

؎ وہ آئے، بیٹھے، اٹھے تو اٹھ کے کھڑے ہوئے
میں جا ہی ڈھونڈتا تیری محفل میں رہ گیا

باب 7

یوکرائن کا سفر

مورخہ 24 جولائی بروز جمعہ رات گیارہ بجے ماسکو سے کیف روانگی ہوئی۔ یوکرائن پہلے روس کا ہی ایک حصہ تھا۔ اب مستقل ملک کی حیثیت رکھتا ہے۔ روس کے بعد سب سے بڑی فوجی طاقت اسی کے پاس ہے۔ روس کی اکثر ریسرچ لیبارٹریز اسی ملک کے مختلف شہروں میں بنی ہوئی تھیں۔ کئی سو سال پہلے اس ملک میں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ ایک عیسائی بادشاہ برسرِ اقتدار آیا تو اس نے عوام الناس کو زبردستی عیسائی بنایا اور ان کے نام بدل ڈالے۔ جو لوگ عیسائی نہیں بننا چاہتے تھے ان کو تہ تیغ کر دیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ ملک عیسائیوں کا ملک بن گیا۔ کیمونزم کی سرخ آندھی نے آکر یہاں کے اکثر لوگوں کو دہریہ بنا دیا۔ لیکن کیمونزم کا سحر ٹوٹتے ہی لوگ پھر عیسائیت کی طرف مائل ہو گئے۔ یہاں مسلمانوں کی آبادی آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہے۔ یوکرائن کا دارالخلافہ کیف بہت بڑا شہر ہے مگر اس میں بھی کوئی مسجد نہیں ہے۔

ہم لوگ دن کے گیارہ بجے کیف پہنچے۔ یہ علاقہ اپنی سرسبزی اور شادابی کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے۔ وسیع و عریض سڑکیں، عالیشان عمارات اور راستے کے

دونوں طرف پھلوں سے لدے ہوئے درخت عجیب نظارہ پیش کرتے ہیں۔ بعض جگہوں پر تو درختوں سے خوبانی اور سیب اس قدر گرے ہوئے دیکھے کہ سڑک پر چادر بچھی محسوس ہوتی تھی۔ گاڑیاں اوپر سے ہی گزرتی جارہی تھیں۔ ابراہیم ادھم نے بتایا کہ پھلوں کی بہتات کی وجہ سے لوگ ان کے ضائع ہونے کا اتنا افسوس نہیں کرتے۔ کیف میں ہماری واقفیت تو کسی سے نہیں تھی۔ نہ ہی کوئی مسجد تھی کہ جس میں جاکر ڈیرے لگاتے۔ ابراہیم ادھم کی واقفیت ایک لبنانی عالم حضرت تمیم سے تھی۔ ان کا ایڈریس معلوم کر کے ہم وہاں پہنچے۔ حضرت تمیم پہلے تو ہمیں دیکھ کر حیران ہوئے کہ یہ لوگ کہاں سے ٹپک پڑے۔ پھر فقیر سے پوچھا کہ آپ عربی زبان بول سکتے ہیں۔ فقیر نے کہا، ٹوٹی پھوٹی زبان میں مافی الضمیر بیان کر سکتا ہوں۔ چنانچہ گفتگو کا سلسلہ چل نکلا۔ حضرت تمیم نے ایک گھنٹہ تک فقیر کے متعلق معلومات حاصل کیں۔ یہاں کیوں آئے ہیں؟ کس مکتب فکر سے تعلق ہے؟ تعلیم کہاں حاصل کی؟ کس بزرگ سے اجازت ملی ہے؟ سلسلہ عالیہ کس طرح نبی اکرم ﷺ تک پہنچتا ہے؟ کسی بدعتی فرقے سے تعلق تو نہیں ہے؟ غرض یہ دلچسپ باتیں بھی ہوتی رہیں اور چائے کا دور بھی چلتا رہا۔ جب حضرت تمیم کو پوری طرح تسلی ہوگئی تو انہوں نے فون کر کے اپنے دو بھائیوں کو بھی بلوا لیا۔ ظہر کے بعد ہم نے قیلولہ کیا۔ مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد دوسری محفل منعقد ہوئی۔ حضرت تمیم نے سوال پوچھا کہ آپ ہمیں تصفیہ قلب اور تزکیہ نفس کے بارے میں کچھ بتائیں۔ فقیر کے لئے اس سے بہتر موضوع اور کیا ہو سکتا تھا۔ بس آیات قرآنی اور احادیث نبوی ﷺ میں سے جو کچھ اپنے مشائخ سے سن رکھا تھا وہ بیان کر دیا۔ سامعین پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی۔ بیان کے بعد حضرت تمیم نے فرمایا کہ آپ ہم سب اہل خانہ کو بیعت کریں۔ چنانچہ حضرت تمیم، ان کے بھائیوں اور ان کے بیوی بچوں سب نے بیعت کی۔ ابراہیم ادھم اس پر اتنا

خوش ہوا کہ کہنے لگا، حضرت ! آپ نے اس ملک میں خاندان نقشبندیہ کا ایک چشمہ جاری کر دیا ہے۔ حضرت تمیم کے دونوں بھائی عالم تھے اور مختلف جگہوں پر درس قرآن کی محفلیں منعقد کرتے تھے۔ انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ آپ ہمارے شاگردوں کو بھی بیعت کر کے ذکر و مراقبہ سکھائیں۔ فقیر نے انہیں مشورہ دیا کہ ہمارے پاس صرف دو دن ہیں آپ کل سب لوگوں کو ایک جگہ پر جمع کر لیجئے۔ انشاء اللہ فقیر بیان کرے گا اور ذکر و مراقبہ کی محفل منعقد کروائے گا۔ حضرت تمیم نے کہا کہ آپ ہمیں تو مراقبہ کروا دیں۔ فقیر نے سب کے لطائف کھولے اور مراقبہ کروایا۔ حضرت تمیم پر ایسا جذبہ طاری ہوا کہ دعا کے بعد فرمانے لگے، حضرت، ابھی سے ذکر کی مستی کا یہ عالم ہے، آگے کیا بنے گا؟ فقیر نے کہا

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

فیضان حبیبؒ کے کرشمے :

جب ہم ماسکو سے چلے تھے تو پروگرام کے مطابق راویل تاج الدین نے ہمارے ساتھ یوکرائن کا سفر کرنا تھا۔ وقت مقررہ پر گاڑی چل پڑی مگر راویل تاج الدین نہ پہنچے۔ ہم لوگ حیران تھے کہ انہوں نے ٹکٹ خرید کر ریزرویشن کروائی ہوئی تھی، پھر کیوں نہ آئے؟ ساتھ ہی یہ تشویش بھی لاحق تھی کہ ہمیں خود اپنی منزل کا نہیں پتہ تو راویل ہمارے پیچھے بھی نہیں آسکتے۔ گاڑی چلنے کے آدھے گھنٹے بعد ٹکٹ چیکر فقیر کے پاس آیا اور ایک کاغذ ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا کہ یہ آپ کے لئے پیغام ہے۔ جب فقیر نے پڑھا تو وہ راویل تاج الدین کی طرف سے ٹیلیگرام تھا۔ اس میں لکھا تھا کہ مجھے آنے میں تاخیر ہوئی، گاڑی نکل گئی تھی، میں دوسری گاڑی کی ٹکٹ خرید کر آپ کے

پیچھے آرہا ہوں، آپ کیف کے ریلوے اسٹیشن پر میرا انتظار کریں، میں آپ سے دو گھنٹے کے بعد پہنچوں گا۔ چنانچہ فقیر نے مولانا عبداللہ اور ابراہیم ادھم کے ذمے لگایا کہ وہ راویل کو ریلوے اسٹیشن سے لے آئیں۔ دونوں حضرات تین گھنٹے تک انتظار کرتے رہے۔ جس گاڑی میں راویل نے آنا تھا وہ آبھی گئی۔ مسافر اتر کر گھروں کو چلے بھی گئے مگر راویل کہیں نظر نہ آئے۔ چنانچہ تھک ہار کر یہ لوگ واپس آگئے۔ فقیر نے پوچھا کہ آپ راویل کو نہیں لائے تو وہ کہنے لگے کہ تلاش بسیار کے باوجود اس سے ملاقات نہیں ہو سکی۔ فقیر کو بہت افسوس ہوا کہ اس بچارے نے سفر بھی کیا اور ملاقات بھی نہ ہو سکی۔ رات تہجد میں فقیر نے دعا مانگی کہ اے اللہ! ہمیں جلدی آپس میں ملا دے۔ اگلے دن جب بیان کے لئے حضرت تمیم کے ساتھ شہر میں گئے تو دیکھا کہ ہال کمرہ لوگوں سے بھرا ہوا ہے۔ جب سٹیج کے قریب پہنچے تو راویل تاج الدین نے مسکراتے ہوئے کہا، حضرت جی! السلام علیکم، فقیر اپنے سامنے راویل کو دیکھ کر اس طرح ملا جس طرح سالوں پرانے دوست ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ پوچھا کہ آپ یہاں کیسے پہنچے؟ راویل نے کہا کہ حضرت! آپ ابھی بیان فرمائیں، محفل کے بعد آپ کو تفصیل بتاؤں گا۔ فقیر نے ایک گھنٹہ بیان کیا اور حضرت تمیم نے ترجمانی کی۔ اس کے بعد کئی عمامے ایک دوسرے سے باندھ کر حاضرین کو بیعت کے کلمات پڑھائے گئے۔ جب مراقبہ اور دعا سے فارغ ہوئے تو سوال و جواب کا سلسلہ چل نکلا، حاضرین نے بہت دلچسپ سوال پوچھے، ایک نوجوان لڑکی یونیورسٹی میں ایکسٹرا سائنس کی سٹوڈنٹ تھی۔ اس نے حضرت تمیم کو بتایا کہ میں دو سال سے میڈیٹیشن کر رہی ہوں، ابھی جب میں نے مراقبہ کیا تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ ایک نور اس شیخ کے سینے سے نکل کر میرے سینے میں منتقل ہو گیا ہے، آپ انہیں کہیں کہ میں ان کے ہاتھ پر بک چکی ہوں، اپنی زندگی کا سودا کر چکی ہوں، یہ جس طرح کہیں گے میں اسی طرح زندگی

گزاروں گی۔ فقیر نے کہا کہ اپنے ظاہر کو سنت نبوی ﷺ سے آراستہ کریں اور اپنے باطن کو یادالٰہی میں مشغول رکھیں حتیٰ کہ ایک لمحہ بھی غفلت میں نہ گزرے۔ حضرت اقدس تھانویؒ سے علامہ سلیمان ندویؒ نے پوچھا تھا کہ حضرت! تصوف کا مقصود کیا ہے؟ فرمایا کہ اتنا ذکر کیا جائے کہ رگ رگ اور ریشے ریشے سے گناہوں کا کھوٹ نکل جائے۔ حضرت تمیم اس جواب پر بہت خوش ہوئے۔ حاضرین نے حضرت تمیم کا شکریہ ادا کیا کہ آپ نے ایک شیخ کامل سے ہماری ملاقات کروائی۔

؎ اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

راویل کی کہانی خود ان کی زبانی:

جب مراقبہ وغیرہ سے فراغت پر لوگوں سے ملاقات ہوئی تو راویل تاج الدین بھی قریب آگئے۔ فقیر نے پوچھا کہ آپ یہاں کیسے پہنچے؟ کہنے لگے کہ بس آپ کے وسیلے سے دعا مانگی تھی قبول ہوگئی۔ جب میں آپ کے ساتھ سفر کی تیاری کر کے گھر سے نکلا تو اسٹیشن پہنچنے میں دیر ہوگئی۔ میں پلیٹ فارم پر پہنچا تو ریل گاڑی نے چلنا شروع کر دیا۔ میں چند میٹر پیچھے تھا اور گاڑی کو روانہ ہوتے دیکھ رہا تھا۔ میرے دل کی حسرت کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا۔ میں نے معلومات والے دفتر سے رجوع کیا تو پتہ چلا کہ دو گھنٹے بعد دوسری ریل گاڑی ماسکو سے کیف جائے گی۔ میں نے اس پر سیٹ کی بکنگ کروائی اور ٹیلیگرام کے ذریعے آپ کو اطلاع کر دی۔ جب کیف کے اسٹیشن پر اترا تو آپ لوگوں میں سے کوئی بھی نظر نہ آیا۔ تقریباً ایک گھنٹے تک تلاش کرنے کے بعد مایوس ہو گیا کہ اب اس سفر کی برکات سے میں محروم ہو گیا ہوں۔ کیف کا ریلوے اسٹیشن اتنا بڑا ہے کہ عام بندہ تو بھول بھلیوں میں پڑ جائے۔ میں نے سوچا کہ آپ لوگ

کسی اور پلیٹ فارم پر انتظار کر رہے ہوں گے اور میں کسی دوسرے پلیٹ فارم پر کھڑا راہیں تک رہا ہوں۔ تھک ہار کر میں نے ایک ہوٹل میں کمرہ کرائے پر لیا۔ رات کو تہجد کی نماز پڑھ کر خوب گڑگڑا کر آپ کے وسیلے سے دعا مانگی۔

صبح ناشتے کے بعد مجھے واپس ریل گاڑی کے ذریعے ماسکو جانا تھا۔ میں ایک بس میں بیٹھ گیا۔ جب ٹکٹ لینے لگا تو ڈرائیور نے بتایا کہ یہ گاڑی تو ریلوے اسٹیشن نہیں جائے گی۔ مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا، میں نے سوچا کہ اگلے سٹاپ پر اتر جاؤں گا۔ جب گاڑی رکی تو محمد اشرف صاحب بس میں سوار ہوئے۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے مل کر حیران ہوئے۔ میں نے پوچھا کہ آپ یہاں کیسے آئے؟ اس نے کہا کہ حضرت سے ملنے کے لئے آیا ہوں مگر پتہ نہیں کہ وہ کہاں ہیں؟ میں نے کہا کہ میں بھی ان سے ملنے آیا ہوں مگر مجھے بھی ان کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ ہم دونوں نے مشورہ کیا کہ اگلے اسٹاپ پر اتر جائیں اور صحیح بس پر سوار ہو کر ریلوے اسٹیشن پہنچیں۔ جب اگلے سٹاپ پر اترے تو ایک آدمی سر پر ٹوپی پہنے جا رہا تھا۔ اس سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ یہاں قریب ہی ایک عمارت میں کسی مسلمان عالم کا بیان ہے میں اس محفل میں شرکت کے لئے جا رہا ہوں۔ ہم نے دل میں سوچا کہ ہو نہ ہو یہ بیان آپ ہی کا ہو گا۔ جب یہاں پہنچے تو پتہ چلا کہ واقعی آپ نے آنا ہے۔ ہماری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب آپ کو دیکھا تو دل نے کہا کہ یہ شیخ کے وسیلے سے مانگی ہوئی دعا کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ملا دیا۔ فقیر نے کہا کہ دراصل یہ آپ کا خلوص ہے جس نے منزل پر پہنچنا آسان کر دیا۔

مسجد کیف کا سنگ بنیاد :

جب راویل تاج الدین نے اپنی بات مکمل کی تو حضرت جی نے فرمایا کہ اس شہر

میں مسلمانوں کی کوئی مسجد نہیں ہے۔ ہم نے کرائے پر جگہیں لے کر تعلیمی سلسلہ شروع کیا ہے لیکن جیسے ہی عیسائیوں کو پتہ چلتا ہے کہ ہم یہاں دین کی تعلیم دیتے ہیں تو وہ ہمیں نکال دیتے ہیں۔ ہم اب تک تین چار جگہیں بدل چکے ہیں۔ اب ہم نے حکومت سے مسجد بنانے کے لئے زمین کا ایک ٹکڑا خریدا ہے۔ آپ دعا فرمائیں کہ ہمارے لئے تعمیری کام مکمل کرنے میں آسانی ہو۔ فقیر نے کہا، چلو مسجد کی جگہ بھی دیکھیں گے اور دعا بھی کریں گے۔ یہ سن کر سب دوستوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ہم کئی گاڑیوں میں سوار ہو کر اس جگہ پر پہنچے۔ راستے میں ابراہیم ادھم نے کہا کہ حضرت! کل جب ہم یہاں شہر میں داخل ہوئے تھے تو کوئی آدمی بھی ہمارا واقف نہیں تھا اور آج چوبیس گھنٹوں کے اندر ہمارا قافلہ اس طرح جا رہا ہے جیسے کہ کسی دولہے کی بارات جا رہی ہو۔ مولانا عبداللہ نے کہا، بالکل سچ کہا، ہمارے حضرت تو ہر وقت دولہے کی طرح سجے ہوئے نظر آتے ہیں۔ فقیر نے کہا، مولانا! بس کریں ایسی باتیں نہ کریں۔ مولانا نے کہا حضرت، آپ تو **الذین اذا رؤا ذکر اللہ** میں شامل ہیں۔ فقیر نے بات کا رخ دوسری طرف موڑتے ہوئے کہا کہ ہم اس جگہ پر ختم خواجگان پڑھیں گے اور محفل مراقبہ منعقد کریں گے تاکہ اس کی برکت سے یہ جگہ جلد از جلد آباد ہو جائے۔ مسجد کیف کی جگہ پہاڑی کے اوپر واقع ہے۔ یہاں بیٹھ کر پورے شہر کو دیکھا جا سکتا ہے۔ فقیر نے مراقبے میں پورے شہر کے لوگوں پر توجہات ڈالیں۔ محفل کے اختتام پر سب حاضرین نے رو رو کر مسجد کی تعمیر کے لئے دعائیں مانگیں۔ حضرت حمیم نے فرمایا کہ حضرت! میرے دل کو تسلی ہو گئی ہے کہ اب یہ مسجد بہت جلد تعمیر ہو جائے گی۔ میرا تو خیال تھا کہ ہم اس مسجد کا کام آئندہ سال سے شروع کریں گے، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ آپ نے تو آج سے ہی شروع کروا دیا۔ فقیر نے کہا کہ حضرت! ہمارے مشائخ نے فرمایا ہے کہ مسجد کی تعمیر اور بیٹی کی شادی

ایسے کام ہیں کہ بغیر تیاری کے تاریخ متعین کر دو تو بھی اللہ تعالیٰ احسن طریقے سے نبھانے کی توفیق عطا فرماتے ہیں۔ ان دو کاموں میں کبھی کسی کو شرمندگی نہیں اٹھانا پڑی۔ یہ سن کر حضرت تمیم دیوانہ وار فقیر سے لپٹ گئے۔ ابراہیم ادھم نے کہا کہ آپ میرے حضرت کو زیادہ زور سے نہ دبانا۔ انہوں نے کہا کہ میاں تم اکیلے کے نہیں، میرے بھی تو ہیں۔

خرکوف روانگی :

یوکرائن کا دوسرا بڑا شہر خرکوف ہے۔ اس شہر کے گرد و نواح میں فوجی ساز و سامان بنانے کی فیکٹریاں لگی ہوئی ہیں۔ رشیا کے پہلے ایٹم بم کی تیاری بھی اسی شہر میں ہوئی اور رشیا کا پہلا ٹینک بھی اسی شہر میں بنایا گیا۔ اس شہر میں محمد رفیق تاتار کا گھر تھا۔ راویل تاج الدین سے اس کا بچپن کا دوستانہ تھا۔ راویل نے مشورہ دیا تھا کہ ہم ایک دن کے لئے اس کے گھر جائیں۔ چنانچہ ہم رات بارہ بجے کیف سے چلے اور دن کے گیارہ بجے خرکوف پہنچے۔ محمد رفیق صاحب ہمیں لینے کے لئے اسٹیشن پر آئے ہوئے تھے، اسٹیشن سے سیدھا ان کے گھر پہنچے۔ مسلسل سفر کی وجہ سے سب لوگ اس قدر تھکے ہوئے تھے کہ کھانا کھائے بغیر گہری نیند سو گئے۔ ظہر کی نماز آخری وقت میں ادا کی۔ تھوڑی دیر رفیق صاحب سے بات چیت ہوتی رہی، اتنی دیر میں عصر کا وقت ہو گیا تو عصر کی نماز پڑھی۔ عصر کے بعد سب نے کھانا کھایا۔ فراغت پر محمد رفیق نے اپنے آپ کو بیعت کے لئے پیش کیا۔ بیعت کے کلمات پڑھا کر مختصر مراقبہ کروایا گیا۔ محمد رفیق صاحب نے ارادہ ظاہر کیا کہ میں حضرت کے ساتھ سفر میں شریک رہنا چاہتا ہوں۔ فقیر نے کہا، بہت اچھا۔ چنانچہ ہم سب نے سفر کی تیاری کی اور مغرب کے بعد اسٹیشن پر پہنچ گئے۔ ہمیں یہاں سے ماسکو جانا تھا لیکن سیٹوں کی ریزویشن نہیں تھی اس لئے

احباب پریشان تھے کہ شاید سیٹیں نہیں ملیں گی، مگر فقیر کا دل مطمئن تھا۔ اسٹیشن پر مظفر عمر افغانی سے ملاقات ہوئی۔ اس نے ملتے ہی کہا کہ میرا آپ سے تعارف نہیں ہے اور آپ کسی تعارف کے محتاج بھی نہیں ہیں۔ میں آپ کا سراپا دیکھ کر پہچان گیا ہوں کہ آپ کوئی شیخ ہیں۔ میرے لئے دعا فرمائیں اور میرے گھر پر حلال گوشت کے چپلی کباب تیار ہیں آپ تشریف لے چلیں۔ فقیر نے ان سے معذرت کی کہ ہمارے پاس وقت کی کمی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آج رات سفر کر کے ماسکو پہنچ جائیں تاکہ وہاں سے آگے بشکیرستان کا سفر کر سکیں۔ اسی بات چیت کے دوران عشاء کی نماز کا وقت ہو گیا تو ہم سب نے ریلوے اسٹیشن پر باجماعت نماز ادا کی۔

پاسبان مل گئے :

نماز سے فراغت پر راویل تاج الدین نے بتایا کہ ریل گاڑی اپنے پلیٹ فارم پر آچکی ہے۔ فقیر نے کہا، چلو میں اور آپ جا کر کنڈکٹر گارڈ سے بات کرتے ہیں کہ ہمیں ماسکو جانے کے لئے سیٹیں دے دے۔ کنڈکٹر گارڈ ایک بڑی عمر کی روسی نژاد عورت تھی۔ راویل نے اسے بتایا کہ ہمیں سیٹوں کی ضرورت ہے۔ اس نے ٹکا سا جواب دے دیا کہ ایک سیٹ بھی خالی نہیں ہے۔ راویل نے فقیر کی طرف دیکھا تو فقیر نے کہا کہ اسے بتاؤ کہ ہمارے ساتھ ایک مہمان ہیں، ہمیں ضرور جانا ہے۔ اس عورت نے پھر انکار کر دیا۔ اس کے قریب ہی ایک نوجوان روسی لڑکی کھڑی ہوئی ہماری باتیں سن رہی تھی۔ وہ آگے بڑھی اور کنڈکٹر گارڈ سے کہا کہ آپ اس شخص کو انکار نہ کریں۔ کنڈکٹر گارڈ نے پھر کہا کہ میرے پاس ایک سیٹ بھی نہیں ہے۔ اس لڑکی نے پوچھا کہ اچھا بتاؤ کہ اس کی کوئی صورت ممکن ہے۔ گارڈ نے کہا کہ ریل گاڑی کے اگلے ڈبے میں میرا سینئر افسر موجود ہے، ہو سکتا ہے کہ اس کے پاس سیٹیں ہوں۔ لڑکی نے کہا کہ

اچھا آپ مجھے ایک رقعہ پر دستخط کر دیں میں جا کر اس سے بات کرتی ہوں۔ کنڈکٹر گارڈ نے اسے چھوٹی سی پرچی پر دستخط کر دیئے۔ وہ اس پرچی کو لے کر بھاگی اور اگلے ڈبے تک پہنچ کر دم لیا۔ راویل نے فقیر کی طرف دیکھ کر کہا کہ شیخ اس گاڑی میں سیٹیں نہیں تو ہمیں اگلی گاڑی پر جانا پڑے گا۔ فقیر نے کہا کہ ہمارا کام دعا کرنا اور توجہ کرنا ہے اللہ تعالیٰ ضرور راستہ کھولیں گے۔

اتنے میں وہ نوجوان لڑکی بھاگتی ہوئی واپس آئی اور راویل کے ہاتھ میں ایک پرچی دیکر کہنے لگی کہ آپ لوگوں کے لئے چار سیٹیں میں لے کر آئی ہوں۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔ پہلے والی کنڈکٹر گارڈ نے کہا کہ تم نے ان کی خاطر ایسا کیوں کیا؟ وہ کہنے لگی کہ میں اس مہمان سے دعائیں لینا چاہتی ہوں۔ فقیر نے راویل سے کہا کہ ان سے پوچھو کہ اصل بات بتائے۔ وہ لڑکی بڑی حیران ہوئی اور کہنے لگی کہ میں نے کل رات خواب میں دیکھا کہ میں ایک اسٹیشن پر ہوں اور آپ کھڑے ہو کے میرے لئے کوئی خاص دعا کر رہے ہیں۔ میں یہاں سے ساٹھ کلومیٹر کے فاصلے سے آئی ہوں۔ پورے اسٹیشن پر مجھے آپ لوگ ہی اس وضع قطع کے ملے ہیں۔ میں آپ سے دعاؤں کی درخواست کرنا چاہتی تھی مگر طبیعت میں جھجک سی تھی۔ جب کنڈکٹر گارڈ نے آپ کو سیٹیں دینے سے انکار کیا تو میں نے سوچا اچھا موقعہ ہے میں آپ کی مدد کروں تاکہ آپ میرے لئے دعا کریں۔ اب میں نے چار سیٹیں آپ کو دلادی ہیں۔ اس بزرگ سے کہیں کہ میرے لئے دعا کریں۔ فقیر نے اس کی ہدایت کے لئے دعا کی اور زندگی کی مشکلات آسان ہونے کی دعا کی۔ اس نے فقیر کو عقیدت سے سلام کیا۔ اتنے میں گاڑی نے پہلی سیٹی بجائی۔ مولانا عبداللہ نے کہا کہ حضرت! آپ گاڑی پر چلے جائیں، ہم بعد میں آجائیں گے۔ فقیر نے کہا، مولانا! مجھے تو بعد میں بھی سیٹ مل جائے گی، آپ لوگ جائیں۔ اگر مجھے رخصت کیا تو ہو سکتا ہے کہ آپ کو کل تک سیٹ نہ ملے۔ راویل

تاج الدین نے کہا کہ حضرت! آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ چنانچہ ہم نے چار احباب کو گاڑی پر بٹھا دیا۔ فقیر، مولانا عبداللہ اور راویل تاج الدین پیچھے رہ گئے کہ دوسری گاڑی پر آجائیں گے۔ گاڑی نے دوسری سیٹی بجائی تو ہمارے دوست بھی سوار ہو چکے تھے اور وہ روسی لڑکی بھی دروازے پہ کھڑی فقیر کو ٹکٹکی باندھ کے دیکھ رہی تھی۔ جب تیسری سیٹی بجی تو گاڑی نے چلنا شروع کر دیا۔ راویل نے بتایا کہ وہ لڑکی بہت دور تک ہاتھ ہلا ہلا کر سلام کرتی رہی۔ فقیر نے پوچھا کہ راویل تاج الدین! کیا آپ کے ساتھ بھی کبھی ایسا ہوا ہے کہ ناواقف غیر مسلم نے آپ کے کام میں مدد کی ہو؟ اس نے کہا، نہیں۔ فقیر نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت ہے کہ موقع محل کے مطابق کام کرنے والے مل جاتے ہیں۔

ہے عیاں آج بھی یورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

دو گھنٹے کے بعد دوسری گاڑی آئی۔ راویل نے بھاگ کر کنڈکٹر گارڈ سے کہا کہ ہمیں تین سیٹوں کی ضرورت ہے اس نے کہا کہ میرے پاس نہیں ہیں۔ فقیر نے کہا کہ مجھے آج ضرور جانا ہے آپ سیٹیں دیکھیں پھر جواب دیں۔ اتنے میں ڈبے کے اندر سے دو عورتیں باہر نکلیں اور کہنے لگیں کہ ہم نیچے اتر رہی ہیں۔ راویل نے کہا کہ دو سیٹیں تو مل گئیں تیسری کا کیا بنے گا؟ اس نے پوچھا کہ تیسرا کون؟ راویل نے فقیر کی طرف اشارہ کیا۔ کنڈکٹر گارڈ تھوڑی دیر فقیر کی طرف دیکھتی رہی پھر کہنے لگی کہ ان کو میں اپنے کمرے میں سلا دوں گی۔ ہم لوگ گاڑی پر سوار ہوئے۔ کنڈکٹر گارڈ نے فقیر کو اپنے بستر پر سلا دیا اور خود کرسی پر بیٹھ کر رات گزار دی۔ اگلے دن 10 بجے ماسکو پہنچے۔ جب پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ ہم سے پہلے چلی ہوئی گاڑی راستے میں جگہ جگہ رکنے کی وجہ سے دیر سے آئے گی اور 10 منٹ کے بعد اسی پلیٹ فارم پر پہنچے گی۔ ہم تینوں نے اپنا

سامان ایک جگہ رکھا اور دوسری گاڑی کے انتظار میں کھڑے ہو گئے۔ جب گاڑی آئی اور ابراہیم ادھم وغیرہ نے ہمیں پلیٹ فارم پر کھڑے دیکھا تو حیران رہ گئے اور پوچھنے لگے کہ حضرت! کیا آپ ہوائی جہاز سے آئے ہیں؟ فقیر نے کہا نہیں آئے تو گاڑی میں ہی ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے جلدی پہنچا دیا۔ سب نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جس نے تھوڑے وقت میں اتنا لمبا سفر طے کرنا ہمارے لئے آسان بنا دیا۔ **الحمدللہ علی ذلک**

ماسکو میں ٹرانزٹ:

خرکوف سے واپسی پر دن کے نو بجے ماسکو ریلوے اسٹیشن پر پہنچے۔ فقیر نے مولانا عبداللہ سے کہا کہ ہم نے تاتارستان کے دورے پر آج رات کو روانہ ہونا ہے بہتر ہے کہ تاریخی مسجد میں جانے سے پہلے ہم اپنی ٹکٹیں یہاں سے خرید لیں۔ چنانچہ مولانا عبداللہ اور روایل تاج الدین اس کام کے لئے چلے گئے۔ فقیر باقی احباب سمیت ایک کونے میں سامان کے قریب کھڑا ہو گیا۔ دو روسی نژاد لڑکیاں ہمارے قریب آکر کھڑی ہو گئیں۔ فقیر نے اپنی آنکھیں بند کر کے کھڑے کھڑے مراقبہ کرنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد امیر تیمور کے کھل کھلا کر ہنسنے کی آواز آئی تو فقیر نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔ پوچھا کہ کیا ہوا؟ تو امیر تیمور نے ان لڑکیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ دونوں پہلے آپ کو دیکھتی رہی ہیں، ایک دوسرے سے کھسر پھسر کرتی رہی ہیں، پھر ان میں سے ایک نے کہا ہے کہ یہ شخص کتنا حسین ہے؟ اس میں کتنی کشش ہے، اسے کہیں کہ ہم دو میں سے ایک سے شادی کر لے۔ فقیر نے جواب دیا کہ ان دونوں سے کہو کہ اصل کشش اسلام میں ہے، دین متین ہے، میرے محبوب ﷺ کی پیاری سنتوں میں ہے، آپ دونوں کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جائیں تو آپ سے پروردگار

عالم محبت کرنے لگ جائیں گے۔ آپ کی زندگی میں برکت ہی برکت ہو گی۔ ان دونوں نے جواب دیا کہ ہم نے دین اسلام کے بارے میں پہلی دفعہ سنا ہے۔ فقیر نے کہا کہ آپ دونوں تاریخی مسجد کے امام صاحب سے رابطہ کر کے اسلام کے بارے میں مزید معلومات حاصل کریں۔ وہ کہنے لگیں کہ ہم دل سے متاثر ہوئی ہیں اور مسلمان بننے کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ فقیر نے کہا کہ پھر کلمہ شہادت پڑھ لو۔ انہوں نے کہا پڑھادو۔ فقیر نے کلمہ شہادت پڑھایا ہی تھا کہ ریل گاڑی نے سیٹی بجائی۔ وہ دونوں کہنے لگیں کہ ہماری گاڑی چند لمحوں میں چل پڑے گی۔ ہم امام صاحب سے رابطہ کریں گی مگر آپ سے رابطہ کیسے ہو گا؟ فقیر نے روایل تاج الدین کی طرف اشارہ کیا کہ ان کا فون نمبر لے لو یہ ماسکو ہی میں رہتے ہیں۔ امیر تیمور نے جلدی سے ایک کاغذ پر فون نمبر لکھ دیا اور وہ دونوں لڑکیاں بھاگتی ہوئی دوسرے پلیٹ فارم پر چلی گئیں۔ امیر تیمور فقیر کے قریب آکر کہنے لگے کہ حضرت! اس قدر خوبصورت دوشیزاؤں کے پیچھے تو یہاں کے نوجوان دیوانے بنے پھرتے ہیں۔ عجیب بات یہ دیکھنے میں آئی کہ یہ آپ کے قدموں میں گرتی پھر رہی تھیں۔ فقیر نے کہا کہ ایک شعر سنو اور اس کا روسی زبان میں ترجمہ کر کے باقی لوگوں کو سنا دینا۔

و دکانی ہاں تیڈے نام پچھوں
ئیں تے کون کینی نوں جاندا ہائی
میڈے گل پٹہ تیڈے نام والا
تیڈے نام کوں جگ سنجاندا ہائی

مولانا عبداللہ اور راویل تاج الدین کے آنے پر ہم لوگ تاریخی مسجد میں آگئے۔

امیر تیمور نے چسکے لے لے کر ان کو دو لڑکیوں کا واقعہ سنایا۔

ابراہیم ادھم نے واقعہ سنایا کہ جب ہم لوگ لینن گراڈ میں زار روس کا عجائب گھر

دیکھ رہے تھے تو ایک عورت نے مجھ سے آکر پوچھا کہ یہ آدمی کسی ملک کا بادشاہ معلوم ہوتا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ ہاں یہ روحانی دنیا کا بادشاہ ہے۔ اس کے خاوند نے کہا کہ اس کی حفاظت کے لئے اس کے ساتھ کون ہے ؟ میں نے جواب دیا کہ ہم چھ بندے ہیں۔ کہنے لگا پھر ٹھیک ہے۔ ایسے لوگ ہمارے ملک کے لئے تحفہ ہیں ان کی قدر کرنی چاہئے۔

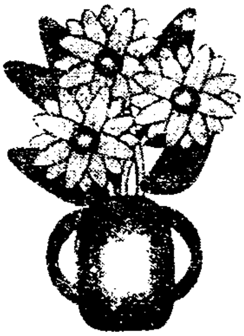

باب 8

تاتارستان کا سفر

رات دس بجے ماسکو سے ریل گاڑی کے ذریعے گورکی کا سفر شروع ہوا۔ رشیا کے اس علاقے میں تاتار نسل کے لوگ اکثریت سے آباد ہیں۔ یہ علاقہ کسی دور میں اسلامی تعلیمات کا مرکز رہا ہے لیکن سرخ انقلاب نے اکثر نوجوانوں کو دہریہ بنادیا ہے اور خواہشات کا غلام بنا کر دین سے دور کر دیا ہے۔ تاتارستان کا پہلا بڑا شہر گورکی ہے۔ لہٰذا دس گھنٹے کے سفر کے بعد منزل مقصود پر پہنچے۔

گورکی کا سفر :

جب ریل گاڑی سے نیچے اترے تو آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ کیا کریں ؟ اس شہر میں کوئی آدمی بھی ہمارا واقف نہیں تھا۔ راویل تاج الدین اور مولانا عبد اللہ فقیر کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ فقیر نے پوچھا کہ بتائیں ہم کس کے مہمان ہیں ؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ کے۔ فقیر نے پوچھا کہ بتائیں اللہ تعالیٰ کے گھر کو کیا کہتے ہیں ؟ انہوں نے کہا مسجد۔ فقیر نے کہا کہ پھر ہمیں بغیر کسی جھجک اور ہچکچاہٹ کے مسجد میں جانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہماری میزبانی فرمائیں گے۔ یہ بات سب احباب کے دل کو لگی اور ہم سب خوشی خوشی مسجد جانے کے لئے تیار ہوئے۔ مولانا عبد اللہ نے کہا کہ حضرت! ہمیں مسجد کا پتہ بھی تو نہیں ہے۔ فقیر نے کہا کوئی بات نہیں۔ آپ

جا کر چند ایک ٹیکسی ڈرائیوروں سے معلوم کریں۔ کوئی نہ کوئی ہمیں ضرور مسجد تک پہنچادے گا۔ چند منٹ میں راویل تاج الدین نے ایساڈرائیور ڈھونڈ لیا جس نے آدھے گھنٹے میں ہمیں ایک عظیم الشان مسجد کے دروازے پر اتار دیا۔ ابراہیم ادھم جلدی سے سامان اٹھا کر مسجد کے دروازے پر پہنچے تو دروازے کو مقفل پایا۔ اب پھر سب لوگوں نے فقیر کی طرف دیکھنا شروع کیا۔ فقیر نے کہا کہ دیکھیں یوں تصور کریں کہ ہم ایک شہنشاہ کے محل کے دروازے پر کھڑے ہوئے بھکاریوں کی مانند ہیں ہم صدا لگائیں یعنی دل ہی دل میں دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ مسجد کھلنے کا بندوبست کروادیں گے۔ گورکی کا شہر ساحل سمندر پر واقع ہے۔ یہاں اس قدر ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی کہ چند منٹ باہر کھڑے ہونے سے دانت بجنے لگے۔ سائبیریا سے آئی ہوئی یخ بستہ ہوا سینوں سے پار ہو رہی تھی۔ چند لمحوں کے بعد ایک آدمی مسجد کے اندر سے دروازے پر آیا اور پوچھنے لگا کہ آپ کون ہیں؟ اور کیا چاہتے ہیں؟ مولانا عبداللہ نے بتایا کہ ہم کازان جارہے تھے۔ چند گھنٹوں کے لئے یہاں اترے ہیں تاکہ مسلمان بھائیوں سے ملاقات ہو جائے۔ اس نے دروازہ کھول کر کہا کہ آپ اندر تشریف لائیں۔ ہم لوگ جس وقت مسجد کے اندر داخل ہوئے تو کمرے کی گرم فضا میں ہمیں ایسے سکون ملا جیسے کہ مچھلی کو پانی میں ملتا ہے۔ تھوڑی دیر گفت و شنید کے بعد ہم سب لوگ سو گئے اور دن کے بارہ بجے جاگے۔ وضو کر کے فارغ ہوئے تو مسجد کے امام خطیب مولانا محمد عمر تشریف لائے۔ انہوں نے مدرسہ میر عرب بخارا سے دورہ حدیث کیا تھا۔ لہٰذا ازبکستان کے علماء صلحاء کے ناموں سے واقف تھے۔ جب مولانا عبداللہ نے بتایا کہ مفتی اعظم سمرقند، مفتی اعظم نمنگان، مفتی اعظم قوقان اور مفتی اعظم جمبول وغیرھم بیعت ہو چکے ہیں تو مولانا نے بے اختیار کہا کہ حضرت! پھر تو ہمیں بھی بیعت فرمالیں۔ فقیر نے کہا کہ ظہر کی نماز کے بعد تھوڑی دیر بیان کریں گے اور بیعت کے کلمات بھی پڑھائیں گے۔ مولانا محمد عمر نوجوان عالم دین تھے اور دل کا نور ان کے چہرے سے نظر آرہا تھا۔ چند منٹ کے

تعارف کے بعد وہ اپنے گھر گئے اور تازہ پکا ہوا گرم گرم کھانا اٹھا کر لے آئے۔ ہم لوگ کھانے پر اس طرح ٹوٹ پڑے جیسے کوئی مجاہد دشمن پر ٹوٹ پڑتا ہے۔ کھانے سے فراغت پر مسجد میں اذان ہوئی۔ مولانا محمد عمر نے بتایا کہ یہ مسجد 1905ء میں بنی تھی اس کا منارہ بہت خوبصورت اور بلند وبالا تھا۔ کیمونسٹوں نے اس مینار کو گرادیا اور مسجد کو گودام میں بدل دیا۔ اب آزادی ملنے کے بعد از سر نو مینارے کی تعمیر کی گئی ہے اور مسجد کو پانچ وقت کی نماز کے لئے کھول دیا گیا ہے۔ مولانا محمد عمر مسجد کی ملحقہ زمین میں بچوں کی دینی تعلیم کے لئے مدرسہ کھولنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ ظہر کی نماز کے بعد فقیر نے اشاعت دین کی اہمیت اور مدارس عربیہ کے قیام کے عنوان پر بیان کیا۔ مولانا کی حالت دیدنی تھی خوشی کے مارے ان کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ نمازی حضرات بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ بیان کے بعد مولانا محمد عمر نے ہی اعلان کیا کہ جو لوگ بیعت ہونا چاہتے ہیں وہ اس کپڑے کو پکڑلیں۔ چنانچہ مسجد کے تمام نمازیوں نے اور مولانا محمد عمر نے بیعت کی۔ فقیر نے مولانا عبداللہ کے ذمے لگایا کہ وہ چھ معمولات کی تفصیل بتادیں۔ مولانا عبداللہ نے جب اپنی بات مکمل کی تو مقامی لوگوں میں سے ایک تاتار نے ابراہیم ادھم سے پوچھا کہ تم روسی النسل نظر آتے ہو۔ اس نے کہا ہاں میں بھی حضرت کا ادنیٰ مرید ہوں۔ اس شخص نے فرمائش کی کہ آپ ہمیں اپنی بیعت اور شیخ سے ملاقات کا واقعہ تفصیل سے سنائیں۔ چنانچہ ابراہیم ادھم نے فقیر سے ملاقات اور سفر کے واقعات کو اتنے دلچسپ پیرائے میں سنایا کہ حاضرین جھوم اٹھے۔ محفل کے اختتام پر سب نمازیوں نے ابراہیم ادھم کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ فقیر کے متعلق ان کا یہ گمان تھا کہ اولیائے نقشبند کا یہ سچا نمائندہ ہے جس کے ہاتھ پر روسی النسل لوگ بھی اسلام قبول کررہے ہیں۔

ابراہیم ادھم نے جب بتایا کہ میری ملاقات کی ابتداء اس وقت ہوئی جب حضرت صاحب کریملین کی عمارت کے سامنے بیٹھے ارباب اقتدار کے دلوں پر توجہ ڈال رہے

تھے تو مولانا محمد عمر اس بات کو سن کر تڑپ اٹھے اور انہوں نے فرمائش ظاہر کی کہ آپ کو میں اپنی کار میں شہر لے چلتا ہوں۔ آپ ہمارے مقامی حکام کے دلوں پر توجہ ڈالتے جائیں۔ ہمیں اسٹیشن پہنچنے میں تین گھنٹے باقی تھے۔ لہٰذا ہم مولانا کے ساتھ شہر چلے گئے۔ مولانا نے بتایا کہ گورکی شہر میں اسلحہ ساز فیکٹریوں کی بہتات ہے۔ یہاں پر توپ، ٹینک اور ہوائی جہاز بنانے کے کارخانے موجود ہیں۔ تاتار لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ گورکی میں پیسے بنتے ہیں اور ماسکو لینن گراڈ میں خرچ ہوتے ہیں۔ فقیر نے اسلحہ سازی کا ایک عجائب گھر بھی دیکھا۔ گورکی کا شہر نہایت خوبصورت اور صاف ستھرا ہے۔ اس شہر کا حاکم یہودی تھا مگر اس شہر میں عیسائیوں کی مشنریاں خوب کام کر رہی تھیں۔

مولانا عبداللہ نے مشورہ دیا کہ ہم لوگ شہر میں آ ہی چکے ہیں لہٰذا رات کے سفر کا کھانا یہاں سے خرید لینا چاہیے۔ فقیر نے مولانا عبداللہ اور مولانا عمر کو اس مقصد کے لئے بھیجا۔ چند لمحوں میں راہگیروں نے فقیر کے گرد مجمع لگا لیا۔ ایک عورت نے ابراہیم ادھم سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ اس نے بتایا کہ ہمارے شیخ ہیں۔ عورت نے کہا کہ میرے ذہن میں کچھ سوالات ہیں میں اس کا جواب معلوم کرنا چاہتی ہوں۔ فقیر نے کہا کہ بہت اچھی بات ہے۔ عورت نے کہا کہ مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ موجود ہیں اور حضرت محمد ﷺ قبر میں مدفون ہیں تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام افضل ہیں۔ فقیر نے کہا کہ دو باتیں ذہن نشین کر لو۔ پہلی یہ کہ ہمیشہ اوپر والی چیزیں افضل نہیں ہوتیں۔ کتنے پرندے درختوں پر بیٹھے ہوتے ہیں۔ حالانکہ انسان ان سے افضل ہوتا ہے۔ مزید برآں سمندر کی سطح پر جھاگ ہوتی ہے اور نیچے ہیرے اور موتی ہوتے ہیں۔ لہٰذا آسمانوں پر ہونا فضیلت کی دلیل نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ عیسائی تو کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھا دیا گیا تھا۔ یہ تو مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ وہ

زندہ آسمانوں پر اٹھالئے گئے۔ اگر آپ مسلمانوں کی یہ بات مانتی ہیں تو یہ بات بھی مان لیجئے کہ وہ قرب قیامت میں نازل ہوں گے اور ہمارے پیغمبر ﷺ کے امتی بن کر زندگی گزاریں گے۔ اس بات پر وہ عورت لاجواب ہوگئی اور کہنے لگی کہ آپ نے مجھے مطمئن کردیا ہے۔

واپسی پر مولانا عمر ہمیں مسجد کے مینارے کے اوپر لے گئے۔ ہم نے پورے شہر کا نظارہ دیکھا۔ شہر کے ساتھ ہی ایک دریا بہہ رہا تھا۔ مولانا عمر نے بتایا کہ سردیوں میں اس دریا کے پانی پر برف جم جاتی ہے۔ چنانچہ اس دریا میں سکیٹنگ وغیرہ کے لئے مخصوص جگہیں بنی ہوئی ہیں۔ سیاح حضرات دور سے آکر ان جگہوں پر سکیٹنگ کرتے ہیں۔ مغرب کی نماز کے بعد ہماری گاڑی نے روانہ ہونا تھا۔ چنانچہ ہم لوگ عصر کی نماز کے بعد سامان لے کر ریلوے اسٹیشن پر آگئے۔

کاذان میں قیام :

مغرب کی نماز پلیٹ فارم پر باجماعت پڑھی تو لوگ بڑے غور سے ہمیں دیکھنے لگ گئے۔ مقررہ وقت پر ہم لوگ گاڑی پر سوار ہوئے۔ ابراہیم ادھم ٹھنڈا پانی لینے کے لئے کمرہ سے باہر گیا تو بڑی دیر کے بعد واپس آیا۔ پوچھنے پر اس نے بتایا کہ ایک آدمی یہودی مذہب سے تعلق رکھنے والا میرے پاس آیا اور پوچھنے لگا کہ تمہارے ساتھ یہ عصاوالا آدمی کون ہے؟ میں نے بتایا کہ میرے شیخ ہیں۔ اس نے کہا کہ آپ ان کے ساتھ کیوں ہیں؟ میں نے بتایا کہ میں ان کا ترجمان ہوں۔ یہودی کہنے لگا کہ ہم اور آپ روسی نسل کے لوگ ہیں یہ مسلمان یہاں آکر اپنے دین کی اشاعت کر رہے ہیں۔ آپ کو چاہئے کہ انہیں غلط مشورے دیکر ان کا وقت اور مال ضائع کریں۔ میں نے بحث مباحثہ کرنے سے پرہیز کیا اور چپ چاپ واپس چلا آیا۔ فقیر نے بتایا کہ مسلمانوں کے بڑے دشمن یہود اور ہنود ہی ہیں۔ پھر قرآن مجید کی آیت پڑھی۔

اشد الناس عداوۃ للذین آمنوا الیھود والذین اشرکوا

(ایمان والوں سے دشمنی کرنے میں سب سے زیادہ سخت یہودی اور مشرکین ہیں)

ابراہیم ادھم نے پوچھا کہ حضرت کوئی ایسی صورت ہو سکتی ہے کہ ہم ان کے ساتھ مل کے رہ سکیں۔ فقیر نے کہا ہاں یہ اس وقت ممکن ہے جب کہ ہم ان کی پیروی کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

ولن ترضی عنك اليهود ولا النصاری حتی تتبع ملتهم

(یہودی اور نصرانی تجھ سے ہرگز راضی نہیں ہو سکتے جب تک تو انکی ملت کے تابع نہ ہو جائے)

مولانا عبداللہ نے کہا کہ حضرت اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے۔

کاذان کا شہر ماضی بعید میں اسلام کا بڑا مرکز رہا ہے۔ اس شہر میں اتنے علماء کرام رہتے تھے کہ ایک سال میں اسلام کے بارے میں تیس ہزار نئی کتابیں چھاپی جاتی تھیں۔ اسی شہر کے ایک عالم حمزہ بے نے لینن گراڈ میں قرآن مجید کو چھاپے خانے پر تیار کیا۔ یہاں کے لوگ طبعاً بڑے دیندار ہیں اور انہیں اپنے تاتار ہونے کا بڑا فخر ہے۔

اس شہر میں ترکی کے علماء بہت بڑی تعداد میں مساجد و مدارس بنا رہے ہیں، سعودی عرب کی طرف سے بھی بے تحاشہ مالی امداد ہو رہی ہے۔ ہم لوگ یہاں کی مرکزی مسجد میں پہنچے تو امام خطیب صاحب سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے بڑی اجنبیت کا مظاہرہ کیا۔ شاید وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ ہم لوگ بدعات پھیلانے کے لئے وہاں پہنچے ہیں۔ مولانا عبداللہ کے کہنے پر خطیب صاحب نے کہا صرف پندرہ منٹ بیان کرنے کی اجازت ہے۔ بیان کا ترجمہ بھی میں خود کروں گا۔ جب بیان مکمل ہوا تو لوگ اٹھ کر چلے گئے۔ فقیر حیران تھا کہ پورے سفر میں یہ پہلا موقع ہے کہ کوئی آدمی بھی سلسلے میں داخل نہیں ہوا۔ خطیب صاحب نے فقیر سے مصافحہ کیا اور چلے گئے۔

مولانا عبداللہ نے فقیر کے قریب آکر بتایا کہ ترجمانی کرنے کے دوران خطیب صاحب نے اپنی طرف سے کہہ دیا تھا کہ بیعت کرنی ضروری نہیں ہے اگر کرنی بھی ہو تو اپنے دیس کے مشائخ سے کرنی چاہئے۔ پردیسی تو آج آئے کل گئے۔ اسی لئے لوگ دعا کے بعد چلے گئے۔ فقیر نے کہا مولانا! اگر اللہ تعالیٰ کو سلسلے کی اشاعت منظور ہوئی ہے تو کوئی آدمی راستہ روک نہیں سکتا۔ ابھی ہم لوگ یہی باتیں کر رہے تھے کہ ایک نوجوان آیا اور اس نے مولانا عبداللہ کو بتایا کہ میں یہاں کے مدرسے کا طالبعلم ہوں۔ ہم پانچ طلباء اس شیخ سے بیعت ہونا چاہتے ہیں۔ سیڑھیوں والے کمرے میں منتظر ہیں۔ چنانچہ طلباء کے کمرے میں جاکر انہیں بیعت کیا۔

ستم بالائے ستم :

مغرب کی نماز کے بعد ہم لوگوں نے اوفا جانا تھا۔ کئی لوگوں سے دریافت کیا کہ اوفا کیسے جاتے ہیں؟ سب نے کہا کہ ہوائی جہاز کے ذریعے۔ پوچھا کہ ریل گاڑی کے ذریعے جا سکتے ہیں؟ جواب ملتا کہ ہمیں معلوم نہیں۔ فقیر کے پاس روس کا نقشہ تھا جب اس پر کازان اور اوفا کے شہروں کو دیکھتا تو پتہ چلتا کہ قریب قریب ہیں لیکن جب لوگوں سے پوچھتا تو محسوس ہوتا کہ یہ ایک دوسرے سے بہت دور ہیں۔ فقیر نے مولانا عبداللہ سے کہا کہ ہم لوگ بس اسٹیشن پر جاتے ہیں وہاں سے ہمیں مزید معلومات حاصل ہو جائیں گی۔ ہم لوگ ٹیکسی کے ذریعے بس اسٹینڈ پر پہنچے۔ فقیر نے وہاں کے مینجر کے کمرے میں جاکر معلوم کیا کہ ہمیں اوفا جانا ہے کیسے جائیں؟ اس نے جواب دیا کہ ہوائی جہاز کے ذریعے۔ فقیر نے پوچھا کوئی اور طریقہ وہاں جانے کا؟ اس نے کہا مجھے معاف کیجئے کہ میرے علم میں کوئی اور طریقہ نہیں ہے۔ فقیر نے کہا کہ مجھے آپ ریلوے لائن کا نقشہ دیں۔ اس نے ایک فائل میں سے نکال کر دیا۔ جب دیکھا تو پتہ چلا کہ شہر تو اتنے قریب ہیں کہ دونوں کا درمیانی فاصلہ تین سو کلو میٹر ہے لیکن کیمونسٹ ذہن نے سوچا کہ اگر ان دونوں شہروں کے لوگ ایک دوسرے سے

آسانی سے ملتے رہیں گے تو اپنی روش پر قائم رہیں گے۔ ان کی قوت توڑنے کے لئے ان کو ایک دوسرے سے دور کر دو۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے دونوں شہروں کے درمیان نہ تو کوئی سڑک بنائی نہ ہی ریلوے لائن بچھائی۔ ہوائی جہاز سے آنا جانا ہر بندے کے بس کی بات نہیں۔ چنانچہ ستر سال کے دوران دونوں شہروں کے لوگ ایک دوسرے سے دور ہو گئے۔ فقیر نے ریلوے لائن کے نقشے کو سامنے رکھ کر دیکھا تو حساب لگایا کہ اگر ہم ریل گاڑی کے ذریعے جائیں تو کیا ممکن ہے۔ پتہ چلا کہ دو گاڑیاں راستے میں بدل کر اوفا جا سکتے ہیں۔ چنانچہ ایک ہزار کلو میٹر کا لمبا سفر کر کے ہم لوگ تین سو کلو میٹر دور شہر میں پہنچ گئے۔

اوفا کا قیام :

اوفا کا خوبصورت شہر تاتارستان کا دارالخلافہ ہے۔ اس کے قرب وجوار میں اتنے خوبصورت مناظر دیکھنے میں آئے کہ بے اختیار زبان پر یہ آیت آئی

فتبارك الله احسن الخالقين

(پس برکت والا اللہ بہترین خالق ہے)

حدیث پاک میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام کو سرسبز و شاداب اور ندی نالے کی جگہیں بہت پسند تھیں۔ پھولوں میں سے گلاب کا پھول بہت پسند تھا۔ اسی وجہ سے حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کو بھی گلاب کے پھول سے بہت محبت تھی۔ دارالعلوم دیوبند کے چمن میں اس پھول کو بڑی چاہت سے لگایا جاتا تھا۔ ایک درخت کیکر کا بھی لگوایا گیا۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ بیعت رضوان جس درخت کے نیچے لی گئی تھی وہ کیکر کا تھا۔ اسی بناء پر حصول برکت کے لئے اسے دارالعلوم دیوبند میں لگایا گیا ہے۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ فارسی زبان میں گلاب کو گل سرخ، ہندی زبان میں گلاب کا پھول، انگریزی زبان میں روز، سنسکرت میں ستاپتری اور عربی زبان میں ورد احمر کہا جاتا ہے۔ تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا پودا حضرت آدم علیہ

السلام کے نزول سے پہلے ہی اس دنیا میں موجود تھا۔ امریکہ میں ایک دریا کی پرانی گزرگاہ کی کھدائی کے دوران گلاب برآمد ہوا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق یہ ساڑھے تین کروڑ سال پہلے کا گلاب ہے۔ یونانی دیومالا سے پتہ چلتا ہے کہ اس پھول کے بغیر وہ لوگ عبادت بھی نہیں کرتے تھے۔ خصوصاً وینس کے چرنوں میں گلاب ضرور چڑھایا جاتا تھا۔ رومن بادشاہ سب سے بہادر جرنیل کو گلاب کا پھول بطور تحفہ دیا کرتے تھے۔

مارک انطونی نے خودکشی کرنے سے پہلے قلوپطرہ کو وصیت کی تھی کہ اس کی قبر گل سرخ سے ڈھانپ دی جائے۔ جب قلوپطرہ نے مارک انطونی کو پہلے پہل اپنے محل میں دعوت دی تھی تو تمام راستوں کو گلاب کی پنکھڑیوں سے سجادیا تھا۔ محل کے جس کمرے میں دعوت کا انتظام تھا وہاں گھٹنے گھٹنے تک گلاب کی پتیوں کا فرش تھا۔ معروف ایرانی شاعر عمر خیام بھی گلاب کا شیدائی تھا۔ عمر خیام کی رباعیات کو انگریزی کے قالب میں ڈھالنے والے مشہور مترجم ایڈورڈ فٹز جیرالڈ کا 1883ء میں جب انتقال ہوا تو اس کی قبر پر عمر خیام کے مزار سے گلاب کی قلم خاص طور پر منگوا کر بطور عقیدت لگائی گئی۔ شیکسپیئر نے کئی جگہ پر اس پھول کی تعریف کی ہے۔ خلیفہ مامون الرشید کو نارستان سے جو خراج ملتا تھا اس میں عرق گلاب کی تین ہزار بوتلیں بھی شامل تھیں۔ بابر بادشاہ نے افغانستان کے مشہور باغ ''باغ وفا'' میں گلاب کے دس ہزار پودے لگوائے تھے۔ بابر نے بیٹیوں کے نام بھی گل بدن، گل چہرہ، گل رنگ وغیرہ رکھے۔ نور جہاں گلاب کی شیدائی تھی۔ گلاب کا عطر سب سے پہلے لاہور میں تیار کیا گیا۔ پاکستان میں چوآسیدن شاہ کے گلاب مشہور ہیں۔ بھارت میں اکبر آبادی گلاب مشہور ہے۔ بعض لوگ پھول کے نام پر نام رکھتے ہیں جیسے مہاراجہ گلاب سنگھ، گلاب دین، گلاب رائے۔ لاہور میں ایک ہسپتال گلاب دیوی کے نام سے آج بھی مشہور ہے۔ یہ سب باتیں تاریخ کا حصہ سہی مگر ایک مسلمان کو تو گلاب کا پھول اس

لئے پسند ہوتا ہے کہ ہمارے آقا و سردار علیہ السلام کو پسند تھا۔

جب مرکزی مسجد میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ مفتی اعظم تاتارستان کا سیکرٹیریٹ بھی یہیں واقع ہے مگر وہ کسی کام کے سلسلے میں شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ ان کے نائب مفتی سے فقیر کی ملاقات ہوئی۔ نائب مفتی صاحب نے فقیر کو دعوت دی کہ نماز جمعہ کا خطبہ دیں۔ فقیر نے حامی بھر لی۔ چنانچہ مولانا عبداللہ نے ترجمانی کی۔ حاضرین مسجد نے دل کھول کر اپنی دلی مسرت کا اظہار کیا۔ فقیر کے پورے سفر میں اتنے نعرے کہیں بھی نہیں لگائے گئے تھے۔ فقیر کو عجیب لگ رہا تھا۔ نماز کے بعد مولانا عبداللہ نے کہا حضرت! آج کا بیان تاریخی نوعیت کا تھا۔ اہل اوفا اسے مدتوں تک یاد کریں گے۔ آپ نے ان لوگوں کو بغیر دام کے خرید لیا ہے۔ لوگ کثرت سے بیعت ہوئے اور فقیر کو چوم چوم کر اور سینے سے لگا لگا کر ادھ موا کر دیا۔

بوڑھی عورت کا اظہار محبت :

نماز جمعہ کے بعد راویل تاج الدین نے یاد دلایا کہ ہمیں کل کے سفر کے لئے ہوائی جہاز کے ذریعے اوفا سے تاشقند جانا ہے۔ لہذا آج ہی ٹکٹیں خرید لینی چاہئیں۔ کھانے سے فراغت پر ہم چار آدمی ائر پورٹ پر گئے۔ راویل تاج الدین کا خیال تھا کہ فقیر کی ٹکٹ ڈالر میں بہت مہنگی بنے گی جب کہ باقی ٹکٹیں کم قیمت میں بنیں گی۔ مگر ٹکٹ بنانے والی عورت نے سب لوگوں کی ٹکٹیں روبل میں بنا دیں۔ جب فقیر نے اس عورت سے پوچھا تو اس نے کہا کہ دستور تو یہی ہے کہ غیر ملکی کی ٹکٹ ڈالر میں بنتی ہے جو مقامی لوگوں کی ٹکٹ سے دو سو گنا مہنگی ہوتی ہے۔ مگر میں چونکہ آپ کی ٹکٹ بنا چکی ہوں لہذا آپ اسی پر سفر کیجئے۔ اسٹیشن منیجر میرے دوست ہیں۔ میں اس سے خصوصی رعایت حاصل کر لوں گی۔ فقیر نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ جب حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ یہ بچت اتنی ہی تھی جتنی رقم رشیا کے مختلف شہروں کے سفر کرنے میں لگی تھی۔

ہم چار آدمی آپس میں کھڑے باتیں کر رہے تھے کہ ایک بوڑھی عورت ہمارے قریب آکر کھڑی ہوگئی۔ مولانا عبداللہ نے پوچھا کیا کہنا چاہتی ہیں؟ تو اس نے کہا کہ تم چار ہو اور میں پانچویں ہوں۔ سب لوگ بے ساختہ ہنس پڑے۔ راویل تاج الدین نے کہا کہ اس عورت نے بڑے پیارے الفاظ میں اپنی محبت کا اظہار کیا ہے۔ فقیر نے کہا کہ اس کے لئے ہدایت کی دعا کرنا ہمارے لئے ضروری ہو گیا ہے۔ کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو مسلمان بنا دے اور قیامت کے دن ایمان والوں کی صف میں شامل فرمادے۔

اکھیوں کے جھروکوں سے :

واپسی پر فقیر نے احباب کے لطائف تازہ کئے۔ امیر تیمور کا قلب جاری ہو چکا تھا۔ اس کا معمول روزانہ پانچ گھنٹے مراقبہ کرنے کا تھا۔ راویل تاج الدین نے جمعہ کے دن عربی جبہ پہنا اور عمامہ باندھا تو بہت ہی زیادہ خوبصورت لگ رہا تھا۔ ابراہیم ادھم فقیر کے اندازے سے زیادہ ذہین نکلا۔ اسے سنت لباس سے اتنی محبت ہو گئی ہے کہ اب اس کا محبوب مشغلہ بن گیا ہے کہ لوگوں کے جسم سے انگریزی لباس اتروائے اور مسنون لباس پہنائے۔ دوران سفر کئی علمائے کرام اس کی باتیں سن کر سلسلہ عالیہ میں داخل ہوئے۔ ابو عثمان خاموش طبع ہے مگر وقوف قلبی کا خیال رکھنے میں دوسروں سے آگے نکل گیا ہے۔

ہفتے کے دن جب ہم لوگ ائرپورٹ پر پہنچے تو بورڈنگ کارڈ لے کر لاؤنج میں آگئے۔ تھوڑی دیر میں ایک ائرہوسٹس آئی اور فقیر کے ہاتھ چومنے لگی۔ فقیر جلدی سے پیچھے ہٹا اور راویل تاج الدین کو آواز دی کہ پوچھیں یہ محترمہ کیا چاہتی ہے؟ ائرہوسٹس نے کہا کہ میں اس شخص کے ہاتھوں کو بوسہ دینا چاہتی ہوں۔ راویل نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس نے کہا کہ میرے ماں باپ بہت نیک تھے مگر میں راستے سے بھٹک گئی۔ میں نے شراب و شباب کی زندگی کے مزے لوٹے۔ اس وقت میرے

والدین فوت ہو چکے ہیں۔ میں نے اس شیخ کو دیکھا ہے تو مجھے اپنے والد کی باتیں یاد آگئی ہیں۔ میں اپنی اکھیوں کے جھروکوں سے دیکھ رہی ہوں کہ جیسے وہ مجھے کہہ رہے ہیں کہ تو اس شیخ کی باندی بن جا اور ان کی نصیحت پر زندگی گزار لے۔ یہ کہہ کر لڑکی فقیر کے قدموں پر گر پڑی۔ فقیر پیچھے ہٹا اور وہ ائرہوسٹس سجدے کی حالت میں پڑی زارو قطار رو رہی تھی۔ ہم سب کے لئے یہ ایک عجیب صورتحال تھی۔ غیر محرم ہونے کی وجہ سے کوئی اسے اٹھا بھی نہیں سکتا تھا۔ کچھ دیر اسی حال میں گزری۔ فقیر نے راویل تاج الدین سے کہا کہ اسے کہو اٹھو اور شیخ کی باتیں سنو۔ چنانچہ اس نے سر اٹھایا۔ فقیر نے اسے قریب والی سیٹ پر بٹھا کر توبہ کے کلمات پڑھائے اور سلسلہ عالیہ میں داخل کیا۔ راویل نے اسے معمولات و وظائف کی تفصیل بتائی اور اس نے راویل سے کہا کہ اس شیخ سے کہیں کہ مجھے ایک چھوٹی سی تمنا پوری کرنے دے۔ فقیر نے پوچھا کونسی تمنا؟ اس نے کہا کہ میں ان کے جسم کو اگر نہیں چھو سکتی تو یہ مجھے اجازت دیں کہ میں ان کے کپڑوں کو چوم لوں اور اپنی آنکھوں سے لگالوں۔ میرے گناہ شاید اسی وجہ سے معاف ہو جائیں۔ مولانا عبداللہ نے کہا کہ حضرت! اس کی شرعاً اجازت ہے۔ اس لڑکی کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ آپ اسے منع نہ کریں۔ فقیر کو خاموش ہونا پڑا۔ اس لڑکی کی محبت و عقیدت کو دیکھ کر امیر تیمور نے اونچا اونچا رونا شروع کر دیا۔ سب حاضرین آبدیدہ ہو گئے۔ اسی دوران فلائٹ کی روانگی کا اعلان ہوا تو ہم لوگ پرنم آنکھوں کے ساتھ جہاز پر سوار ہوئے۔ اور تاشقند کے سیاحت ہوٹل میں پہنچ کر دم لیا۔

تین دن میں اگلے سفر کی تیاری مکمل کی اور بذریعہ ہوائی جہاز داغستان پہنچے۔

باب 9

کوہ قاف کے دیس میں

داغستان کا علاقہ روس کے زیر تسلط ان مجاہدین کا مسکن ہے جنہوں نے سرخ انقلاب کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور نئی تہذیب کے گندے انڈوں کو اپنے سے دور ہی رکھا۔ یہاں کا اکثر علاقہ خوبصورت سرسبز و شاداب پہاڑی علاقہ ہے۔ لوگ اس قدر خوبصورت ہیں کہ خدا کی پناہ۔ سرمگیں آنکھیں، کالے بال اور سرخ و سفید رنگت کے مہتابی چہرے دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاعر حضرات کے تخیلاتی محبوب یہاں بستے ہیں۔ یہاں کی عورتوں کو اسی حسن و جمال کی وجہ سے کوہ قاف کی پریاں کہا جاتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچے اس قدر نرم و نازک اور خوبصورت ہوتے ہیں کہ بے اختیار حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال یاد آجاتا ہے۔ یہ مزے کی بات ہے کہ ان لوگوں کا ظاہر جس قدر خوبصورت ہے ان کا باطن اس سے بھی زیادہ خوبصورت ہے۔ یہاں کے اکثر لوگ زراعت پیشہ ہیں۔ پھلوں کی بہتات نے کھانے پینے سے بے فکر کر دیا ہوا ہے۔ جانور چرانے سے دودھ اور گوشت کی کمی پوری ہو جاتی ہے۔ داغستان کی ہر بستی میں مسجد سے ملحقہ مدرسہ بھی ہوتا ہے۔ عوام الناس بھی روانی کے ساتھ

عربی زبان بولتے ہیں۔ علماء صلحاء کی کثرت ہے۔ ہر بچے کے لئے دینی تعلیم حاصل کرنا لازمی ہے۔ مغربی فحاشی اور بے حیائی سے ہزاروں میل دور یہ لوگ پرہیزگاری اور خدا خوفی کی زندگی گزارنے کے عادی ہیں۔

کفر ناچا جن کے آگے۔

روس میں جب سرخ انقلاب آیا اور سرخ آندھی لینن گراڈ سے چلتی ہوئی دریائے آمو کے کنارے تک پھیل گئی اس وقت داغستان کے علماء نے علم جہاد بلند کیا۔ نقشبندی مشائخ کی دعاؤں نے ان جہادی کوششوں میں رنگ بھر دیا۔ روسی فوج چالیس سال تک ٹکریں مارتی رہی مگر گوریلا جنگ میں کامیاب نہ ہو سکی۔ امام شامل ؒ کی زیر قیادت مسلمان مجاہدین نے جرأت و شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ تاریخ کا حصہ بن گئے۔ وسائل کی کمی اور بھوک پیاس کی شدت کے باوجود مجاہدین اپنی بات کے پکے اور من کے سچے ثابت ہوئے۔ روسی قیادت نے جنگ بند کرنے کا فیصلہ کیا اور کہا کہ آپ لوگوں کو باعزت اپنی جگہ پر رہنے دیا جائے گا۔ آپ اپنے دین پر عمل کرنے میں آزاد ہوں گے۔ حکمرانی بھی آپ کے اپنے لوگوں کی ہوگی۔ فقط تین باتیں مشترک ہوں گی۔

1 - فوج مرکز کی ہوگی۔

2 - کرنسی ایک ہوگی۔

3 - رابطے کے لئے روسی زبان اختیار کی جائے گی۔

کفر کے دانت کھٹے ہوئے اور وہاں کے مسلمان چاروں طرف سے کمیونسٹوں میں گھرنے کے باوجود دین اسلام پر کاربند رہے۔ آج کے دور میں اسے اسلام کا معجزہ ہی کہا جاسکتا ہے۔

اسلاف کی یادیں تازہ :

فقیر مولانا عبداللہ، ابراہیم ادھم اور راویل تاج الدین کے ہمراہ داغستان کے ہوائی اڈے پر اترا تو حضرت مولانا محمد رسولؒ کو استقبال کے لئے موجود پایا۔ جمعرات کا دن مقامی علماء کے ساتھ ملاقات کرنے میں گزر گیا۔ نماز جمعہ کے خطبہ کے لئے لوگوں کو پہلے سے اطلاع دی جاچکی تھی۔ فقیر نے عشق الٰہی پر بیان کیا جسے بہت زیادہ پسند کیا گیا۔ کثیر تعداد میں لوگ سلسلہ عالیہ میں داخل ہوئے۔ نماز جمعہ کے بعد کھانے سے فراغت ہوئی تو مولانا محمد رسول کی بستی جانے کے لئے رخت سفر باندھا۔

تین گھنٹے کا پہاڑی علاقے میں سفر بڑا پر لطف رہا۔ جگہ جگہ آبشاریں، مرغزاریں اور بل کھاتی ہوئی راہیں نظر آئیں۔ بستی پہاڑی وادی میں تھی۔ اور لوگوں کا رہن سہن پرانے وقت کے عربوں کی مانند تھا۔ حیات صحابہؓ کو پڑھ کر جو تصور بنتا ہے۔ مقامی لوگوں کی زندگی بالکل اس کے مطابق تھی۔ سو فیصد لوگ نماز کے پابند، ہر طرف شریعت و سنت کی پابندی، لوگ مقامی زبان کی بجائے عربی زبان میں گفتگو کرنا زیادہ پسند کرتے تھے۔ اکثر مکان وسیع و عریض تھے ہر گھر میں اونٹ اور بکریوں وغیرہ کے لئے اصطبل بنا ہوا تھا۔ گھوڑے گدھے کی سواری عام تھی۔ کھانے کے لئے پورے جانور کی کھال اتار کر اسے انگاروں پر بھون دیا جاتا۔ عورتوں میں مکمل پردہ داری والی زندگی تھی۔ اذان ہوتے ہی مسجد لوگوں سے بھر جاتی۔ ایسے لگتا کہ لوگ عید کی نماز پڑھنے کے لئے گھروں سے آرہے ہیں فضا میں خنکی، ہوا شفاف، ماحول میں خاموشی اور ہر طرف سنت لباس دیکھ کر ایسے محسوس ہوتا جیسے کسی خانقاہ میں بیٹھے ہوئے ہیں۔

مولانا محمد رسول کے گھر پہنچ کر چائے پی تو فقیر نے کہا کہ مجھے مقامی مشائخ کے

بارے میں بتائیں۔ مولانا محمد رسول نے بتایا کہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ایک ہی شیخ ہیں وہ بھی صاحب فراش ہیں۔ کافی عرصہ سے سالکین کو بیعت کرنے سے معذور ہیں۔ فقیر نے کہا چلیں ان کی عیادت کرتے ہیں۔ جب ان کے گھر پہنچے تو انہوں نے فقیر سے معانقہ کیا۔ فقیر نے ان کے لطائف پر توجہ دی تو ان پر جذبہ طاری ہو گیا۔ مولانا محمد رسول اور دیگر احباب پریشان ہو گئے کہ یہ کیا بنا؟ فقیر نے کہا کہ آپ خاموش رہیں تھوڑی دیر میں سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ چند ہی لمحوں کے بعد اس شیخ نے فقیر کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور کہا کہ میں آپ کی کیفیت سلب کرنا چاہتا تھا مگر آپ نے پہلے ہی میرا معاملہ صاف کر دیا۔ میں آپ کی شاگردی میں آنا چاہتا ہوں۔ آپ مجھے اپنا بچہ سمجھ کر سلوک سکھائیں۔ حاضرین محفل کے لئے یہ ان ہونا واقعہ تھا۔ جب لوگوں کو پتہ چلا کہ ہمارے شیخ نے بیعت کر لی ہے تو اہل قریہ کا حال دیکھنے کے قابل تھا۔

مغرب کی نماز کے بعد بیان ہوا۔ مولانا محمد رسول نے ترجمانی کی۔ بیان کے بعد حاضرین محفل سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت ہوئے۔ مولانا محمد رسول نے نقشبندی شیخ کے بیعت ہونے کا واقعہ بھی سنایا۔ مسجد کے ملحقہ ہال میں مستورات کے لئے بیان سننے کا انتظام تھا۔ عورتوں نے رقعے بھیجے کہ ہم نے بھی بیعت کی ہے۔ آپ ہمیں بھی تفصیل سے سمجھائیں کہ اوراد و ظائف کیسے کرنے ہیں؟ معمولات بتانے کے بعد فقیر نے مراقبہ کروایا اور جی بھر کر توجہات دیں۔ فقیر کی طبیعت میں اس قدر انشراح پیدا ہوا کہ جی چاہتا تھا سب کے سینوں میں نسبت کو انڈیل دیا جائے۔ زندگی میں بہت کم ایسی کیفیت محسوس ہوئی ہے۔ جب محفل سے فارغ ہوئے تو فقیر نے حاضرین سے درخواست کی کہ فقط مصافحہ پر ہی اکتفا کریں۔ مگر چند نوجوان لوگوں نے مصافحہ کیا اس کے بعد بوڑھوں کی باری آئی تو انہوں نے فقیر کے ہاتھوں، رخساروں

اور پیشانی کو چوم چوم کر حیران کر دیا۔ بوڑھے بوڑھے لوگ فقیر کو سینے سے لگا کر اتنا زور سے دباتے کہ یوں لگتا ان جیسا جوان کوئی ہے ہی نہیں۔ زندگی میں پہلی مرتبہ فقیر کو احساس ہوا کہ پسلیوں کو اور زیادہ مضبوط ہونا چاہئے تھا۔ خدا خدا کر کے مسجد سے نکل کر گھر پہنچے۔ آدھا گھنٹہ تو فقیر کے جسم میں سکت ہی نہیں تھی۔ میزبان بار بار پوچھتے کہ دستر خوان پر کھانا لگائیں مگر فقیر منع ہی کرتا رہا۔ بالآخر دل میں خیال پیدا ہوا کہ دوسرے لوگوں کو بھوک لگی ہو گی اور فقیر کی وجہ سے دیر ہو رہی ہے۔ چنانچہ مولانا عبداللہ اور راویل تاج الدین کا سہارا لے کر فقیر اٹھا اور دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا کھایا۔ کھانے سے فراغت پر مولانا محمد رسول نے بتایا کہ گھر کے بڑے کمرے میں بستی کی نوجوان لڑکیاں جمع ہو چکی ہیں اور آپ کا خصوصی بیان سننے کی متمنی ہیں۔ فقیر نے ہمت کر کے بیان شروع کر دیا پھر تو ایسا سماں بندھا کہ زہے نصیب۔ محمد رسول کی بیوی نے بتایا کہ لڑکیاں اس قدر روئیں کہ دوپٹے آنسوؤں سے بھیگ گئے تھے۔ داغستان کی تاریخ میں یہ رات ایک یادگار کی طرح ذہنوں میں نقش رہے گی۔

واپسی کا سفر :

اگلے دن گیارہ بجے ہوائی جہاز کے ذریعے تاشقند واپسی ہوئی۔ عباس خان نے بتایا کہ ہفتے کے دن کی ٹکٹ بن چکی ہے۔ فقیر نے تین دن کی مہلت کو غنیمت سمجھتے ہوئے سہ روزہ تربیتی پروگرام شروع کر دیا۔ ہم لوگ صبح سے شام تک کا وقت اعتکاف کی طرز پر گزارتے۔ سارا دن مکتوبات شریفہ کی تعلیم ہوتی۔ رات تہجد کی نماز اہتمام سے ادا کی جاتی۔ فقیر کثرت سے استغفار کرتا۔ علماء نے لکھا ہے کہ کسی بھی عمل کی قبولیت کے لئے ضروری ہے کہ اس کے آخر میں کثرت سے استغفار کیا جائے۔ شاید اس لئے ہر فرض نماز کے سلام پھیرنے پر ایک مرتبہ اونچی آواز سے اللہ اکبر کہنا اور تین مرتبہ

استغفر اللہ کہنا سنت ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ سے ارشاد فرماتے ہیں۔

فسبح بحمد ربك و استغفره انه كان توابا

(پس اپنے رب کی تعریف کر اور استغفار کر بیشک وہ توبہ قبول کرنے والا ہے)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مختلف انبیائے کرام کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا

كانوا قليلا من اليل يهجعون و بالاسحار هم يستغفرون

(وہ رات کو تھوڑا سوتے تھے اور سحری کے وقت وہ بخشش طلب کرتے تھے)

ہفتہ کے دن صبح آٹھ بجے تابانی آفس پہنچے تو ڈاکٹر منصور دو گاڑیاں لے کر آئے۔ ائرپورٹ پر پہنچے تو بعض مقامی علمائے کرام بھی الوداع کرنے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ ائرپورٹ کا عملہ حیران تھا کہ اس شخص کے ساتھ ازبکستان، تاجکستان، قزاقستان، ماسکو اور یوکرائن وغیرہ ممالک کے لوگ موجود ہیں۔ فقیر نے دعا کروائی تو عملے کے باوردی لوگ بھی اس دعا میں شریک ہوئے۔ ایک شخص نے فقیر سے پوچھا کہ یہ سب لوگ مختلف قبیلوں اور علاقوں سے تعلق رکھنے والے آپ کے ساتھ کیسے منسلک ہوئے؟ فقیر نے کہا کہ دین اسلام میں اتنی مقناطیسیت ہے کہ دلوں کو ایک دوسرے سے مربوط کر دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ان الذين امنوا و عملوا الصلحت سيجعل لهم الرحمن ودا

(بیشک جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے اللہ تعالیٰ ان سب کو دوست بنا دیتا ہے)

جب فقیر سامان بک کروانے کے بعد لاؤنج کی طرف جانے لگا تو اکثر احباب نے پرنم آنکھوں اور پرغم دلوں کے ساتھ فقیر کو رخصت کیا۔ فقیر اپنی بے بضاعتی اور بے عملی پر گریہ کناں تھا کہ ڈاک پہنچانے کا جیسے حق تھا وہ حق صحیح طور پر ادا نہ ہو سکا۔ کسی

نے کیا اچھا کہا ہے :

کیا فائدہ فکر بیش و کم سے ہو گا
ہم کیا ہیں کہ کوئی کام ہم سے ہو گا
جو کچھ کہ ہوا ہوا کرم سے تیرے
جو کچھ ہو گا ترے کرم سے ہو گا

لوٹ کے بدھو گھر کو آئے :

پی آئی اے کا طیارہ تاشقند سے کراچی پہنچا تو جماعت کے احباب ائرپورٹ پر ملنے کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے۔ دو دن کراچی میں قیام کرنے کے بعد فقیر اپنے گھر پہنچا۔ جب اطمینان اور سکون کے ساتھ بیٹھ کر اپنے سفر کے حالات پر غور کیا تو یوں محسوس ہوا کہ جیسے ایک شہنشاہ کا دربار صاف کرنا ہو تو بھنگی کو جھاڑو دینے کا حکم ملتا ہے۔ جھاڑو دینے کے دوران بھنگی شہنشاہ کے تخت پر بھی چڑھتا ہے۔ خاص خاص کرسیوں کو بھی ہاتھ لگاتا ہے، ہر چیز کو قریب سے دیکھتا ہے مگر جھاڑو کر لینے کے بعد اس کا اپنا مقام جوتوں میں ہی ہوتا ہے۔ بھنگی کو چاہئے کہ اپنی اوقات کو ہرگز نہ بھولے۔ بالکل اسی طرح فقیر کو وسط ایشیاء جانے کا حکم ملا۔ اس سفر میں مشائخ کے مزارات کو دیکھا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کو بہت قریب سے دیکھا، لیکن واپسی پر اپنے آپ کو وہی پایا جو جانے سے پہلے تھا۔ فقیر کو بھی چاہئے کہ اپنی اوقات کو یاد رکھے اللہ تعالیٰ فقیر کے اس سفر کو قبولیت عطا فرمائے تو زہے نصیب۔

شاہاں ہاں چہ عجب گر ہوازند گدارا
(بادشاہوں کے لئے یہ کوئی انوکھی بات نہیں اگر وہ کسی گدا کو نواز دیں)